فَسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ط

(پارہ ۱۴، سورۂ نحل)

ترجمہ: ''اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔''

ہم سے پوچھئے

تالیف

محمد الیاس خان نوری

(فاضل علومِ اسلامیہ کانپور، یو.پی)

محمدی بکڈپو

۵۲۳، وحید کتب مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۔۶

ہم سے پوچھیے

تالیف: محمد الیاس خان نوری
(فاضل علومِ اسلامیہ کانپور، یو پی)

صفحات: 336 سائز: 23x36/16 قیمت: -/۱۲۰

بہ اہتمام: محمدی بک ڈپو

ISBN: 81-89437-99-2

ناشر
محمدی بک ڈپو
۵۲۳، وحید کتب مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶

ملنے کے پتے

- ناز بکڈپو، محمد علی روڈ، ممبئی۔
- القرآن کمپنی، کمانی گیٹ، اجمیر۔
- مکتبہ نعیمیہ، مٹیا محل، دہلی۔۶
- جیلانی بکڈپو، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶
- شیخ محمد عثمان اینڈ سنس، سری نگر، کشمیر۔

Laser typesetted at:
Frontech Graphics
Abdul Tawwab 9818303136

انتساب

مفسرِ قرآن، رئیس المحققین، حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے نام جن کی تصانیف سے استفادہ کر کے احکامِ الٰہی کے اسرار و رموز آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کیا۔

ابرِ رحمت ان کی مرقد پہ گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

خادمِ دین وملت
محمد الیاس خان نوری

نذرانۂ عقیدت

ان علما، فقہا، مفسرین، محدثین، مجددین اور ائمۂ مجتہدین
کی بارگاہ میں
جن کے قلم کی سیاہی
شہیدوں کے خون پر
بھاری ہے۔

خادمِ دینِ وملت
محمد الیاس خان نوری

عرض مؤلف

ایک طویل عرصے سے میری دلی خواہش تھی کہ تفسیر نعیمی کے تمام عام فہم اعتراضات کے جوابات یکجا کر کے کتابی شکل دوں، لیکن کچھ مصروفیات اور فرصت کے فقدان کی کمی زنجیر پابنتی رہی۔ الحمدللہ! آج میری دلی خواہش پوری ہوئی اور تفسیر نعیمی کی اٹھارہ جلدیں جو مجھے دستیاب ہوسکیں میں نے اس میں سے تمام عام فہم اعتراضات کے جواب ترتیب دے کر یہ کتاب (ہم سے پوچھئے) آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اگر آپ دل و دماغ کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو یہ کتاب ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے معلومات میں مزید اضافے کا باعث ہوگی۔

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے اور پیر و مرشد آقائے نعمت، تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند ابوالبرکات محی الدین جیلانی علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کا فیضان ہے کہ یہ گنہگار اب تک ایک درجن سے زائد کتابیں اپنے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔ یہ میرے مرشد کا کرم نوازی نہیں تو کیا ہے؟ ورنہ کہاں مجھ جیسا کم علم اور کہاں دنیائے تصنیف و تالیف! سچ پوچھو تو تصنیف و تالیف ان عظیم ہستیوں کا استحقاق ہے جو زیور علم و عمل سے آراستہ ہیں۔ میں تو ہیچ ہوں بلکہ ہیچ سے بھی کمتر ہوں۔ ایسے ہیچ و کمتر سے بھلا کیا ہوسکتا ہے۔ اس کتاب میں احکامِ الٰہی کے اسرار و رموز سوال و جواب کی شکل میں ترتیب دیا یہ تو صرف میں ان روایات و واقعات کا ناقل ہوں جسے حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف و تفسیر میں تحریر فرمایا ہے۔ میرے لیے بس یہی کافی ہے کہ علم و حکمت سے بھرپور یہ علمی ذخیرہ قارئین کرام تک

پہنچا رہا ہوں۔

اس کتاب پر میں نے کسی عالم کی تقریظ، تصدیق وتصحیح کی ضرورت اس لیے نہیں محسوس کی کہ صحت کتاب کے لیے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ کا نام ہی کافی ہے۔ پھر بھی آپ سے میں بصد احترام التماس کروں گا کہ بتقضائے بشری اس کتاب میں اگر کوئی قلمی لغزش ہوئی ہو تو دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ کو معاف فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے معمور فرمائے اور ان علمائے حق کے صدقہ طفیل میں اللہ ہم سب کی بخشش ومغفرت فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

آخر میں آپ سے یہی کہوں گا جب آپ کسی دینی ومذہبی کتاب کا مطالعہ کریں تو خوب غور وفکر کریں۔ دل ودماغ سے غفلت کی پٹی کھول دیں، معانی، مطالب، مفاہیم سمجھنے کی بھرپور کوشش کریں کیونکہ پڑھنا سمجھنے کے لیے ہوتا ہے۔ اگر ہم کسی دینی ومذہبی کتاب کو سمجھ کر نہ پڑھیں تو مطالعہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ مطالعہ کرتے وقت عقل ودماغ کی حاضری ضروری ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ ایک من علم کے لیے دس من عقل کی ضرورت ہے، تب علم سمجھ میں آتا ہے ورنہ نہیں۔

آج لوگوں کا ذوقِ مطالعہ بالکل ختم ہو چکا ہے۔ کسی مذہبی کتاب کو پڑھنے کے لیے لوگوں کو شوق ہی نہیں۔ بہت کم حضرات ایسے ملیں گے جن میں ذوقِ مطالعہ ہے۔ اچھی کتاب خریدنے کے لیے لوگ پیسہ خرچ نہیں کرتے جب کہ قصے، ناول، کہانی، شعر وشاعری کی کتابیں، اخلاق سوز کتابیں خریدنے کے لیے لوگوں کے پاس پیسے بھی ہیں اور پڑھنے کے لیے وقت بھی ہے مگر قرآن کی تفسیر، احادیث نبویہ اور دینی ومذہبی کتابیں پڑھنے کے لیے لوگوں کے پاس وقت نہیں۔ افسوس صد افسوس!

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

کسی دانشور کا قول ہے کہ دو چیز کی قیمت خواہ کتنی زیادہ کیوں نہ ہو مگر لے لو۔ ایک عمدہ

کتاب جو علم وحکمت اور نصیحت سے بھرپور ہو، دوسری صحت بخش دوا۔ دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو بچپن، جوانی اور بڑھاپے میں انسان کے لیے مناسب ہو، مگر علم وحکمت سے بھرپور کتاب ہر انسان کے لیے ہر حال میں مناسب ہے۔ ایک عمدہ اور اچھی کتاب سے بڑھ کر کوئی ساتھی اور دوست نہیں۔ اور آخر میں یہ بھی آپ کو بتا دوں کہ جس آدمی میں علم نہیں وہ جانور ہے اور جس گھر میں عالم نہیں وہ گھر نہیں بلکہ جانوروں کا دربا (واڑہ) ہے، اور جس ملک میں علم کا رواج نہیں وہ ملک نہیں بلکہ حیوانات کا جنگل ہے۔

میرے بھائی! علم بہت بڑی دولت ہے۔ اس کی حصول میں غفلت وسستی نہ کرو۔ چوبیس گھنٹے میں صرف آدھا گھنٹہ صبح وشام وقت نکال کر پابندی کے ساتھ غور وتدبر سے تفسیر قرآن، احادیث نبویہ اور دینی کتابیں سمجھ کر پڑھیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو بہت تھوڑے دنوں کے اندر آپ اپنے میں ایک نئی تبدیلی پائیں گے، ایک نیا بدلاؤ دیکھیں گے۔

آخر میں آپ سے بصد احترام التماس کروں گا کہ آپ اپنے حلقۂ احباب میں بالخصوص علمائے کرام اور ائمۂ مساجد جنہیں مطالعہ کا شوق ہے مگر کتابیں خریدنے سے قاصر ہیں، اگر آپ کا جیب خاص اجازت دیتا ہو تو آپ انہیں کوئی مطلوبہ اسلامی لٹریچر خرید کر ہدیہ یا تحفہ میں ضرور دیں یا نشریاتی اداروں کی آپ تعاون کریں، یا اپنے طرف سے اپنے مرحوموں کی ایصال ثواب کے لیے کوئی کتاب شائع کرا دیں۔ یقین جانیئے یہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ آپ اپنے گھروں میں اسلامی کتابیں بسائیے، خود پڑھئے اور اپنے اہل وعیال کو بھی پڑھنے کی تلقین کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پڑھنے، حق سمجھنے اور حق پر عمل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

انداز مرا گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

خادم دین وملت

محمد الیاس خان نوری

مقام وپوسٹ رتن پور، تعلقہ مات، ضلع کھیڑا (گجرات)

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

سوال:۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جواب:۔۔۔وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ومغفرتہٗ۔

سوال:۔۔۔السلام علیکم کا معنی کیا ہوتا ہے اور یہ سلام تمام مذہبوں کے سلام سے افضل کیوں ہے؟

جواب:۔۔۔بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا: تو فرمایا: دیکھو وہ فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہے وہاں جاؤ اور انہیں سلام کرو اور ان کے جواب میں غور کرو کیونکہ وہی تمہاری اولاد کا سلام و جواب ہوگا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام وہاں گئے اور کہا ''السلام علیکم''۔ وہ سب بولے ''علیک السلام ورحمۃ اللہ''۔ علما فرماتے ہیں کہ سلام اگرچہ ایک آدمی کو کرے مگر ''علیکم'' ضمیر جمع استعمال کرے کہ ہر شخص کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔ کراماً کاتبین اور محافظین ان کو بھی سلام ہو جائے چنانچہ وہ بھی جوابِ سلام دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے۔ ترمذی، ابو داؤد نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کی کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ''السلام علیکم''۔ حضور نے جواب دیا اور فرمایا ''دس''۔ پھر دوسرا آیا، عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ جواب دیا اور فرمایا ''بیس''۔ پھر تیسرا حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جواب دیا اور فرمایا ''تیس''۔ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ پہلے کو دس نیکیاں ملیں، دوسرے کو بیس اور تیسرے کو تیس نیکیاں ملیں۔

سوال:۔۔۔علما کہتے ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ کراماً کاتبین اور محافظ فرشتے رہتے ہیں

اس لیے ''السلام علیکم'' میں لفظ علیکم ضمیر جمع کا استعمال ہوا تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ فرشتے اور کراماً کاتبین نہیں ہوتے؟ یہاں کیوں الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ یا السلام علیك یاایھاالنبی میں علیك ضمیر واحد کا استعمال ہوا، اور اگر حضور کے ساتھ فرشتے اور کراماً کاتبین ہوتے ہیں تو یہاں پر بھی ضمیر جمع کا استعمال ہونا چاہئے۔

جواب:— انسان خطا ونسیان کا پتلا ہے اس لیے کراماً کاتبین کو نیکی و بدی لکھنے کے لیے مقرر کیا گیا اور ان کی ضرورت ہے۔ لیکن انبیائے کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں پھر کراماً کاتبین کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام پر کراماً کاتبین کو اٹھا لیا ہے۔ رہا محافظین فرشتوں کی بات جو ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں، مگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو دونوں عالم کے مالک و مختار ہیں، تمام امت خواہ وہ امت اجابت یا امت دعوت (غیر مسلم) تمام انسان آپ ہی کی ملکیت میں ہیں۔ آپ ہی کی امت میں ہیں، اور حفاظت ملکیت کی کی جاتی ہے نہ کہ مالک کی۔ مالک نے اپنے فیکٹری یا کارخانے میں چوکیدار، محافظ رکھا تو فیکٹری اور کارخانے کی حفاظت کے لیے رکھا ہے نہ کہ اپنے لیے۔ لہٰذا میرے سرکار کے ساتھ محافظ فرشتوں کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود ان کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ نیز محدثین و مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے دونوں کندھوں کے درمیان شیطان اپنی نشست گاہ بناتا ہے اور وہیں بیٹھ کر اپنے سونڈ کو انسان کے دل میں ڈال کر وسوسہ پیدا کرتا ہے، برائیوں اور گناہوں کی طرف بلاتا ہے، معصیت میں گرفتار کرتا ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں مبارک کے درمیان مہر نبوت لگا دیا جس پر شیطان کی نشست ناممکن ہے۔ گویا کہ اللہ نے مہر نبوت لگا کر شیطان کی نشست ہی ختم کر دی اور اپنے محبوب کے طفیل انبیائے کرام کو شیطان کے مکر و فریب اور شر سے ہمیشہ کے لیے محفوظ فرما دیا اور ان مقدس ہستیوں کو معصوم عن الخطا کا اعزاز بخشا۔ ان کے لیے نہ کراماً کاتبین کی ضرورت ہے نہ محافظین کی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کرنے میں ضمیر واحد ''علیک'' کا استعمال ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی سلام تمام سلاموں سے افضل ہے۔ ہندو کہتے ہیں رام رام، جواب دیتے ہیں ''جیتا رام''۔ پنڈت کہتے ہیں پائیں لاگی، نمشکار، جواب دیتے ہیں سکھی رہو۔ مجوسی پارسی کہتے ہیں جیو ہزار وسال۔ عیسائی کہتے ہیں گڈ مارننگ۔ مسلمان کی جاہل عورتیں کہتی ہیں سلام۔ جواب ملتا ہے جیتی رہو، بڑی عمر ہو، دنیا میں عیش سے رہو۔ یہ سب سلام و جواب بیہودہ و جاہلانہ ہیں کیونکہ ان میں سے بعض میں تو شرک و کفر کی بو ہے اور بعض میں دنیا کی ہوس کا اظہار۔ سب سے بہتر ہے ''السلام علیکم'' جس کا معنی و مطلب ہوا تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو۔ جواب میں ''وعلیکم السلام'' تم پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔ اس میں دینی، دنیوی ہر مصیبت سے سلامتی کا ذکر آ گیا۔ بعض لوگ دور سے صرف ہاتھ اٹھا دیتے ہیں یا سر ہلا دیتے ہیں۔ یہ طریقہ اسلامی آداب وسلام کے خلاف ہے۔ سلام اتنا بلند آواز سے کرنا چاہیے کہ سامنے والا سن سکے۔ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ اگر کوئی سن کر سلام کا جواب نہ دے تو وہ گنہ گار ہے۔ سلام اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے۔

سوال:۔۔۔ دنیا کی ابتدا کس طرح سے ہوئی؟

جواب:۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ مٹی کو دریا کی جھاگ سے بنایا۔ جھاگ کو موجوں سے بنایا اور موجوں کو پانی سے بنایا۔ اس طرح دنیا کی ابتدا ہوئی۔

سوال:۔۔۔ دنیا کا سب سے پہلا انسان کون؟

جواب:۔۔۔ حضرت آدم علیہ السلام دنیا کے پہلے انسان ہیں جو تمام انسانوں کے باپ ہیں اور یہی سب سے پہلے نبی و رسول بھی ہیں جو دنیا میں تشریف لائے۔ آپ صاحب شریعت اور صاحب کتاب ہیں۔ اس اعتبار سے دنیا کا سب سے پہلا انسان موحد مسلمان ہے۔

سوال:۔۔۔ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔۔۔ رسول صاحب شریعت اور صاحب کتاب ہوتا ہے اور نبی رسول کے زمانے میں ان کی دین اور شریعت کا مبلغ بن کر آتا ہے۔

سوال:۔۔۔ رسولوں کی کل کتنی تعداد ہے؟

جواب:— مفسرین، محدثین اور فقہا کے قول کے مطابق رسولوں کی تعداد ۳۱۳ ہے۔ اسی تعداد کی مناسبت سے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ آئے تھے۔

سوال:— اہل عرب کے لیے رسولوں اور نبیوں کی تعداد کتنی ہے؟

جواب:— سرزمین عرب میں کل سات پیغمبر تشریف لائے— حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام اور ہمارے حضور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال:— تمام انبیائے کرام کا دین کیا تھا؟

جواب:— سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق سب کا دین اسلام ہی ہے البتہ شریعتیں الگ الگ ہیں۔ لفظ شریعت شرع سے بنا ہے جس کے معنی پختہ سڑک کے ہوتے ہیں جو رسول اللہ کا پیغام جس انداز و اسلوب سے بندوں تک پہنچایا وہ اندازِ دعوت و اسلوبِ بیان اس رسول کی شریعت بن گئی۔

سوال:— اسلام اور ایمان میں کیا فرق ہے؟

جواب:— کلمہ پڑھنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا اور صاحب استطاعت ہو تو حج کرنا، یہ اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر اور آخرت پر، اچھی بری تقدیر پر مکمل یقین رکھنا یہ ایمان ہے۔ سچ جو پوچھو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایمان ہیں اور صرف ایمان ہی نہیں بلکہ جانِ ایمان ہیں۔ حضور کی تعظیم و ادب اور آپ سے عشق و محبت ہی ایمان ہے۔ ایمان اصل ہے اعمال اس کی فرع۔ ایمان جڑ ہے اعمال اس کی شاخیں۔ جس طرح کسی درخت کی جڑ کو کاٹ دینے سے اس کی شاخیں خود بخود مرجھا جاتی ہیں بالکل اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ادنیٰ سی گستاخی اعمال کے کھیتی کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ ایمان کی بنیاد خوش عقیدگی پر ہے۔ اگر عقیدہ بگڑ گیا تو تمام اعمال برباد و بے کار ہے۔ اس لیے اعمال سے زیادہ عقیدے کی اصلاح و درستگی ضروری ہے اور مدار نجات بھی

ایمان ہی پر ہے، عمل پہ نہیں۔لوگ ایمان کی وجہ سے جنت میں جائیں گے اور درجے ان کے اعمال کے مطابق بلند کئے جائیں گے۔

سوال:—اللہ نے کل کتنی کتابیں نازل کی ہیں۔

جواب:— کل ایک سو چار کتابیں نازل کی ہیں۔ ان تمام کتابوں اور صحیفوں کی وضاحت قد افلح من تزکی والی آیت کریمہ کی تفسیر میں موجود ہے۔۵۰ صحیفہ حضرت شیث علیہ السلام پر، ۳۰ صحیفہ حضرت ادریس علیہ السلام پر، ۳۰ صحیفہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر، توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن ہمارے آقا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جو تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ ہے جو پوری نسل انسانیت کے لیے صبح قیامت تک ہدایت و رہنما ہے۔

سوال:—وہ کون سا پانی ہے جو آب کوثر اور آب زم زم سے بھی افضل ہے؟

جواب:— صلح حدیبیہ کے موقع پر ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت والی انگلی مبارک سے جو پانی نکلا تھا اور جس سے چودہ سو صحابہ سیراب ہوئے تھے وہ پانی تمام پانیوں سے زیادہ افضل ہے۔

سوال:—وحی کیا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کس طرح ملتا تھا؟

جواب:— اللہ تعالیٰ کا جو پیغام حضرت جبرئیل علیہ السلام ہمارے حضور کے پاس لائے وہ وحی ہے اور جو قرآن کی شکل میں ہے۔اللہ تعالیٰ قلم کو حکم دیتا تھا تو یہ لوح محفوظ پر لکھ دیتا تھا اور یہ لوح (تختی) حضرت اسرافیل علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔حضرت اسرافیل حضرت میکائیل علیہ السلام کو دیتے تھے اور حضرت میکائیل حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو دیتے تھے اور حضرت جبرئیل اللہ کا پیغام میرے حضور کو پہنچاتے تھے۔

سوال:—اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک طرح کی مٹی سے بنایا یا مختلف قسم کی مٹی سے بنایا۔

جواب:— مختلف قسم کی مٹی سے بنایا اسی لیے ہر انسان کا چہرہ مہرہ ایک دوسرے سے

مختلف ہے تاکہ ایک دوسرے کی پہچان ہو جائے۔ نیز حضرت آدم کا مجسمہ بنانے کے بعد جو مٹی بچی اللہ نے اس مٹی سے کھجور کا درخت بنایا اس لیے کھجور انسانی صحت کے لیے بہت ہی فائدے مند ہے۔

سوال:۔۔۔انسان کی زندگی میں خوشی کم اور غم زیادہ کیوں ہے؟

جواب:۔۔۔تفاسیر کی کتابوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے قصے میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کا مجسمہ (پتلا) اپنے دست قدرت سے بنایا اور اسے میدانِ عرفات میں رکھا تو اس پر چالیس روز تک مسلسل بارش ہوئی۔ انتالیس دن تک رنج وغم کی بارش ہوئی اور ایک دن خوشی کی۔ اس لیے انسان کو رنج وغم زیادہ رہتا ہے اور خوشی کم ہوتی ہے۔

سوال:۔۔۔روح ڈالنے کے بعد آدم علیہ السلام کی زبان سے سب سے پہلا لفظ کیا نکلا تھا؟

جواب:۔۔۔جب روح ڈالی گئی تو آپ کو چھینک آگئی اور آپ کی زبان سے الحمدللہ نکلا۔ اسی لیے قرآن کی ابتدا الحمد للہ سے کی گئی کیوں کہ یہ انسانی زبان سے نکلا ہوا پہلا لفظ ہے۔

سوال:۔۔۔چھینک کیا ہے اور یہ کیوں آتی ہے اور اس پر الحمدللہ کیوں پڑھا جاتا ہے؟

جواب:۔۔۔انسان ہو کہ جانور، چھوٹا ہو کہ بڑا سبھی کے دل میں خون گردش کرتا ہے اور صاف ہو کر دل سے تمام رگوں میں پہنچتا ہے۔ جب خون میں کوئی کاربن یعنی کہ کچرا آجاتا ہے تو دل میں خون پہنچنے میں رکاوٹ آجاتی ہے جس کی وجہ سے پل بھر کے لیے دل کی دھڑکن میں بھی رکاوٹ آجاتی ہے اور پھر چھینک آنے پر جھٹکے کے ساتھ خون واپس چل دیتا ہے۔ کاربن دور ہو جاتی ہے اور پھر سے ایک لمحے کے بعد دل کی دھڑکن شروع ہو جاتی ہے۔ اگر چھینک نہ آئے تو آدمی کی دل کی دھڑکن رک جائے اور انسان کی موت واقع ہو جائے۔ یہ چھینک آنا، دھڑکن لمحہ بھر کو روک کر واپس شروع ہونا قدرت کے ہاتھ کی بات ہے، انسان کے بس کی بات

نہیں۔اس لیے چھینک آنے پر اللہ تعالیٰ کا یہ لفظ بول کر شکر و احسان ادا کیا جاتا ہے۔ایک جرمن سائنس داں روڈ لف نے اس پر ریسرچ کیا تو اس نے بھی یہی کہا جو میں نے لکھا۔دنیا کے بہت سے سائنس دانوں نے سنت نبوی پر ریسرچ کیا تو انہوں نے برملا اعتراف کیا کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات میں کوئی نہ کوئی سائنسی پہلو چھپا ہوا ہے۔میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا اگر سنت نبوی اور آپ کی تعلیمات پر ریسرچ کرے تو سائنس کی ہر نئی تحقیق و ریسرچ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات سب کے لیے رہبر و رہنما ثابت ہوگا۔

سوال:— مرد کی کفن میں تین کپڑے اور عورت کی کفن میں پانچ کپڑے کیوں دیا جاتا ہے؟

جواب:— حضرت آدم علیہ السلام نے جب گندم کا دانہ کھالیا تو ان کے بدن سے جنتی لباس جاتا رہا۔آپ نے انجیر کے تین پتوں سے دو پیچھے اور ایک آگے کے شرمگاہ کو چھپایا اس لیے مرد کے کفن میں تین کپڑے دیا جاتا ہے۔اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا نے پانچ پتوں سے اپنے بدن کو چھپایا جن میں سے دو سینے کے حصے کو چھپایا اس لیے عورت کو کفن میں پانچ کپڑے دیا جاتا ہے۔

سوال:— گندم کا دانہ کتنا کھایا تھا اور وہ کتنے بڑے بڑے تھے؟

جواب:— صرف دو دانہ کھایا تھا۔مفسرین کے قول کے مطابق وہ دانہ مرغی کے انڈا جتنا بڑا تھا۔

سوال:— حضرت آدم علیہ السلام گندم کا دانہ کھانے کے بعد جنت سے کہاں پر اتارے گئے اور کس لباس میں اتارے گئے؟

جواب:— تفسیر کے حوالوں سے سراندیپ نام کے پہاڑ پر اتارے گئے جو سری لنکا میں ہے۔اس وقت لنکا ہندوستان کا ایک حصہ تھا۔آپ جب جنت سے دنیا میں آئے تو جنت کے درخت کے تین پتے پہنے ہوئے تھے۔

سوال:— حضرت آدم حضرت حوا سے ہیں یا حضرت حوا حضرت آدم سے ہیں؟

جواب:— حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام سے ہیں۔ یعنی آپ کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا۔ اسی لیے طلاق کا مکمل حق مرد کو دیا گیا ہے۔

سوال:— جمعہ کا دن کیا ہے اور اس کو جمعہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب:— جمعہ دن کا چھٹا دن ہے۔ اس دن دنیا مکمل ہوئی۔ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی روحوں کو اللہ تعالیٰ نے اس دن اکٹھا جمع کیا تھا اس لیے اس کو جمعہ کہتے ہیں اور ایک روایت کے مطابق یہ بھی ہے کہ اس دن تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس لیے اس دن کو جمعہ کہا گیا۔ اور بھی بہت سی وجہیں ہیں۔

سوال:— جو فرشتے انسانوں کی نیکی اور بدی لکھتے ہیں تو ان کی قلم، سیاہی اور لکھنے کے لیے تختی کیا ہے؟

جواب:— بندے کی زبان ان کی قلم ہے، تھوک سیاہی ہے اور دل ان کی تختی ہے جس پر فرشتے نیکی اور برائی لکھتے ہیں۔ کل بروز قیامت اسے اعمال نامے کی شکل میں پیش کیا جائے گا۔

سوال:— سورج کہاں سے نکلتا ہے اور کہاں جا کے ڈوبتا ہے؟

جواب:— سورج ایک پانی کے جھرنے میں سے نکلتا ہے اور واپس جھرنے میں ڈوب جاتا ہے اور پانی کا یہ جھرنا کاف نام کے ایک پہاڑ میں ہے۔

سوال:— وہ کون سی قبر تھی جو دنیا میں چاروں طرف پھرتی تھی اور اس میں رہنے والا انسان اللہ کی عبادت میں مصروف تھا۔

جواب:— وہ قبر مچھلی کا پیٹ ہے جس نے حضرت نبی یونس علیہ السلام کو نگل لیا تھا اور وہ مچھلی پوری دنیا میں چاروں طرف پھرتی تھی۔ مگر اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہ کر اللہ کی عبادت اور ذکر میں مصروف تھے۔

سوال:— حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی کتنی تھی؟

جواب:۔۔۔ مفسرین کرام اپنی اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں کہ تین سو ہاتھ لمبا، پچاس ہاتھ چوڑا اور تیس ہاتھ اونچا یہ کشتی تھی اور اس میں جو تختے لگے تھے تمام نبیوں کے تعداد کے مطابق تھے۔ سب سے آگے تمام نبیوں کے سردار احمد مختار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی تختی لگی تھی۔

سوال:۔۔۔ جنت کو جنت اور جہنم کو جہنم کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔۔۔ جنت کے معنی ہوتے ہیں چھپا ہوا باغ۔ چونکہ وہ باغ اس کی بہاریں، اس کے محلات دنیا والوں کے نگاہوں سے چھپا ہوا ہے اس لیے اسے جنت کہتے ہیں اور جہنم کا لفظ یہ عجمی (غیر عربی) ہے۔ اصل میں جہنم کا لفظ چاہ نم تھا یعنی گہرا کنواں۔ چونکہ وہ نہایت ہی گہرا مقام ہے اور گویا آگ کا کنواں ہے اس لیے اس کو جہنم کہا گیا۔

سوال:۔۔۔ جنت یا جہنم پیدا ہو چکے یا قیامت کے بعد پیدا ہوں گے؟

جواب:۔۔۔ یہ دونوں پیدا ہو چکے ہیں۔ وہیں پہلے حضرت آدم علیہ السلام رہے۔ وہاں ہی کی کھڑکی مومن کی قبر میں کھلتی ہے۔ وہاں ہی کی سیر حضورؐ نے معراج میں فرمائی، جہنم میں لوگوں کو عذاب میں مبتلا دیکھا وغیرہ وغیرہ۔

سوال:۔۔۔ اتنے پہلے انہیں کیوں پیدا فرمایا؟ ان میں داخلہ تو قیامت کے بعد ہوگا تب پیدا فرما دیا جاتا۔

جواب:۔۔۔ حکومت کے دفاتر، کوٹھیاں، جیل خانے، پھانسی کے گھر پہلے ہی تیار کئے جاتے ہیں۔ اس کا انتظار نہیں کیا جاتا کہ کوئی چور پکڑ کر آوے تو جیل بنائی جائے۔

سوال:۔۔۔ یہ دنیا کی آگ جس سے ہم اپنی بہت سی ضروریات پوری کرتے ہیں، یہ کہاں سے آئی؟

جواب:۔۔۔ یہ آگ جہنم ہی سے دنیا میں آئی ہے مگر سات سمندر کے پانی سے اسے ٹھنڈا کیا گیا ہے۔ پھر بھی اتنی حدت وشدت ہے۔ اس سے جہنم کی اصل آگ کی شدت کا اندازہ لگائیے۔

سوال:۔۔۔ جب جنت لاکھوں سال پرانی ہے تو وہاں کی نہریں اور نہروں کی چیزیں، دودھ، پانی، شہد، پھل، فروٹ، میوے وغیرہ سب خراب ہو چکا ہوگا۔ (ملحدین)

جواب:۔۔۔ بگڑنا اور خراب ہونا ان چیزوں میں ہوتا ہے جو مخلوق کی حفاظت میں ہو، مگر جس کا محافظ اللہ تعالیٰ ہو اس کا بگڑنا اور خراب ہونا غیر ممکن ہے۔ سمندر میں پانی لاکھوں برس کا ہے لیکن نہ ہی وہ بگڑا اور نہ ہی وہ خراب ہوا۔

سوال:۔۔۔ جنت ودوزخ میں انسانوں کے سوا دوسری مخلوق بھی جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔۔۔ جنت صرف ایمان والوں اور نیک انسانوں کے لیے ہے جو خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت پر ایمان لائے، اور دوزخ کافرین، مشرکین انسانوں، جناتوں کے لیے ہے۔ ہاں دوزخ میں کفار و مشرکین کے جھوٹے خدا بت، پتھر، درخت، سورج بھی جائیں گے مگر عذاب پانے کے لیے نہیں بلکہ کافروں کو عذاب دینے اور اپنی بے بسی ظاہر کرنے کے لئے۔

سوال:۔۔۔ دوزخ میں فرشتے ہوں گے یا نہیں، اور اگر ہوں گے تو انہوں نے کیا گناہ کیا ہے؟ وہ تو گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ (بعض جاہل بے ادب)

جواب:۔۔۔ دوزخ میں فرشتے ہوں گے مگر عذاب پانے کے لیے نہیں بلکہ جہنمیوں کو عذاب دینے کے لیے جیسے جیل میں پولس کے سپاہی یا جیلر اور داروغہ جیل میں رہتے ہیں مگر سزا دینے کے لیے ہوتے ہیں، سزا پانے کے لیے نہیں۔

سوال:۔۔۔ شیطان بھی اگر دوزخ میں گیا تو اسے عذاب کیا ہوگا، وہ قومِ جنّ سے ہے اور جنّ کی پیدائش آگ سے ہے۔ بھلا آگ کو آگ سے کیا تکلیف ہو سکتی ہے؟

جواب:۔۔۔ آگ کو آگ سے تکلیف پہنچ سکتی ہے جیسے اگر کوئی آپ کے سر میں مٹی کا ڈھیلا یا اینٹ مارے تو آپ کو تکلیف ہوتی ہے حالانکہ وہ بھی مٹی ہے اور آپ بھی مٹی ہی کے بنے ہیں۔

سوال:۔۔۔ فرشتوں کو جنت کیوں نہیں ملتی، وہ بھی تو بڑے عابد ہیں؟

جواب:—ان کے پاس نفس نہیں ہے لہٰذا انہیں عبادت میں کچھ تکلیف نہیں۔ان کے لیے عبادت ایسی ہے جیسے ہمارے لیے سانس لینا،اور ثواب عبادت کا ہوتا ہے نہ کہ عادت کا۔ جزا کے لیے جنت میں پہنچانے والی چیز نفس امارہ ہے جب اس کے منہ میں شریعت کی لگام ہو۔

سوال:— حدیث شریف میں ہے کہ تمام جنتی خوب صورت تیس سالہ جوان ہوں گے اور کافر ومشرک اتنے موٹے ہوں گے کہ ان کی ایک داڑھ پہاڑ کے برابر ہوں گے۔نیز بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل کو کتے کی شکل میں دیکھا گیا۔یہ جسموں کی تبدیلی آواگون ہے جو اسلام میں حرام ہے۔(آریہ)

جواب:— جسم کی تبدیلی کا نام آواگون نہیں ہے بلکہ روح کی تبدیلی کا نام آواگون ہے اور اس کا ماننا کفر ہے۔انسانی روح کا کسی جانور میں دخول ہونا یہ ناممکن ہے البتہ جسم اور شکل کا بدل جانا یہ آواگون نہیں جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام جب جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انسانی شکل وصورت ہی میں آئے۔حضرت مریم کے پاس آئے تو ایک خوب صورت نوجوان کی شکل میں آئے حالانکہ وہ فرشتوں میں سے ہیں۔

سوال:— جنت میں عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کریں گی یا نہیں؟(آریہ)

جواب:— وہاں پردہ نہیں ہوگا۔وہاں کوئی چیز واجب یا حرام نہ ہوگی۔یہ احکام دنیاوی زندگی کے لیے ہیں۔اگر وہاں پردہ فرض ہو تو وہ جگہ عمل کی ہوگئی حالانکہ وہ جگہ صرف جزا کی ہے عمل کی نہیں۔دنیا دارالعمل ہے آخرت دارالجزا ہے۔

سوال:— تب تو بڑا فساد ہوگا،عورت مرد کا ملنا خطرے کا باعث ہوتا ہے۔(آریہ)

جواب:— وہاں نفس امارہ جو تمام فتنہ وفساد کا جڑ ہے،وہ فنا اور ختم ہو جائے گا۔انسان کا دل وہی چاہے گا جو رب تعالیٰ کو پسند ہو۔دنیا کی پابندیاں نفس امارہ کی وجہ سے ہیں۔جب وہی نہ رہا تو پابندی کیسی؟ پرندے کو اسی وقت پنجرے میں رکھتے ہیں جب تک اس کے پر ہیں۔جب پر ہی کاٹ دیئے گئے تو اب اسے پنجرے میں رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

سوال:— قیامت کو قیامت کیوں کہتے ہیں؟

جواب:— قیامت کے معنی ہیں کھڑا ہونا۔ چونکہ اس دن سارے انسان مرد عورت اپنی اپنی قبروں سے کھڑے ہو کر میدانِ محشر میں جائیں گے اور وہاں سب حساب کے انتظار میں کھڑے ہی ہوں گے لہٰذا اس کا نام قیامت ہے۔

سوال:— حدیث شریف میں ہے کہ محشر کا میدان ملک شام ہوگا تو دنیا کے تمام انسان ملک شام کی سرزمین میں کیسے سما جائیں گے؟ (آریہ)

جواب:— بڑی آسانی سے، جیسے خواجہ غریب نواز کے اشارے پر انا ساگر ایک پیالے میں سما گیا تھا جسے کرامت کہتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ کے حکم اور اشارے پر تمام انسان ملک شام میں سما جائیں گے۔ یہ خدا کی قدرت ہے۔ جو خدا اُن آنکھ کی پتلیوں میں چاند و سورج، ستارے اور دنیا کے بڑے بڑے شہر و مناظر سما دیتا ہے وہ خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمام انسانوں کو ایک چھوٹی سی جگہ میں سما دے۔

سوال:— قیامت کیوں ہوگی اور اس سے فائدہ کیا ہے؟ (آریہ)

جواب:— اس دنیا میں مومن اور کافر ایک ہی زمین پر آباد ہیں۔ قیامت میں ان کی چھانٹ ہوگی۔ چھانٹ کے بعد مومن کو جنت میں اور کافر و مشرک کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ قیامت چھانٹ کا دن ہے۔ دیکھئے ملزم کو پہلے حوالات میں رکھتے ہیں، پھر اسے عدالت میں حاکم کے سامنے پیش کر کے فیصلہ حاصل کر کے جیل پہنچاتے ہیں۔ قیامت مقدمات کی پیشی کا دن ہے اسی لیے اسے یوم الحساب بھی کہتے ہیں۔ اس دِن سب کو انصاف ملے گا، کسی کے ساتھ ذرّہ بھر ناانصافی نہیں ہوگی۔

سوال:— قیامت میں حساب کیوں ہوگا؟ کیا اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے اعمال کی خبر نہیں کہ کون جنتی ہے، کون جہنمی ہے؟ (آریہ)

جواب:— اللہ تعالیٰ کو ذرّے ذرّے، قطرے قطرے کی خبر ہے۔ یہ حساب رب کے علم کے لیے نہیں بلکہ انسانوں کا منہ بند کرنے کے لیے ہوگا تاکہ جہنمی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے دوزخ کیوں دی، فلاں کو جنت کیوں ملی، یا مجھے جہنم میں سخت جگہ کیوں ملی، دوسروں کو ہلکی کیوں

دی گئی۔

سوال:— قیامت کے دن لوگ پہلے تمام انبیا علیہم السلام کے پاس کیوں جائیں گے؟ بعد میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیوں آئیں گے؟

جواب:— تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شفاعت یا مدد و دستگیری کرنے والا نہیں۔ اگر تمام محشر والے پہلے حضور کے پاس چلے جاتے تو شاید کوئی کہہ دیتا کہ شفاعت تو اور جگہ بھی ہو جاتی، ہم اور جگہ گئے نہیں۔ گویا شانِ اظہارِ مصطفیٰ کے لیے میدانِ محشر قائم ہو گی۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا

سوال:— انسانوں کی ہدایت کے لیے نبی کی کیا ضرورت ہے۔ کیا اللہ نبی کے بغیر فیض اور ہدایت نہیں دے سکتا تھا؟

جواب:— جب کمزور چیز کسی طاقتور اور مضبوط چیز سے فیض لینا چاہے تو درمیان میں واسطہ ضروری ہے ورنہ کمزور فنا ہو جائے گا۔ اگر روٹی کو آگ سے گرم کرنا ہے تو بیچ میں توا ضروری ہے۔ اگر سورج کو دیکھنا ہے بلّوری اور ٹھنڈے شیشے کا واسطہ لازم ہے۔ خالق قوی و قادر ہے اور مخلوق کمزور و ضعیف ہے اس لیے درمیان میں کسی ایسی چیز کا ہونا لازم ہے جو خالق سے فیض لینے اور مخلوق تک پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو۔ اس واسطہ، وسیلہ اور چیز کا نام نبی و رسول ہے۔

سوال:— تو پھر رب تعالیٰ مجبور ہوا کہ وہ اپنے بندوں کو بغیر پیغمبر کے احکام نہ پہنچا سکا؟ (آریہ)

جواب:— رب تعالیٰ مجبور نہیں ہوا بلکہ ہم مجبور ہوئے کہ رب سے بلا واسطہ فیض حاصل نہ کر سکے۔ روٹی کمزور ہے نہ کہ آگ۔

سوال:— توریت، زبور، انجیل اور دوسرے صحیفے جو نبیوں پر نازل ہوئی ہیں وہ بھی تو کلامِ الٰہی ہے، ان پر عمل کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

جواب:— قرآن، اسلام اور دین محمدی کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام دین اور مذاہب کو منسوخ کر دیا۔ اب نجات صرف اور صرف اسلام میں ہے۔ قرآنی احکام پر عمل کرنے میں ہے۔ لالٹین اور گیس رات میں روشنی دیں گے، دن میں نہیں، آفتاب نے ان سب کو بے کار کر دیا۔ ہر ایک کے استعمال کا ایک وقت ہوتا ہے ایسے ہی ان دینوں کے استعمال کا وقت اب نکل چکا۔ ڈاکٹر اور حکیم مریض کے نسخوں میں مریض کے حالت کے مطابق تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ اگر ان دینوں میں اب بھی نجات ہوتی تو یہود و نصاریٰ کو اسلام اور قرآن ماننے اور قبول کرنے کی دعوت کیوں دی جاتی۔

سوال:— نمازوں کی رکعاتوں کی تعداد مختلف کیوں ہے؟

جواب:— اس لیے کہ یہ نمازیں مختلف پیغمبروں کی یادگار ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے صبح فجر کی دو رکعت پڑھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوپہر (ظہر) چار رکعات پڑھی۔ حضرت عذیر علیہ السلام نے عصر کی چار رکعات پڑھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مغرب میں تین رکعات پڑھی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز چار رکعات ادا کی۔ اسی لیے نماز کو جامع العبادات کہتے ہیں۔ جس نے انہیں قائم رکھا آباد مخلوق کے برابر اس کے نامہ اعمال میں ثواب لکھا جائے گا۔

سوال:— سفر میں چار رکعات کو قصر کر کے دو کیوں پڑھتے ہیں؟ تین رکعات میں قصر کیوں نہیں؟

جواب:— اس لیے کہ سفر معراج میں دو دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں لہٰذا تم بھی سفر میں جاؤ تو سفر معراج کی یاد تازہ کرو۔ اور چونکہ تین کا آدھا صحیح نہیں بن سکتا ہے اس لیے اس میں قصر نہیں۔

سوال:— ظہر اور عصر میں آہستہ قرأت کیوں کیا جاتا ہے، باقی تین نمازوں میں زور (آواز) سے کیوں؟

جواب:— شروع زمانہ اسلام میں کفار و مشرکین کا غلبہ تھا۔ وہ قرآن سن کر اللہ اور

حضرت جبرئیل کی شان میں بکواس بکتے تھے اور ان دونوں وقتوں میں وہ بازاروں میں آوارہ گھومتے رہتے تھے۔ مغرب میں کھانے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ عشا میں سو جاتے تھے۔ فجر میں جاگتے نہ تھے۔ اس لیے ان دونوں نمازوں میں آہستہ قرات کا حکم ہوا۔ اور دوسری وجہ علما یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ دوپہر میں کاروبار شباب پر ہوتا ہے، عصر دن کا آخری نور ہوتا ہے، وقت کم ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے پھیلے ہوئے کاروبار کو سمیٹنے کی فکر میں ہوتا ہے تا کہ وہ اپنی منزل پر دن کے اجالے میں پہنچ جائے اور چونکہ قرأت بالجہر (آواز کے ساتھ پڑھنا) بہ نسبت آہستہ پڑھنے میں وقت کم لگتا ہے اس لیے قرأت بالسر (آہستہ) کا حکم دیا گیا۔

سوال:۔۔۔ نماز کے لیے وضو کیوں ضروری ہے؟

جواب:۔۔۔ اس لیے کہ وضو نماز کی کنجی ہے۔ جب کنجی نہیں تو تالا کیسے کھلے گا اور نماز جنت کی کنجی ہے مگر وہ نماز خیال نبی میں ڈوب کر پڑھی جائے ورنہ بغیر دندانے کی کنجی ہے۔

سوال:۔۔۔ وضو میں چار اعضا کا دھونا کیوں فرض ہے؟

جواب:۔۔۔ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب گندم کھالیا تو اس میں انہیں چار اعضا نے کام کیا تھا۔ دماغ میں کھانے کا خیال آیا، پاؤں سے چل کر گئے، ہاتھ سے گندم پکڑا اور منہ سے کھایا۔ گویا لغزش میں یہ چاروں اعضا شامل تھے۔ اس لیے بطور سزا نماز کے لیے انہیں چاروں اعضا کو دھویا جائے کیونکہ وضو کے پانی سے گناہ دھل جاتے ہیں۔

سوال:۔۔۔ نماز جماعت سے کیوں پڑھی جاتی ہے؟ اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب:۔۔۔ جماعت سے نماز ادا کرنے میں بہت سی دینی حکمتیں ہیں۔ دینی فائدہ یہ ہے کہ اگر جماعت میں ایک کی نماز قبول ہوگئی تو سب کی قبول اور با جماعت نماز پڑھنے سے ۲۷ گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ جماعت کے لیے آنے جانے میں ہر قدم پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور دنیاوی حکمتیں یہ ہیں کہ جماعت کے برکت سے قوم میں تنظیم رہتی ہے، آپسی اتفاق بڑھتا ہے۔ روزانہ پانچ بار کی ملاقات سے دعا سلام، دل کی عداوت، نفرت، کینہ، رنجش، گلے شکوے کو دور کرتا ہے۔ جماعت سے متکبرین کا غرور ٹوٹتا ہے، مساویانہ نظام قائم ہوتا ہے جس

میں نہ کوئی امیر ہوتا ہے نہ غریب، نہ کوئی غلام ہوتا ہے نہ آقا بلکہ یہاں بادشاہ کو بھی غریب فقیر کے ساتھ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوئے
تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

سوال:۔۔۔ اسلام میں جمعہ کو عید المومنین (مسلمانوں کا عید) کیوں مانا گیا۔ جمعہ میں کون سی خوبی ہے اور عیسائی اتوار کی کیوں تعظیم کرتے ہیں؟

جواب:۔۔۔ عیسائی اتوار کو صرف اس لیے مانتے ہیں کہ اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے دستر خوان اترا تھا۔ لہٰذا یہ ان کی عید کا دن ہوا۔ اس لیے وہ اس دن تعطیل رکھتے ہیں۔ لیکن جمعہ مسلمانوں کا عید اس لیے بنا کہ وہ انسانی دنیا کا پہلا دن بھی اور آخری بھی کیونکہ جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور قیامت بھی جمعہ ہی کے دن آئے گی۔ نیز انبیائے کرام پر بڑے بڑے انعامات اسی دن میں ہوئے اور ہفتے کے سات دن ہیں جن میں پہلا دن جمعہ ہے۔ لہٰذا جمعہ کو عبادت کے لیے خاص کیا گیا تا کہ ہفتے کی شروعات عبادت اور برکت پر ہو۔

سوال:۔۔۔ روزہ دن میں فرض ہے، رات میں کیوں نہیں؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔ اس لیے کہ فطرتی طور پر رات میں انسان کے کھانے کی عادت نہیں ہوتی اور دن میں انسان کچھ نہ کچھ کھاتا پیتا رہتا ہے۔ یہ انسانی عادت ہے۔ اگر رات میں روزہ فرض ہوتا تو عادت و عبادت، طبیعت و شریعت میں فرق معلوم نہ ہوتا۔ اس لیے رات کے بجائے دن میں فرض ہوا تا کہ عادت اور عبادت کا پتہ چل جائے۔

سوال:۔۔۔ روزہ میں صرف کھانے پینے اور جماع ہی سے کیوں روکا گیا، دوسری چیزیں بھی منع ہونی چاہیے تھی یا رات کو بھی روزہ ہونا چاہیے تھا جیسا کہ ہندوؤں میں ہے؟ (آریہ)

جواب:— روزہ کا مقصد نفس امارہ کو توڑنا اور جان باقی رکھنا ہے۔ ہندوؤں کے روزے (اُپواس) عجیب واہیات ہیں کہ وہ اناج کے سوا باقی سب چیزیں کھاتے پیتے رہتے ہیں اور کبھی رات کو بھی نہیں کھاتے۔ اس کی بیہودگی ظاہر ہے کہ جب دودھ، دہی، پھل وغیرہ کھاتے رہے تو نفس مرا اور کمزور ہوا ہی نہیں بلکہ اور زیادہ موٹا، طاقتور ہوا اور مسلسل روزہ رکھنے سے یا کچھ کئی دنوں تک نہ کھانے پینے سے تمام کاروبار چھوٹ جاتے ہیں اور جان کے لالے پڑ جاتے ہیں جس سے وہ ہلاک ہو کر دوسرے بہت سے عبادتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ روزہ سے نفس کی اصلاح منظور ہے نہ کہ اس کا ہلاک کرنا۔ جیسا کہ گاندھی کے مرنبرت سے تجربہ ہوا اور آج بھی بھوک ہڑتال سے ہو رہا ہے۔ ایسا روزہ رکھنا ہلاکت کا باعث ہے۔ اسلامی روزہ ہر شخص بلا تکلف رکھ سکتا ہے اور عبادت وہ ہے جو ہر شخص کر سکے، دل و دماغ اور جسم پر گراں نہ ہو۔

سوال:— روزہ کے لیے شمسی مہینہ (انگریزی مہینہ) مقرر کیوں نہ ہوا، قمری مہینہ (اسلامی مہینہ) کیوں مقرر کیا گیا؟ (آریہ)

جواب:— کیونکہ چاند کے مہینے موسموں میں گردش کرتے رہتے ہیں لہٰذا مسلمان ہر موسم میں روزہ رکھیں گے، کبھی سردی کی آسانی سے فائدہ اٹھائیں گے اور کبھی گرمی کی مشقت سے زیادہ ثواب پائیں گے۔ نیز شمسی مہینوں میں موسم پرستی کا وہم ہے۔ سارے اسلامی کام قمری مہینے (اسلامی مہینہ) سے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ مسلمان خالق موسم کے پرستار ہیں۔

سوال:— ۳۰ روزہ فرض ہونے کی حکمت کیا ہے؟ (عوام الناس)

جواب:— جنت میں حضرت آدم علیہ السلام نے گندم کے دانے کو کھا لیا جس کا اثر آپ کے پیٹ میں ۳۰ دن تک رہا۔ اس لیے اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ۳۰ دن تک روزے رکھیں، کچھ کھائیں پئیں نہیں تا کہ اس کا اثر زائل ہو جائے۔ اسی لیے آدم کی اولاد کو ۳۰ روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

سوال:— روزوں کے لیے رمضان ہی کا مہینہ کیوں منتخب ہوا؟ (آریہ)

جواب:— اس لیے کہ رمضان میں قرآن نازل ہوا یعنی لوحِ محفوظ سے منتقل ہو کر

آسمان پر آیا، پھر وہاں سے ۲۳ سال میں جیسے جیسے ضرورت پڑی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ قرآن رب کی بہت بڑی نعمت ہے۔ نعمت ملنے پر شکرانے کے طور پر روزہ رکھوائے گئے۔

سوال:۔۔۔ جب رمضان المبارک ایسا عظمت والا مہینہ ہے تو اس کے جانے پر عید (خوشی) کیوں منائی جاتی ہے؟ مبارک چیز جانے پر غم منانا چاہیے نہ کہ خوشی؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔ یہ خوشی دو وجہ سے ہے۔ ایک تو ماہِ مبارک میں عبادت کی توفیق ملنے کا شکر یہ کہ خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے خیر سے روزے، تراویح، اعتکاف ادا کرادیئے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو رمضان کے جانے کا بہت صدمہ ہوتا ہے اسی لیے جمعۃ الوداع (رمضان کا آخری جمعہ) کو لوگ زار وقطار روتے ہیں۔ اس غم کو ہلکا کرنے کے لیے عید (خوشی) رکھ دی تاکہ رنج وغم کا احساس کم ہو۔

سوال:۔۔۔ اسلام نے زکوٰۃ کیوں فرض کی؟ اپنا کمایا ہوا مال دوسروں کو مفت کیوں دلوایا؟

جواب:۔۔۔ اس سوال کے بہت سے جواب ہیں۔ مختصر طور پر عرض کرتا ہوں۔ زکوٰۃ فرض ہونے کی پہلی وجہ یہ کہ سخاوت انسان کا کمال ہے اور بخالت، کنجوسی، عیب ونقص ہے۔ زکوٰۃ دینے سے یہ عیب دور ہوجاتا ہے اور وہ کمال حاصل ہوتا ہے۔ (۲) زکوٰۃ سے امداد باہمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ (۳) خرچ کرنے سے نعمت بڑھتی ہے، روکنے سے گھٹتی ہے۔ انگور اور بیری کی شاخیں کاٹ دینے سے پھل زیادہ آتے ہیں۔ (۴) چلتی پھرتی چیز بہتر رہتی ہے اور رکی ہوئی چیز بگڑ جاتی ہے۔ کنویں کا پانی نکلتا رہے تو ٹھیک رہتا ہے ورنہ بگڑ جاتا ہے۔ لہٰذا دولت بند نہ کرو، اسے چلتا پھرتا رکھو۔ (۵) جیسے ہماری کمائی میں حکومت کا حصہ ہوتا ہے جسے ٹیکس کہتے ہیں۔ پھر وہ ٹیکس ہمارے ہی مفاد یعنی ملکی انتظام پر خرچ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہماری کمائیوں میں رب تعالیٰ کا حق ہے جو ہمارے ہی غریب بھائیوں پر خرچ ہوتا ہے۔ یہ مثال صرف سمجھانے کے لیے ہے ورنہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں۔

سوال:۔۔۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال دیا تو وہ ہمارا ہی حصہ ہے، ہم ہی استعمال

کریں، اپنا حصہ مفت خوروں کو کیوں دیں؟ (بعض دنیا پرست مسلمان)

جواب:— اللہ تعالیٰ جو چیز کسی کو ضرورت سے زیادہ دے تو اس میں دوسروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ بھینس کے تھن میں دس سیر دودھ ہوتا ہے کیوں کہ وہ صرف اس کے بچے ہی کے لیے نہیں دوسروں کا بھی اس میں حصہ ہے۔ کتیا کے تھن میں تھوڑا سا ہی دودھ ہے کیونکہ وہ صرف اس کے بچوں ہی کے لیے ہے۔ بالکل اسی طرح امیروں کے دولت میں غریبوں اور مجبوروں کا بھی حصہ ہے۔

سوال:— زکوٰۃ سے قوم میں اور بھیک مانگنے کی رسم و عادت بڑھتی ہے اسی لیے آج جتنے بھکاری مسلمانوں میں ہیں اتنے دوسری قوموں میں نہیں۔ لوگ سوچتے ہیں کہ جب مفت ملے تو محنت کون کرے؟ (بعض جاہل مسلمان)

جواب:— زکوٰۃ سے مسلم قوم دوسروں کی محتاج نہ ہوگی۔ اپنی ضرورتیں اپنی ہی قوم سے پوری ہوں گی۔ بوہرہ قوم کو دیکھئے کہ ان میں کوئی زکوٰۃ کی وجہ سے غریب نہیں۔ مسلمانوں میں غربت و افلاس سو برس سے آیا ہے اور زکوٰۃ کا مسئلہ چودہ سو برس سے رائج ہے۔ اگر زکوٰۃ قوم کو غریب کرتی تو پہلے مسلمان مالدار کیوں تھے۔ موجودہ غربت و افلاس کی اصل وجہ مسلمانوں کی عیاشی، بے کاری، مقدمہ بازی، شادی بیاہ میں فضول خرچی اور حرام رسموں کا رواج ہے۔ اسلام نے جہاں زکوٰۃ کا حکم مالداروں کو دیا ہے وہاں غریبوں کو بھیک مانگنے سے سخت منع بھی فرمایا ہے۔ اور جتنا اسلام نے بھیک مانگنے کی مذمت کی ہے اتنا کسی اور مذہب نے نہیں کی۔ قصور بھکاریوں کا ہے، اسلام کا نہیں۔

سوال:— زکوٰۃ غریب رشتہ داروں کو دینا کیوں جائز ہے؟ ہونا تو یہ چاہیے کہ یہ بالکل اجنبی کو دی جائے جس سے کوئی دنیاوی تعلق نہ ہو۔

جواب:— غریب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں دو فائدہ ہے۔ ایک تو عبادت اور دوسرے اپنے رشتہ دار کی خدمت۔ رشتے دار کی خدمت اور مدد ویسے بھی لازم و ضروری ہے۔ رب کا یہ کرم ہے کہ اس نے اس ضمن میں عبادت بھی ادا کرادی اور مدد بھی ہوگئی۔

سوال:۔۔۔ زکوٰۃ کو زکوٰۃ کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔۔۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکی کے ہیں۔ چونکہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد مال پاک ہو جاتا ہے اس لیے اسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔

سوال:۔۔۔ حج کے کیا معنی ہوتے ہیں؟

جواب:۔۔۔ خانۂ کعبہ کی زیارت کرنا اور اس کو تعظیم کی نظر سے دیکھنا بندے کے اس فعل کو حج کہتے ہیں اور فعل کے کرنے والے کو حاجی کہتے ہیں اور حج کے معنی ارادہ کے بھی ہوتے ہیں کیونکہ قصداً وہاں آدمی جاتا ہے۔

سوال:۔۔۔ وہ کون سی ہستی ہے جس کی روح ملک الموت نے نہیں بلکہ اللہ نے خود قبض کی؟

جواب:۔۔۔ وہ شہزادیٔ کونین خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کی روح پردے کے تقاضے کی وجہ سے خود خدائے تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے قبض کی۔

سوال:۔۔۔ قربانی کیوں کی جاتی ہے؟ کیا جانور کی جان لینا بھی عبادت ہے؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔ ہر وہ کام جو خدا کے حکم کے تحت ہو وہ عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قربانی کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے مسلمان اپنے خالق کے حکم کا پالن کرتا ہے۔ پنڈت جی بھی تو اپنی پیٹ پوجا کے لیے گیہوں اور دھان کے فصلوں میں ڈی ڈی ٹی پاؤڈر ڈال کر کروڑوں جانوروں کی ہتیا کر دیتے ہیں، یہ بھی پاپ ہونا چاہئے۔

سوال:۔۔۔ اسلام میں جہاد کیوں رکھا گیا ہے؟ یہ تو وحشیانہ کام ہے۔ خونریزی کرنے اور امن برباد کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔ جہاد میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ جس قوم یا جس افراد کا وجود امن وامان کے لیے خطرہ ہو ان کو دبا دینا یا مٹا دینا گویا امن قائم کرنا ہے۔ اسی لیے حکومتیں بدمعاشوں اور مجرموں کو سزائیں دیتی ہیں تاکہ نیک اور شریف لوگ امن وچین سے رہیں۔ کھیت سے گھاس کو اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے تاکہ فصل کو نقصان نہ ہو۔ سڑا ہوا عضو کاٹ دیا جاتا ہے تاکہ

دوسرے اعضا کو خراب نہ کرے۔ بالکل اسی طرح انسانی سماج میں کچھ جرائم پیشہ لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو انسانی معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں، انہیں ظالم اور شرکش جرائم پیشہ افراد کا خاتمہ کرنے کے لیے اسلام نے جہاد کا حکم دیا ہے۔

سوال:— علما کہتے ہیں کہ جہاد نماز سے افضل ہے۔ یہ کیوں؟

جواب:— اس لیے کہ جہاد سے قوم وملت کی بقا ہے اور قوم وملت کی بقا سے نماز ہے۔ جب قوم ہی نہیں ہوگی تو پھر نماز کون پڑھے گا۔

سوال:— سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟

جواب:— اپنے نفس کے ساتھ لڑنا، کیونکہ یہی نفس امارہ انسان کو تمام خرابیوں اور برائیوں کی طرف لے جاتا ہے اور دنیا میں فتنہ فساد اسی کی وجہ سے ہے۔ اس لیے نفس پر کنٹرول سب سے بڑا جہاد ہے جسے حدیث میں جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ نیز ظالم حکمراں اور بادشاہ کے سامنے حق بات کا اعلان کرنا اور کہہ دینا یہ بھی افضل جہاد میں شامل ہے، جیسے کہ مجدد الف ثانی نے مغلیہ تاجدار اکبر کے سامنے بے خوف وخطر اعلانِ حق فرمایا اور اس کے خود ساختہ باطل مذہب دین الٰہی کی دھجیاں بکھیریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ہند سے کفر کی یلغار اٹھتی ہے تو غزنی سے حضرت محمود غزنوی کی تلوار اٹھتی چلی آتی ہے۔ اگر پرتھوی راج کا طوفانِ ظلم وکفر اٹھتا ہے تو اجمیر کے خواجہ معین الدین حسن چشتی کا روشن ایمان میدانِ عمل میں آ جاتا ہے اور جادوگروں کو شکست دے کر لاکھوں ہندوؤں کو اسلام وقرآن کے دامن میں لے آتا ہے۔ پھر اگر گنگوہ وتھانہ بھون سے دیو کا فساد اور ابلیس کا شر اٹھتا ہے تو بریلی کی سرکار سے رضا کا نیزہ بلند ہوتا ہے اور لشکر فقراءِ قادری ایسی سرفروشی، علمی قوت، عملی وحدت سے رواں دواں ہوتا ہے کہ رضا کا نیزہ بن کر سینۂ باطل میں گڑ جائے اور دنیا دیکھ لے کہ: ہیں قادری فقیروں کے جھنڈے گڑے ہوئے۔ غرضیکہ سلاطین اسلام اور علمائے اسلام اولیائے عظام نے بے خوف وخطر ظالم اور کافر بادشاہوں، حکمرانوں کے سامنے حق اور سچائی کا اظہار فرمایا۔ یہ بھی سب سے افضل جہاد ہی ہے۔

سوال:۔۔۔ اسلام میں نکاح ایجاب وقبول ہی سے کیوں ہوتا ہے؟ ہندوؤں کی طرح لڑکا لڑکی آگ کے آس پاس چکر لگانے یا عیسائیوں (انگریزوں) کی طرح لڑکے کے گلے میں ہار ڈالنے کا نام نکاح کیوں نہیں؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔ اس لیے کہ ہر لین دین ایجاب وقبول سے ہوتا ہے۔ نکاح میں لڑکی کا لینا مہر کا دینا ہے، لہٰذا اس کے لیے ایجاب وقبول درکار ہے۔ اگر میں کسی مکان کے آس پاس سو چکر بھی لگا دوں یا کسی جانور کے گلے میں دس ہار بھی ڈال دوں تب بھی میں اس کا مالک نہیں بن سکتا لیکن اگر وہ (مالک) کہہ دے کہ میں نے دیا، میں کہہ دوں کہ میں نے لیا تو پھر میں مالک ہو گیا۔ ایسے ہی نکاح ہے۔

سوال:۔۔۔ نکاح میں دو گواہ کیوں شرط ہے؟

جواب:۔۔۔ تا کہ عورت کی عزت وشرافت محفوظ ہو جائے اور اس کی کردار پر کسی کو شک یا انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے کہ یہ عورت بدچلن ہے یا بھاگ کے آئی ہے، بے نکاحی ہے۔ معمولی چیزیں بغیر تحریر وگواہ خریدی جاتی ہیں مگر زمین جائیداد کی لین دین پر گواہوں کے ساتھ رجسٹری اسٹامپ ہوتا ہے تا کہ آئندہ کسی قسم کا کوئی فتنہ وفساد اور جھگڑا نہ ہو۔ نکاح بھی اہم لین دین ہے لہٰذا گواہ ضروری ہے۔

سوال:۔۔۔ مرد عورت سے افضل کیوں مانا گیا اور اسے گھر کا حاکم کیوں بنایا؟ عورت کو کیوں نہیں؟ وہ بھی تو اللہ کی بندی ہے۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ مرد عورت کے مقابل ہر طرح، ہر اعتبار سے طاقت ور ہے۔ جب حاکم ایک ہو تو حکم میں تضاد نہیں ہو گا۔ فوج کا کمانڈر انچیف ایک ہی ہوتا ہے، ملک کا بادشاہ ایک ہی ہوتا ہے، باقی سب ماتحت ہوتے ہیں تا کہ ملک کا نظام قائم رہے۔

سوال:۔۔۔ اگر ایک مرد بیک وقت چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے تو ایک عورت بیک وقت چار مردوں سے شادی کیوں نہیں کر سکتی؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔ اگر ایک عورت کے کئی شوہر ہوں تو بچے کا نسب ثابت نہیں ہو گا کہ بچہ کس کا

ہے۔ وہ مجہول النسب ہوگا۔ یعنی اس کا نسب معلوم نہیں ہوسکتا۔ اور انسان کا بچہ پرورش و تربیت میں ماں باپ دونوں ہی کا محتاج ہے۔ پرورش ماں کے ذمے اور تربیت و تعلیم باپ کے ذمے ہے۔ نیز چند خاوند ہونے کی صورت میں عورت اور بچے کے خرچ کا کفیل کون بنے گا۔ جیسے چند اولاد کے لیے ایک ہی باپ چاہئے، ایک شخص کے چند باپ نہیں ہوسکتے۔ ایسے ہی ایک بیوی کے لیے ایک ہی شوہر ضروری ہے۔

سوال:— عیسائی اور ہندوؤں کے یہاں راہب اور سادھو سنت بے نکاح رہتے ہیں۔ اسلام میں ایسا کیوں نہیں؟ (آریہ، عیسائی)

جواب:— خدا کی دی ہوئی طاقت کو بے کار کرنا حماقت ہے اور صحیح مقام پر خرچ کرنا عین کمال ہے۔ آنکھ بند کر لینا حماقت ہے مگر اسے پرائی عورت (غیر محرم) سے روکنا کمال ہے۔ قوتِ شہوانی بھی رب کی نعمت ہے۔ اگر یہ بری ہوتی تو رب دیتا ہی کیوں۔ اس شہوت کے روکنے کے بڑے بڑے خطرناک نتائج زنا کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر نکاح (شادی) نہ کرنا کمال ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام دو بیویاں، حضرت داؤد علیہ السلام نے ۹۹ بیویاں، سلیمان علیہ السلام نے ایک ہزار بیویاں کیوں رکھیں۔ اور راجہ دشرتھ نے دو، کنہیا نے ایک ہزار بیویاں کیوں رکھیں۔ ہندو، عیسائی کیا جواب دیں گے جو ہمارے پیغمبر حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نو شادیوں پر اعتراض کرتے ہیں۔

سوال:— مردوں کی طرح عورت کو بھی طلاق کا حق ہونا چاہئے۔ یہ کیا کہ مرد تو آزاد ہو اور عورت مرد کی پابند؟ (آریہ)

جواب:— عورت میں قدرتی طور پر عقل کم ہوتی ہے اور جوش و غصہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانے کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ جن قوموں نے عورتوں کو طلاق کا حق دیا ہوں بات بات پر طلاقیں ہو رہی ہیں اور گھر برباد ہو رہے ہیں جیسے یورپ وغیرہ میں۔

سوال:— اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا کیوں ہے؟ یہ جرم سے زیادہ ہے کہ چوری دس روپے کا کرے اور ہاتھ وہ کٹے جس کی قیمت ہی نہ ہو۔ (غیر مسلم)

جواب:— چور کا ہاتھ کاٹنا مال کی سزا نہیں بلکہ قانون توڑنے کی سزا ہے۔ قانون ہاتھ سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ قانون کے لیے سیکڑوں قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر شہر کے چوراہے پر سو پچاس چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور سو پچاس زانیوں کو سنگ سار کر دیا جائے اور میرا ملک ان جرائم سے چھٹکارا پالے تو سودا بہت سستا ہے اس احتجاج سے جو روزانہ شہروں میں ہوتا ہے۔

سوال:— ہاتھ کاٹنے سے کیا فائدہ ہے؟ (آریہ)

جواب:— ہاتھ چوری کا آلہ ہے۔ آلہ ہی ختم کر دو تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ہاتھ کٹنے سے دوسرے عبرت حاصل کریں گے۔ اس کو دیکھ کر لوگ چوری سے توبہ کریں گے۔ خود یہ بھی اپنا کٹا ہوا ہاتھ دیکھ کر آئندہ کبھی چوری نہ کرے گا۔ سزا وہ ہے جو دوسروں کے لیے عبرت ہو۔

سوال:— جب چور کا ہاتھ کاٹا جو چوری کا آلہ ہے تو چاہیے کہ زنا میں زانی کا اعضائے تناسل کاٹو جو زنا کا آلہ ہے۔ زنا میں سنگ سار کیوں کرتے ہیں؟ (آریہ)

جواب:— چوری ہاتھ سے ہوتی ہے مگر زنا تمام جسم سے ہوتا ہے اور سارے جسم کو لذت آتی ہے لہٰذا سزا پورے جسم کو ملنا چاہیے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ زانی کو اتنا سنگ سار کیا جائے کہ وہ مر جائے۔

سوال:— اسلام نے مجرموں کے لیے جیل کی سزا کیوں نہیں رکھی؟

جواب:— اس لیے کہ اس سے جرم بہت زیادہ ہوں گے، برائیاں بڑھیں گی۔ جرائم پیشہ طبقہ اکثر غریب ہے جن سے جرمانہ وصول نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وہ جرم پر دلیر ہوں گے کہ حکومت ہم سے کیا لے گی ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں۔ رہا امیر طبقہ تو وہ بھی جرم پر دلیر ہوگا اس خیال سے کہ جرم کر لو روپیہ بھر دیں گے۔ پھر حکومت بھی جرائم کی زیادتی چاہے گی کیونکہ جرائم حکومت کے لیے ذریعہ آمدنی ہوں گے۔ اپنی آمدنی کسے بری لگتی ہے۔ اسلام میں سزاؤں کا مقصد بدمعاشی اور جرائم کو مٹانا ہے نہ کہ بدمعاشوں سے کمانا ہے۔ آج حکومتیں ایک

طرف شراب کے خلاف ایوانوں میں قانون بنا رہی ہیں تو دوسری طرف وہی شراب کے ٹھیکے داروں اور شراب بنانے والی کمپنیوں کو شراب بنانے اور بیچنے کا لائسنس دے رہی ہیں۔ ایک طرف زنا کے خلاف مرتکب زنا کو سزائیں دی جارہی ہیں اور ایسے مجرموں کو حوالات میں بند کیا جارہا ہے تو دوسری طرف طوائف خانے بنانے کے لیے طوائفوں کو لائسنس دیا جارہا ہے۔ ایسا کیوں؟ جرم بہر حال جرم ہے خواہ کسی بھی جگہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے حکومتوں کو آمدنی ہوتی ہے۔ اسلام ان تمام باتوں کی قطعی اجازت نہیں دیتا بلکہ ایسے مجرموں کو قرار واقعی سزا دیتا ہے۔ مجرم جب سمجھتا ہے کہ جرم کی سزا جیل ہے جہاں مفت کی روٹیاں ملیں گی تو وہ جرم پر دلیر ہو گا۔ اس طرح معاشرہ اور سماج میں جرائم بڑھتے ہی جائیں گے اور جیل کی وجہ سے حکومت پر خرچہ بہت پڑے گا اس لیے اسلام میں گناہ کی سزا جیل نہیں۔

سوال:— اسلام میں مرتد (جو شخص دین اسلام سے پھر جائے) کی سزا قتل کیوں ہے؟

جواب:— اس لیے کہ مرتد حکومت الٰہیہ کا باغی ہے۔ جب دنیا کی عارضی حکومتوں کا باغی قتل اور پھانسی کا مستحق ہے تو اسلام کا باغی بھی قتل کا مستحق ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو مذہب کی آزادی دی ہے۔ کسی کو اسلام پر مجبور نہیں کیا۔ مگر اسلام لا کر پھر جائے، گویا اس نے قانونِ الٰہی سے بغاوت کی اس لیے اس کی سزا قتل ہے۔

سوال:— تابوتِ سکینہ کیا ہے؟ سنا ہے اس میں انبیائے کرام کی تصویریں تھیں۔ تصویر تو اسلام میں حرام ہے پھر یہ حرام چیز کیسے؟

جواب:— تفسیر جلالین، تفسیر مدارک، تفسیر خازن، تفسیر روح البیان وغیرہ میں ہے کہ یہ ایک خوب صورت صندوق تھی جو شمشاد کے لکڑی سے بنی ہوئی تھی جس کی لمبائی چوڑائی دو ہاتھ تھی۔ اللہ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام پر ابتدا میں نازل فرمایا تھا۔ اس صندوق میں تمام انبیائے کرام کی تصویریں تھیں اور ان کے مکانات وغیرہ بھی تھے۔ امام الانبیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصویر مبارک ایک سرخ یاقوت میں نقش تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت نماز میں تھے اور آپ کے اردگرد صحابہ کرام باادب کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام

نے ان تمام تصویروں کو دیکھا۔ خیال رہے کہ صندوق میں جو تصویریں تھیں وہ کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دست قدرت سے بنایا تھا۔ انسان کی یا کسی جاندار کی تصویر کسی مخلوق کو بنانا حرام ہے۔ البتہ خدائے تعالیٰ کے لیے جائز کیوں کہ اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے اور اس کا نام مصور بھی ہے۔ وہ جو چاہے سو کرے مگر مخلوق کو اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کا حق نہیں۔

سوال:۔۔۔ تعویذ کیوں لکھے جاتے ہیں، ان سے کیا فائدہ ہے؟ (ملحد، وہابی)

جواب:۔۔۔ جیسے بعض مخلوق کی ناموں میں تاثیر ہے کہ کسی کو اُلو، گدھا، کتا کہہ دو تو وہ غصہ اور رنجیدہ ہو جاتا ہے اور حضرت قبلہ و کعبہ کہہ دو تو وہ خوش ہو جاتا ہے حالانکہ اُلو، گدھا بھی مخلوق ہیں اور حضرت قبلہ و کعبہ بھی۔ ایسے ہی خالق کے نام میں مختلف تاثیریں ہیں، شافی میں شفا کی، غفار میں بخشش کی، رحیم میں رحم کی اور کریم مین کرم کی۔ خواہ یہ نام لکھ کر پاس رکھو یا دم کرو، ضرور اثر کریں گے۔ بشرطیکہ زبان اس لائق ہو کہ اسے تمام گناہوں سے محفوظ رکھیں تا کہ تاثیر پیدا ہو۔

سوال:۔۔۔ منہ کی سانس طبی نقطہ نظر سے زہریلی ہوتی ہے اس سے پانی پر دم کرنا بیماری کا باعث ہوگا۔ (مادہ پرست)

جواب:۔۔۔ آپ نے اتنا تو مان ہی لیا کہ جو باہر کی ہوا جسم کے اندرونی حصے سے ہو کر آئے اس میں بیماری پیدا کرنے کی تاثیر ہو جاتی ہے۔ اب اتنا اور مان لو کہ جو ہوا اس زبان سے مل کر آئے جس نے ابھی ابھی قرآن پڑھا ہے اس میں تندرست کرنے کی تاثیر ہو جاتی ہے۔ ہوا اگر چمن یا عطر سے گذر کر آئے تو دماغ کو معطر کر دیتی ہے۔ گندگی سے ہو کر آئے تو دماغ کو سڑا دیتی ہے۔ آگ سے نکل کر آئے تو جھلسا دیتی ہے۔ برف سے چھو کر آئے تو ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ ایسے ہی جس زبان سے اللہ کا ذکر کیا گیا ہو اس سے چھو کے جو ہوا نکلے وہ بیماری کو شفا اور مٹا دیتی ہے۔

سوال:۔۔۔ آیاتِ قرآنیہ اگر پڑھ کر دم کریں اور شفا نہ ملے تو...

جواب:— اللہ کا کلام مثل کارتوس کے ہے اور بندوں کی زبانیں مثل بندوق کے ہیں۔ کارتوس سے جبھی شکار ہوسکتا ہے جب بندوق صحیح ہو اور اگر بندوق ہی بگڑی ہو تو وہ کارتوس کیسے پھینکے گی۔ اس لیے اپنی زبان کی اصلاح کریں۔ غیبت، چغلی سے بچائیں۔ گالی گلوج اور بیہودہ گوئی سے محفوظ رکھیں اور حلال روزی کھائیں۔ فرائض و واجبات کو وقت پر ادا کرتے رہیں۔ پھر دیکھیں ان شاء اللہ اثر ضرور ہوگا۔

سوال:— بعض لوگ شریعت کے خلاف کام کرتے ہیں اور لوگ انہیں بزرگ، ولی، پیر مانتے ہیں۔ یہ کس حد تک درست ہے؟ کیا خلاف شرع کام کرنے والا یا بے نمازی ولی بن سکتا ہے؟

جواب:— بعض اللہ کے بندے عشق مولیٰ میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں جنہیں مجذوب کہا جاتا ہے۔ ان پر بہت سے شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین شخصوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے، بچہ، دیوانہ اور مجذوب۔ جو اللہ کی یاد میں جذب ہوکر اپنی ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے یہ لوگ اللہ کے پیارے ہیں۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مگر جس کے ہوش و حواس درست ہوں پھر وہ خلاف شرع حرکت کرے تو وہ ولی نہیں شیطان ہے۔ خیال رہے کہ جیسے شیطان لوگوں کو پھانسنے کے لیے مختلف جال بنا رکھے ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو پھانستا ہے، بے شرع جاہل اور بے عمل پیر اس کا بدترین جال ہیں۔ وہ شکاری اس جال سے بہت شکار کرتا ہے۔ اللہ کے محبوب بندوں کے پاس خوف خدا اور عشق مصطفیٰ کے ایسے مضبوط جال ہیں جن سے وہ لوگوں کو دریائے ظلمات سے نکالتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے دل میں اللہ کا خوف، حضور کی محبت پیدا ہوتی ہے اور بندہ صحیح معنوں میں بندہ بن جاتا ہے۔

سوال:— بعض مریدین اپنے پیر کے سوا کسی بزرگ کو نہیں مانتے۔ ہر وقت اپنے پیر ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ دوسرے کے ذکر کو پسند نہیں کرتے۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب:— ماننا اور بات ہے اور کسی کا ہر وقت تذکرہ کرنا اور بات ہے۔ ہر سچا مرید

سارے بزرگوں کو مانتا ہے مگر ہر دم اپنے پیر کا اس لیے دم بھرتا ہے کہ اسے روحانی نعمتیں اسی سے ملی ہیں۔ کتا اپنے مالک کے پیچھے ہی دم ہلاتا ہے کیونکہ اس کے در سے ہی ٹکڑے کھاتا ہے۔ شاگرد اپنے ہی استاد کے گن گاتا ہے مگر مانتا سارے علما کو ہے۔ اگر بدبخت مرید دوسرے بزرگوں کا منکر ہو تو وہ اپنے پیر کے فیض سے بھی محروم رہے گا۔ سلسلہ مشائخ جال کے پھندے ہیں۔ ایک کھل گیا، سب کھل گئے۔ کسی نبی کا منکر شرعی کافر ہے۔ کسی ولی کا منکر طریقت کا مجرم ہے۔ خاکپائے غوثِ اعظم سایۂ ہر ولی۔

سوال:— بعض لوگ کسی بزرگ کے جنگل میں شکار نہیں کرتے یا وہاں کے کسی جانوروں کو نہیں مارتے جیسے مخدوم اشرف جہانگیر کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے تالاب کی مچھلیاں کوئی نہیں پکڑتا۔ کیا وہ جانور حرام ہیں یا شکار حرام ہے اور مسلمانوں کا یہ فعل خلافِ ایمان ہے کہ نہیں۔

جواب:— نہ یہ جانور حرام ہیں نہ ان کا شکار حرام ہے۔ وہ سب حلال ہیں۔ ان کے شکار سے بچنا حرمت کی وجہ سے نہیں بلکہ نقصان سے بچنے کے لیے ہے جیسے بلغمی مزاج کا آدمی دہی اور لسی سے بچتا ہے، یہ چیزیں حرام نہیں، مضر اور نقصان دہ ہیں۔ بعض بزرگوں کے جنگلوں کے شکار سے لوگوں نے نقصان اٹھایا ہے اس لیے تجربہ کر کے چھوڑ دیا۔ بعض اطبا بعض زمین کی بعض چیزوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قوم صالح کے کنویں پر ایک سفر میں گذرے تو صحابہ کو اس کنویں کے پانی سے روک دیا گیا حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس کنویں کے پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا۔ آپ نے وہ بھی پھینکوا دیا۔ وہ پانی حرام نہ تھا، اس کا استعمال نقصان دہ تھا۔

سوال:— صوفیائے کرام اور دعا مانگنے والے دعاؤں کے اول میں ''اللھم'' کیوں لگاتے ہیں، اللہ کے ساتھ میم (م) کیسی۔ اور اگر کہا جائے کہ یہ لفظ اصل میں ''یا اللہ'' تھا یا کے بدلے میم لگائی ہے تو بجائے میم کے اور کوئی حرف کیوں نہ لگایا؟

جواب:— اس لیے کہ میم (م) رب کے بیس ناموں میں آتی ہے جیسے مومن، مہیمن،

مالک، ملک، مقتدر، کریم، رحیم، رحمٰن وغیرہ۔لہٰذا جوکوئی اللہ کے ساتھ لفظ میم لگا کر پکارے تو گویا اس نے رب کو بیسوں ناموں سے یاد کیا اور ہر نام کے اثرات مختلف ہیں۔لہٰذا تمام اثرات حاصل ہوئے اور حضور کے نام مبارک میں بھی میم آتی ہے جیسے محمد، احمد، مصطفیٰ، مجتبیٰ وغیرہ۔لہٰذا اللہ میں اللہ کا نام اور محمد کی میم آ گئی گویا دعا میں حضور کا وسیلہ بھی حاصل ہو گیا اس لیے دعاؤں میں اللّٰھم لگاتے ہیں۔

سوال:— کیا تصور شیخ یا تصور رسول نماز میں کرنا درست ہے؟ (وہابی، بدعقیدہ)

جواب:— شیخ (پیر) کا تصور نماز میں بالکل نہ لائے کہ یہ خشوع وخضوع کے خلاف ہے۔البتہ اگر بلا قصد آ جائے تو اس پر شرع کا گرفت نہیں مگر تصور رسول نماز میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ نماز حضور کی اداؤں کا نام ہے۔جن کی اداؤں کی نقل کیا جارہا ہو ان کا خیال ضروری ہے۔محدثین، مفسرین وائمۂ مجتہدین فرماتے ہیں کہ تصور رسول میں ڈوب کر جو نماز پڑھی جائے وہ نماز خدا کو مقبول ومحبوب ہے۔

سوال:— صحیح عقائد کو ایمان کیوں کہتے ہیں؟

جواب:— ایمان امن سے بنا ہے جس کے معنی سلامتی کے ہوتے ہیں۔ چونکہ صحیح عقائد آخرت کے عذاب سے امن وسلامتی میں رہنے کا ذریعہ ہے لہٰذا ان کا نام ایمان ہوا۔

سوال:— جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو نبی ہوں گے یا نہیں؟ اگر نبی ہوں گے تو حضور خاتم النبیین نہ رہے اور اگر نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے تو یہ ان کی شان کے خلاف ہے۔رب کسی کو نبوت سے معزول نہیں کیا کرتا۔

جواب:— حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے حضور کے امتی بن کر آئیں گے مگر درجے کے لحاظ سے نبی ہوں گے۔جیسے کہ کچہری یا عدالت کا جج دوسرے شہر کی عدالت میں گواہ بن کر پیش ہو تو وہ اپنی جگہ پر جج ہے مگر یہاں اس وقت گواہ کی حیثیت سے ہے۔خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کسی کو نبوت نہ ملے۔عیسیٰ علیہ السلام پہلے کے نبی ہیں۔آخری بیٹا وہ جس کے بعد کوئی بیٹا پیدا نہ ہو۔اس لیے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ختم نبوت کا

منکر کافر ہے۔

سوال:— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی کیوں کہتے ہیں؟

جواب:— یہ لفظ اُمّ القریٰ سے بنا ہے جس میں مکہ معظمہ کی طرف نسبت ہے یعنی مکہ والے رسول، اور مکہ کو اُمّ القریٰ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تمام زمینوں کی اصل (ماں) ہے کیونکہ وہاں ہی سے زمین پھیلی اور دوسری وجہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو امی کہنے کی یہ ہے کہ آپ نے کسی دنیا کے انسان سے تعلیم حاصل نہیں کیا بلکہ آپ کا استاذ خود اللہ تعالیٰ ہے **وعلمك مالم تكن تعلم**. اے میرے محبوب! ہم نے آپ کو سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔ امی لقب ہونا یہ آپ کا ذاتی وصف ہے اور یہ آپ کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے۔ امی کے معنی ان پڑھ کے نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ بے ادب اور گستاخ لوگوں نے لکھا بلکہ امی کے معنی ہوتے ہیں جس کا دنیا میں کوئی استاد نہ ہو۔ اور نبی کا استاد دنیا کا شخص ہو، یہ شانِ نبوت کے لائق نہیں۔ نبی کا استاد مخلوق کا کوئی فرد نہیں ہوتا بلکہ خالق خود ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جس کا استاد رب کائنات ہو اس کو کسی اور استاد سے علم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہوگی۔

سوال:— دنیا کا کوئی انسان حضور کا استاد کیوں نہیں بنا؟ اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب:— اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ کل کوئی انسان یہ نہ کہہ سکے کہ پیغمبر تو میرا پڑھایا ہوا شاگرد ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ کوئی شخص کبھی یہ خیال نہ کر سکے کہ فلاں آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استاد تھا تو شاید وہ حضور سے زیادہ علم والا ہوگا۔ تیسری وجہ یہ کہ حضور کے بارے میں کوئی یہ نہ سوچے کہ چونکہ آپ پڑھے لکھے آدمی تھے اس لیے انہوں نے خود ہی قرآن کی آیتوں کو اپنی طرف سے بنا کر پیش کیا ہے اور قرآن انہیں کا بنایا ہوا کلام ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کو علم و حکمت کی تعلیم دیں تو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پہلی اور پرانی کتابوں کو پڑھ کر اس قسم کی انمول اور انقلاب آفریں تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ پانچویں وجہ امی ہونے کی یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی استاد ہوتا تو آپ کو اس کی تعظیم کرنی پڑتی حالانکہ حضور کو خالق کائنات نے اس لیے پیدا فرمایا تھا کہ سارا

عالم آپ کی تعظیم کرے۔ اللہ کو گوارہ نہ ہوا کہ میرا محبوب کسی کی تعظیم کرے، کسی کا شاگرد بنے اور کوئی انسان محبوب کا استاد ہو۔ مختصر یہ کہ حضور کا امی ہونا کسی انسان سے تعلیم نہ لینا ایک عظیم الشان معجزہ ہے کہ دنیا میں کسی نے بھی آپ کو علم نہیں پڑھایا مگر خدا نے آپ کو اس قدر علم عطا فرمایا کہ آپ کا سینہ تمام علوم و معارف کا خزینہ بن گیا۔

سوال:۔۔۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مومن تھے یا نہیں؟

جواب:۔۔۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک حضور کے سلسلہ نسب میں کوئی مشرک نہیں۔ آپ کے آبا و اجداد سب مومن موحد ہیں۔ اعلیٰ موتی قیمتی ڈبے میں رکھا جاتا ہے، نور محمدی اعلیٰ چیز تھی اس کے لیے پاک پیٹھ طیب و طاہر پیٹ لازم و ضروری ہے۔

سوال:۔۔۔ حضور نے اپنی والدہ کے قبر کی زیارت کی اجازت رب سے چاہی تو دے دی گئی مگر دعائے مغفرت کرنا چاہی تو اس سے روک دیا گیا۔ اگر وہ مومنہ تھیں تو ان کے لیے دعائے مغفرت سے کیوں روکا گیا؟

جواب:۔۔۔ اس لیے کہ وہ بے گناہ تھیں، دعائے مغفرت گنہگاروں کے لیے ہوتی ہے۔ دیکھو بچے کی نماز جنازہ میں میت کو دعا نہیں کرتے کیونکہ وہ بے گناہ ہے۔ اگر وہ مومنہ نہ ہوتیں تو ان کی زیارتِ قبر بھی منع ہوتی اور وہ گنہگار ہوتیں بھی کیسے؟ گناہ گار وہ ہوتا ہے جو شرعی حکم پائے اور مخالفت کرے، وہ تو اسلام کے ظہور سے پہلے وفات پا گئیں۔ ان کا نام ہی ان کے ایمان کا پتہ دیتا ہے۔ آمنہ، ایمان والی یا امن دینے والی یا امانت الٰہی رکھنے والی خاتون رضی اللہ عنہا۔

سوال:۔۔۔ حضرتِ آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس وقت کس نبی کے دین پر تھے، دین عیسوی یا موسوی؟

جواب:۔۔۔ وہ صرف موحد مومن تھے۔ دین عیسوی اور دین موسوی اس وقت اپنے اصلی رنگ میں نہ رہے تھے۔ توریت و انجیل میں بہت تبدیلی ہو گئی تھی۔ ان پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت لوگوں نے طبیعت میں بدل دیا تھا۔ ان کی تعلیمات مٹ چکی تھی۔ اس مٹی ہوئی تعلیم

اور بدلی ہوئی شریعت کا ماننا لازم نہ تھا۔ ایسے وقت میں لوگوں کے لیے صرف عقیدۂ توحید ہی نجات کے لیے کافی تھا۔ انہیں کو اصحاب فطرت کہتے ہیں۔ خیال رہے دو نبیوں کے درمیان جو زمانہ ہے وہ زمانہ فطرت ہے اور زمانہ فطرت میں عقیدۂ توحید ہی کافی ہے۔

سوال:— نبی اور امتی دونوں ہی اسلام کی جہاز میں سوار ہیں تو یہ فرق کیوں ہے کہ ایک امتی اور دوسرا نبی کہلایا؟

جواب:— جہاز کا کپتان اور سواریاں سبھی ایک ہی جہاز میں سوار ہیں مگر سواریاں پار اترنے کے لیے سوار ہیں اور کپتان سب کو پار اتارنے کے لئے۔ اسی لیے سواریاں کرایہ دے کر سوار ہوتی ہیں مگر کپتان تنخواہ لے کر۔ ہماری نمازیں، روزے اور اعمال صالحہ نجات پانے کے لیے ہے مگر حضور کی عبادات ہم کو نجات دلانے کے لیے تاکہ ان کو عبادت کرتے دیکھیں، ہم بھی ایسا ہی کریں ورنہ وہ تو پہلے ہی سے مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں۔

سوال:— نبی کی گستاخی اور توہین کفر کیوں ہے؟

جواب:— اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خود تعریف فرمائی ہے اور جس کی تعریف رب کرے اور آپ توہین کریں یہ کفر ہے کیونکہ ان کی توہین رب کی تردید اور توہین ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی توہین کبھی برداشت نہیں کرتا۔ اہل مصر نے یوسف علیہ السلام کو صرف غلام کہہ کے توہین کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ مصر پر بارہ سال تک قحط مسلط رکھا۔ جب نبی کی توہین رب کو گوارہ نہیں تو پھر اپنے محبوب اور تمام نبیوں کے سردار کی توہین و گستاخی رب تعالیٰ کیونکر گوارہ کرے گا۔

سوال:— قرآن کو قرآن اور فرقان کیوں کہتے ہیں؟

جواب:— قرآن قرن سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ملانے والا۔ انسان، غذا، زبان، لباس، شکل وصورت میں الگ تھا مگر قرآن نے سب کو ملا کر مسلمان بنا دیا۔ ایک امت بنا دیا۔ جیسے مختلف پھولوں کی رس شہد کی مکھی کی وجہ سے شہد ہو گئے، ایسے قرآن نے سب کو جمع کر کے مسلمان نام رکھ دیا اور قرآن کو فرقان اس لیے کہتے ہیں کہ یہ کفر اور اسلام، حق اور باطل کے

درمیان فرق پیدا کرتا ہے، ابوبکر صدیق اور ابوجہل کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے، خدا پرستی اور بت پرستی کی نشاندہی کرتا ہے، نور و ظلمت کا فرق بتاتا ہے۔ اس لیے اس کو فرقان کہتے ہیں۔

سوال:— قرآن شریف کی توہین کفر کیوں ہے؟ (آریہ)

جواب:— قرآن اللہ رب العزت کا کلام ہے جو سلطنت الٰہیہ میں رہنے والے ہر انسان کے لیے خدا کا پیغام ہے۔ اس لیے حکومت کی کسی چیز کی توہین حکومت ہی کی توہین ہے۔ عدالت میں حاکم کے سامنے اونچی آواز سے بولنا جرم ہے کہ یہ توہین عدالت ہے اور توہین عدالت حاکم اور حکومت کی اہانت ہے۔

سوال:— موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی بت پرستی دیکھ کر توریت زمین پر پٹک دی تھی حالانکہ اس کی تختیاں اور تحریر سب رب تعالیٰ کی طرف سے تھیں۔ جب وہ کفر نہ ہوئی تو قرآن کی توہین کفر کیوں ہے؟ توریت بھی تو کلامِ الٰہی ہے؟

جواب:— کتاب الٰہی کے گرانے کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت غلطی سے گر جائے، یہ گناہ نہیں۔ دوسری صورت گرادی جائے، یہ گناہ ہے۔ تیسری صورت کتاب اللہ کی توہین مقصود ہو، یہ کفر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم پر بت پرستی کی وجہ سے غصہ آیا اور اس قدر آپ جلال میں آگئے کہ غصے کی وجہ سے بدن کانپنے لگا اور تختیاں آپ کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئیں اور جوش میں تختیاں گرادیں تو انہوں نے رب سے معافی مانگی۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ لوگ اسے پڑھ کر ہدایت پاتے ہیں اور اس کو پڑھ کر گمراہ بھی ہوجاتے ہیں۔ تو جب قرآن سراپا ہدایت ہے تو یہ گمراہی کیسی؟ (آریہ)

جواب:— ایک ہی ہارمونیم کا ایک ہی پردہ (بٹن) دباؤ تو موٹی اور بھاری آواز نکلتی ہے۔ دوسرا دباؤ تو سریلی، باریک و دلکش آواز نکلتی ہے حالانکہ ہوا ایک ہی ہارمونیم میں جاتی ہے مگر آوازوں میں فرق ہے۔ بعینہٖ انسان کے قلب و دماغ میں رحمانی پردے بھی ہیں اور شیطانی بھی۔ اگر شیطانی پردہ غالب ہے تو قرآنی ہوا سے کفر کی آواز نکلتا ہے اور اگر رحمانی پردہ غالب ہے تو قرآنی ہوا سے ایمان بولتا ہے۔ یہ قرآن کا قصور نہیں ہے، اپنے پردے کا قصور

ہے۔ بارش سے کہیں پھول اُگتا ہے کہیں کانٹے، کہیں گلاب اُگتا ہے کہیں دھتورہ۔

سوال:۔۔۔ تقدیر کے معنی کیا ہیں اور تقدیر کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:۔۔۔ تقدیر کے معنی ہیں مقرر کرنا۔ تقدیر رب تعالیٰ کے اس علم کا نام ہے جو دنیا کے احوال کے متعلق ہے۔ رب کو علم ہے کہ فلاں بندہ اپنی زندگی میں فلاں فلاں کام کرے گا۔ یہ اس کی تقدیر ہوئی۔ اسی علم کو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا۔ یہ اس کی تقدیر کی تحریر ہوئی۔ پھر بندے نے ویسے ہی اعمال کئے جو نامۂ اعمال میں لکھ دیئے گئے تھے۔ یہ تقدیر کا نتیجہ ہوا۔

سوال:۔۔۔ جب علم الٰہی میں سب کچھ آچکا اور اس کے خلاف ہونا ناممکن ہے تو چاہیے کہ بندہ گنہگار نہ ہو کہ اس نے وہی کیا جو پہلے تقدیر میں لکھا جاچکا تھا۔ بندہ مجبور ہے۔ (جہلا)

جواب:۔۔۔ جیسے بندہ نیکی کر کے ثواب کا مستحق ہے ایسے ہی بدی کر کے عذاب کا بھی مستحق ہے۔ رب تعالیٰ کے علم اور تحریر سے بندہ مجبور کیسے ہوگیا۔ مجبور وہ ہے جس سے بے ارادہ کچھ ہو جائے، جیسے چلتے چلتے گر پڑنا۔ جو کام ارادے سے ہو وہ اختیاری کہلاتا ہے اور بندہ مختار ہے۔ رب کے علم میں یہ پہلے ہی سے تھا کہ بندہ اپنے ارادہ واختیار سے یہ کام کرے گا اس لیے اسی کو لکھ دیا۔ لکھ دیا ہے اس لیے نہیں کر رہا ہے، بلکہ کرنے والا ہے اس لیے لکھ دیا گیا۔ رب تعالیٰ نے نہ اس کا حکم دیا نہ ہی اس سے راضی ہوا۔

سوال:۔۔۔ قرآن کہتا ہے کہ رب تعالیٰ کے چاہے بغیر تم کچھ بھی نہیں کر سکتے، پھر ہم مختار کیسے؟

جواب:۔۔۔ بے شک ہم چاہنے میں غیر مختار رہے مگر اس فعل میں تو مختار ہوئے۔ مثلاً زید قتل کرے گا۔ اب ارادہ فرما چکا تو یقیناً زید ارادہ سے ضرور قتل کرے گا تو زید ارادۂ قتل میں مجبور ہوا مگر فعل قتل میں مختار رہا۔ کیونکہ وہ ارادے سے ہے اور سزا قتل کی ہے نہ کہ ارادۂ قتل کا۔

سوال:۔۔۔ اللہ نے شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا جو تمام گناہوں کی جڑ ہے؟ (جہلا)

جواب:۔۔۔ شیطان دنیا کا معمار ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا میں کچھ نہ ہوتا کیونکہ پھر پولس، فوج، عدالت، جیل، حتّٰی کہ بادشاہ سب بے کار تھے۔ جب کوئی مجرم اور فسادی نہ ہوتا تو

ان محکموں کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بلکہ پھر انبیائے کرام کی تشریف آوری اور تبلیغ کی بھی کیا ضرورت تھی۔ دوزخ، فرشتے اور عذاب بھی بے کار تھے۔ خدا کی صفات غفاری، ستاری، جباری، قہاری کا ظہور بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ صفات بندوں کے گناہوں سے ظاہر ہوتے ہیں بلکہ نہ آدم علیہ السلام گندم کھاتے، نہ زمین پر آتے، نہ دنیا بستی۔ معلوم ہوا کہ سرد و گرم، پاک و ناپاک، اچھی بری چیزوں سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ شیطانیت سے انسانیت کی پہچان ہوتی ہے۔ رات سے دن کی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ جہل سے علم کی پہچان ہوتی ہے۔ اندھیرے سے اجالے کو سمجھا جاتا ہے۔

سوال:— تو پھر شیطان بڑی اچھی چیز ہے۔ اسے لعنت کیوں کرتے ہیں؟

جواب:— نہیں، شیطان تو برا ہے ہی۔ اللہ نے اس پر لعنت کیا ہے اس لیے ہم بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔

سوال:— اگر شیطان نے سب کو بہکایا تو شیطان کو کس نے بہکایا؟ اگر کہو خدا نے، تو خدا نعوذ باللہ قصوروار ٹھہرا۔ (ستیارتھ پرکاش آریہ)

جواب:— شیطان کو اس کے نفس نے بہکایا۔ دیکھو رمضان کے مہینے میں شیطان قید ہوتا ہے مگر گناہ پھر بھی ہوتے ہیں۔ نفس امارہ کی وجہ سے۔ نفس امارہ شیطان سے زیادہ خطرناک ہے۔ ہم کو گمراہ نفس ہی کرتا ہے۔ شیطان تو نفس کو بری راہ دکھا کر الگ ہو جاتا ہے مگر شیطان ہی انسان کو برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس کا حکم نہ دیا محض موقع دیا جس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ پنڈت جی! بتاؤ تو کہ گائے کو قصائی نے کاٹا اور قصائی کو یہ قدرت کس نے دی اور بقول تمہارے پرماتما نے چھری، تلوار، سانپ، بچھو کیوں پیدا کئے۔ اگر کہو کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا ہوئیں تو پرماتما ہوئیں اور اگر پرماتما نے پیدا کیں تو کیوں پیدا کیں؟

سوال:— شیطان بری باتوں ہی کا حکم دیتا ہے حالانکہ روایات سے ثابت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس نے نماز فجر کے لیے اٹھایا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیت الکرسی کا عمل بتایا۔ بعض انبیائے کرام سے بھی اس نے اچھی باتیں کیں۔ پھر اس کا کیا مطلب؟

جواب:۔۔۔ شیطان کبھی نیک اور اچھے بندوں کو اچھے کام میں لگا کر بہت اچھے کام سے روک دیتا ہے تاکہ وہ زیادہ ثواب حاصل نہ کر سکیں۔ اس کا یہ فعل بھی بری نیت سے ہی ہوتا ہے۔ دشمن کی نیکی میں دشمنی ہے۔ امیر معاویہ نماز قضا ہو جانے پر اس قدر روئے تھے کہ انہیں پانچ سو نمازوں کا ثواب مل گیا تھا۔ دوسرے دن اس نے اس لیے اٹھا دیا کہ زیادہ ثواب نہ لے لیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جوتے کے خوف سے یہ عمل انہیں بتایا گیا نہ کہ نیک نیتی سے۔ انبیائے کرام سے بھی پھنس کر کبھی کچھ اچھی اور نیک باتیں کر جاتا ہے غرضیکہ اس کی فطرت تو بری ہے اور یہ حالات عارضی ہیں۔

سوال:۔۔۔ جب ہر چیز تقدیر میں لکھی جا چکی ہے تو دعائیں کیوں مانگی جاتی ہیں جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا؟ (بعض مسلمان)

جواب:۔۔۔ دعا مانگنا بھی تقدیر میں آ چکا ہے کہ بندہ یہ دعا کرے گا تب یہ نعمت پائے گا۔ اسی لیے بیماری کی دوا، رزق کے لیے روزگار، بیماری سے شفا کے لیے پرہیز کروائے جاتے ہیں کہ اگرچہ رزق، تندرستی مقدر ہے مگر یہ اسباب بھی تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔

سوال:۔۔۔ کیا تقدیر میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اگر ہو سکتی ہے تو اس آیت کریمہ کے کیا معنی اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ. جب موت آئے گی تو ایک پل بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اگر نہیں ہو سکتا تو اس حدیث کا کیا مطلب کہ دعا قضا کو بدل دیتی ہے۔

جواب:۔۔۔ تقدیر جو علم الٰہی ہے اس میں تبدیلی ناممکن ہے۔ اسی کو تقدیر مبرم بھی کہتے ہیں جو کی دعاؤں اور سفارش سے بھی نہیں ٹل سکتی۔ نہ کسی مخلوق میں طاقت ہے کہ وہ تقدیر مبرم کو بدل سکے۔ البتہ ایک ہے تقدیر معلق۔ تقدیر معلق میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ رونے گڑگڑانے سے قضائے معلق بدل سکتا ہے۔ بزرگانِ دین کی دعاؤں سے تقدیر معلق میں تبدیلی ممکن ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ ''نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں'' یہاں تقدیر معلق مراد ہے نہ کہ تقدیر مبرم۔

سوال:۔۔۔تقدیر بدلنا غیر ممکن ہے۔ جب موت آنے پر ایک منٹ، ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتا تو عمر کیسے بڑھ سکتی ہے؟ علم الٰہی میں تبدیلی ناممکن۔ (بعض جہلا)

جواب:۔۔۔تقدیر میں تبدیلی عمر میں زیادتی کمی ہوتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ موت آنے پر کوئی شخص اپنی طاقت وقوت سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا لیکن اگر رب خود ہی تبدیلی فرمادے تو وہ قادر ہے۔ خیال رہے کہ علم الٰہی میں تبدیلی ناممکن ہے مگر حکم الٰہی میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ چھوٹی عمر بھی رب کے حکم سے ہے اور لمبی عمر بھی اسی کے حکم سے ہماری بیماری بھی اسی کے حکم سے ہے اور دوا سے صحت بھی اسی کے حکم سے ہے۔

سوال:۔۔۔جب خدا کے علم میں تھا کہ آخر کار شیطان گمراہ ہو جائے گا تو اسے پہلے اتنی عظمت کیوں دی کہ عبادت اور علم کی وجہ سے اسے تمام فرشتوں کا استاد بنایا۔

جواب:۔۔۔اس سوال کا جواب آگے آئے گا۔ یہاں بس اتنا ہی سمجھ لو کہ شیطان کو عالم، عابد بنا کر اس لیے راندۂ بارگاہ کیا گیا تا کہ قیامت تک علما، عابدین، زاہدین کو عبرت ہو کہ علم و عمل زہد وتقویٰ سب مخالفت انبیا اور توہین نبی سے برباد ہو جاتا ہے۔

سوال:۔۔۔سب سے بدترین کافر کون ہے؟

جواب:۔۔۔سب سے بدترین کافر پیغمبر کی توہین کرنے والا ہے۔ شیطان اسی قسم کا کافر تھا۔ وہ اللہ کی ذات، وحدانیت، حشر ونشر اور صفاتِ الٰہیہ کا منکر نہ تھا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں گستاخی و بے ادبی کا مرتکب ہوا جس کی وجہ سے وہ مردود بارگاہِ الٰہی ہوا۔ شیطان کے انجام سے تمام گستاخانِ رسول کو عبرت حاصل کرنا چاہئے۔

سوال:۔۔۔انبیائے کرام کی توہین یا ان سے منسوب کی چیز کی توہین یہ کفر کیوں ہے۔

جواب:۔۔۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام مخلوق میں چن لیا اور پسند کر لیا ہے۔ ان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تجویز و پسند ہے تو ان کی کسی بھی چیز پر اعتراض یا اس کی توہین رب کی توہین اور رب پر اعتراض ہے۔ جیسے فوج کی وردی اور آئین پر اعتراض بادشاہ پر اعتراض ہے

کہ یہ چیزیں کی تجویز وانتخاب ہیں۔

سوال:۔۔۔ کسی پیغمبر نے نبوت وتبلیغ پر اجرت نہ لی اور نہ ہی خلفائے راشدین نے خلافت پر لی مگر علما تعلیم پر، واعظین وعظ پر، مقرر تقریر پر اجرت لیتے ہیں حالانکہ یہ بھی تبلیغ ہی کرتے ہیں۔

جواب:۔۔۔ جس کے انتخاب میں بندوں کی رائے کو دخل نہ ہو بلکہ اس کا تقرر محض حکم الٰہی سے ہو اس کی اجرت محض رب کے کرم سے ہوگی بندوں سے نہ لی جائے گی۔ اور جہاں تقرر میں بندوں کو اختیار ہو وہاں اجرت بھی بندے ہی دیں گے۔ جیسے کورٹ، کچہری کا جج اور وکیل و منشی جج کی تنخواہ حکومت کے ذمہ ہے کیونکہ اس نے اس کو مقرر کیا ہے۔ مگر وکیل اور منشی کی اجرت رعایا کے ذمہ کہ وہ اپنے مقدمات ومعاملات کی پیروی کے لیے خود انتخاب کرتی ہے۔ اس نبوت میں بندوں کے رائے کو دخل نہیں۔ کوئی نبی الیکشن سے نہیں بنتا کہ چار آدمی مل کے ووٹ ڈالیں اور بولیں آج سے تم ہمارے نبی ہو۔ یہ الیکشن والا گروپ نہیں ہے بلکہ یہ سلیکشن والا گروپ ہے۔ نبی الیکٹیڈ نہیں ہے، نبی سلیکٹیڈ ہے۔ اللہ فرماتا ہے: **ان اللّٰہ اصطفٰی**۔ بے شک اللہ نے چن لیا۔ لہٰذا ان کی خدمت کا معاوضہ محض رب پر ہے۔ عالم، علما، امام اور واعظ کو خود بندے انتخاب کر کے اپنے یہاں بلاتے ہیں، رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کا معاوضہ وخدمت عوام کے ذمہ ہے۔

سوال:۔۔۔ حکام رشوت لے کر کام کرتے ہیں اور عالم علما نذرانہ لے کر تقریر کرتے ہیں یہ بھی تو ایک طرح کا رشوت ہے کہ پیسہ لے کر تقریر کیا جائے یا مسئلہ بتایا جائے۔ (جہلا)

جواب:۔۔۔ خود سے کہیں جا کر دین کی بات بتانے کا معاوضہ لینا جائز ہے کیونکہ یہ آنے جانے اور لکھنے کی اجرت ہے، مسئلے کی نہیں۔ جیسے کہ قرآن پاک کی تجارت کرنا اس کو چھاپ کر بیچنا یہ کلام الٰہی کے مسائل کی قیمت نہیں ہے بلکہ کاغذ اور پریس خرچ کی قیمت ہے، جس کے عوض رقم لیا جاتا ہے۔ یہ رشوت نہیں اور نہ ہی اللہ کا کلام بیچنا ہوا۔ رشوت تو وہ ہے جو فرض منصبی کے عوض لیا جائے، جو کام بغیر معاوضہ ضروری تھا وہ معاوضہ لے کر کیا جائے جیسے قاضی اور حاکم

پر انصاف واجب ہے۔ اگر وہ اس پر روپیہ پیسہ لیں تو وہ رشوت میں شمار کیا جائے گا۔ اس لیے عالم کا نذرانہ، ماں باپ کی خدمت، ایک دوسرے کو ہدیہ یہ رشوت نہیں کہ یہ کسی واجب کام کا بدلا نہیں۔ اس لیے یہ رشوت نہیں۔ ویسے تو شرعاً قاضی اور حاکم کو عوام سے ہدیہ لینا بھی درست نہیں کیونکہ اس سے عدل وانصاف میں فرق کا امکان ہے۔ اس لیے احتیاط بہت ہی ضروری ہے تاکہ حق وانصاف کا خون نہ ہو۔

سوال:—یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ حضور کا مثل ناممکن ہے رب قادر ہے؟ (گستاخ رسول)

جواب:—پوری دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنا اب حضور کا مثل کیسے ہو سکتا ہے جو مثل ہوگا وہ بھی حضور ہی کے نور سے بنا ہوگا پھر وہ مثل کہاں رہا۔ جب ایک شخص اپنے باپ کے نطفے سے پیدا ہو چکا تو اب کوئی اس کا دوسرا حقیقی باپ نہیں بن سکتا جب دنیا حضور کے نور سے پیدا ہو چکی تو اب دوسرا مصطفیٰ پیدا بھی نہیں ہو سکتا۔

ڈھونڈھو گے اگر دہر میں ثانیٔ محمد
ثانی تو بڑی چیز ہے سایہ نہ ملے گا

سوال:—اسلام میں عورتوں پر پردہ کیوں رکھا گیا ہے؟ اس سے عورتوں کو تپ دق کی بیماری ہوتی ہے۔ (غیر مسلم حضرات)

جواب:—بخار روکنے کے لیے زکام اور طاعون (پلیگ) روکنے کے لیے چوہوں کی زیادتی روکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزوں کو پردہ میں رکھو۔ دولت، عورت اور کھانا۔ عورت نازک شیشہ ہے اور اجنبی کی نگاہ پتھر ہے۔ پھول گلشن میں اچھا ہے۔ عورت پھول ہے، گھر اس کا گلشن ہے۔ تپ دق پچاس سال سے ہے اور پردہ چودہ سو سال سے ہے۔ اب بھی بے پردہ عورتوں میں جسمانی بیماریاں اور تپ دق زیادہ ہے۔ ایسی بیہودہ باتیں کر کے لوگ عورتوں کو گمراہ کرتے ہیں تاکہ وہ پردے سے باہر آویں اور ان کی ہوسناک نگاہیں ان کا پیچھا کریں۔

سوال:— کیا مسلمانوں کو اپنی عورتوں پر بھروسہ نہیں؟ کیا وہ تمام انسانوں کو آورہ اور

بدمعاش سمجھتے ہیں جوان سے اپنی عورتوں کو پردہ کراتے ہیں؟(غیر مسلم، آریہ ہندو)

جواب:— کیا حکومتیں اپنی رعایا کو غنڈہ، آوارہ، بدمعاش سمجھتی ہیں جو جیل خانہ اور پولس کا محکمہ قائم کر دیا ہے۔کیا کوئی دوکاندار لوگوں کو چور لٹیرا سمجھتا ہے جو شام ہوتے ہی اپنے دوکانوں کو تالا لگا دیتا ہے۔پنڈت جی جواب دیجئے۔شرم وحیا اور پردہ تو عورت کی اصل زیور ہے۔آج دنیا میں قتل، غارت گری، زنا اور اغوا کی جتنی وارداتیں ہو رہی ہیں ان کا اصل محرک ننگاپن اور بے پردگی ہی ہے۔

سوال:— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

جواب:— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل آئے اور درود وسلام پڑھا۔دعائے جنازہ نہیں پڑھی کیونکہ وہ گنہگاروں کی مغفرت کے لیے پڑھی جاتی ہے اور نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔اس لیے سب باری باری آکر آپ کے جنازے پر درود وسلام پڑھے۔سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور بعد میں تمام صحابہ کرام نے پڑھی۔مگر جماعت کے ساتھ نہیں بلکہ فرداً فرداً آئے اور صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔

سوال:— سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت **الحمد للّٰہ رب العٰلمین** ہے جس کے معنی ہوتے ہیں تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے عالم کا پالنہار ہے۔اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ کسی بندے کا بنایا ہوا ہے۔اگر خدا کا کلام ہوتا تو اس طرح ہوتا "**الحمد لی**" تمام تعریف میرے لیے ہے۔دوسری آیت کا معنی ہے ہم تجھی کو پوجتے ہیں۔ رب کس کو پوجتا ہے۔تیسرا یہ کہ خدا اپنی تعریف اپنے آپ کرے، یہ غرور ہے اور غرور کرنا، شیخی مارنا بری بات ہے۔(آریہ)

جواب:— یہ کلام اللہ کا ہے اور اپنے بندوں سے کہلوانے کے لیے اس طرح بولا گیا ہے جیسے استاد شاگردوں کو سامنے بٹھا کر کتاب خود پڑھتا ہے تاکہ شاگرد بھی اسی طرح پڑھے۔

نیز کبھی حاکم دوسرے کی زبان میں بات کرتا ہے۔ ممبری کے فارم چھپوائے جاتے ہیں یا جب کسی سے حلف نامہ لیا جاتا ہے تو فارم اور حلف نامے کی عبارت اس طرح ہوتی ہے کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ سارے قوانین کی پابندی کروں گا، ہمیشہ خیر خواہ رہوں گا وغیرہ وغیرہ۔ دیکھو ان فارموں کا مضمون بنانے والا کوئی اور ہے لیکن چونکہ ممبروں سے یہ کہلوانا مقصود ہے اس لیے اس کی زبان میں یہ الفاظ لکھے گئے۔ تو اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے بندو! ہماری بارگاہ میں آ کر اس طرح کہا کرو۔ رب تعالیٰ اگر اپنی ذات وصفات خود ہم سے بیان نہ فرماتا تو ہمیں اس کا پتہ کیسے چلتا۔ یہ شیخی اور غرور نہیں ہے بلکہ بندوں کو اپنی پہچان کرانی ہے۔ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا کہ مجھے تم پر فلاں فلاں اختیارات ہیں اور میری یہ شان ہے اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ رعایا ان باتوں سے خبردار ہو کر اس کی اطاعت کرے اس طرح یہاں بھی ہے۔ یہ اعتراض محض حماقت ہے۔

سوال:۔۔۔ الحمد سے معلوم ہو کہ ہر حال میں بندہ اللہ ہی کی حمد و تعریف و ذکر کرے، اٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ یا غوث کہنا کسی اور کا نام جپنا شرک ہے۔ (وہابی اہلحدیث)

جواب:۔۔۔ اللہ والوں کی تعریف اور ان کا ذکر حقیقت میں خدا ہی کی تعریف اور اسی کا ذکر ہے بلکہ کامل حمد اللہ تعالیٰ کی وہی ہے جو اس کے خاص اور محبوب بندوں کے ساتھ ہو۔ اگر اٹھتے بیٹھتے غیر اللہ کی تعریف کرنا شرک ہے تو تم بھی تو اٹھتے بیٹھتے اپنے مولویوں کی تعریف کرتے رہتے ہو، تم مشرک ہوئے کہ نہیں۔

سوال:۔۔۔ اگر اللہ تمام جہان کا پالنے والا ہے تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل کیوں کراتا ہے؟ جہاد کا حکم کیوں دیا؟ جہاد سے تو لوگ مارے جاتے ہیں۔ رب کا کام ہے پالنا نہ کہ مارنا۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ جو ناقص مخلوق اپنے وجود سے دوسری اعلیٰ مخلوق کی پرورش میں رکاوٹ پیدا کرے اس کو علیحدہ کر دینا ہی پرورش ہے۔ کسان کے کھیت میں فصل کے ساتھ میں کچھ خوب صورت نرم گھاس بھی اُگ آتے ہیں جو دیکھنے میں بھلی معلوم ہوتی ہے مگر کسان جانتا

ہے کہ اس سے کھیت کی فصل تباہ و برباد ہو جائے گی اس لیے اسے جڑ سے اکھیڑ باہر پھینکتا ہے کیونکہ اس میں فصل کی بھلائی ہے بعینہٖ کفار و مشرکین رب کی زمین پر خوب صورت گھاس ہیں کہ اگر زور پکڑ جائیں تو خدا کے بندوں پر دنیا تنگ ہو جائے ان کو نکلوا دینا ہی ضروری ہے اور ربوبیت کے لیے کفار و مشرکین آڑ بھی ہیں جن کا ہٹانا ضروری ہے۔

سوال:۔۔۔رب کا کام ہے پرورش کرنا اور تکلیف سے بچانا پھر وہ اپنے خاص بندوں پر تکلیف کیوں اتارتا ہے جیسے کہ بیماری، غریبی، تنگدستی، افلاس وغیرہ وغیرہ۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔یہاں کسی کا بیماری میں، غربت، افلاس، تنگدستی اور پریشانی میں مبتلا ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے ناراض ہے اور کسی کو تندرستی مل جانا عزت و شہرت، دولت و حکومت حاصل ہو جانا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اللہ اس سے خوش ہے اس لیے اسے سب دے رہا ہے۔ کسی کو دے کر آزماتا ہے اور کسی کو نہ دے کر آزماتا ہے۔ غربت، افلاس، تنگدستی اور بیماری وغیرہ دے کر بندے کے شکر کا امتحان لیتا ہے اور دولت نہ دے کر صبر کا امتحان لیتا ہے۔ اور اللہ اپنے نیک بندوں پر جو تکلیفیں، پریشانیاں بھیجتا ہے یہ تکلیفیں، پریشانیاں اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں اور صبر کی وجہ سے اللہ اس کے درجات کو بلند فرما دیتا ہے۔ باپ اپنے بیٹے پر علم و ہنر سیکھنے کی محنت ڈالتا ہے۔ بچہ مدرسہ کی پابندیاں، استاد کی سختیاں دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر جب اس کا اچھا نتیجہ نکلتا ہے تو سمجھتا ہے کہ وہ سختیاں کڑوی دوا کی طرح فائدہ مند تھیں باپ کی سختیاں بیٹے کے حق میں درحقیقت محبت ہی کی بنا پر ہیں۔

سوال:۔۔۔رب کے معنی ہیں پالنے والا جب اللہ تعالیٰ سب کا رب ہے تو چاہیے کہ سب کو پالا ہی کرے کسی کو موت نہ دیا کرے۔ ہلاک کرنا ربوبیت کے خلاف ہے۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔جو لوگ موت سے گھبراتے ہیں وہ موت کی حقیقت کو سمجھتے ہی نہیں۔ موت تو حبیب سے ملنے کا ایک پل ہے۔ موت تمام انسانوں کے لیے رحمت ہے کہ اگر سب زندہ ہی رہیں، کوئی مرے ہی نہیں تو پھر زمین پر پیر رکھنے کی جگہ نہیں ہوگی۔ اس موت کے ذریعہ سے

انسان دنیاوی مصیبتوں سے چھوٹ جاتا ہے اور اپنے کئے ہوئے نیک اعمال کا جزا پاتا ہے۔ حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ گویا زندگی ایک کھیتی ہے اور موت اس کی کٹائی کا دن۔ کھیت کا کاٹنا حقیقت میں کسان کی پرورش کی تکمیل اور اس کا اصل مقصد ہے۔ ایسے ہی انسان کی زندگی اس کے کمائی کرنے کا وقت ہے اور موت اسی کا پھل چکھنے کا وقت ہے۔

سوال:— جب اللہ رب العٰلمین ہے تو ساری ضرورتیں اور حاجتیں اسی سے مانگی جائیں جو لوگ خدا کو چھوڑ کر نبیوں، ولیوں سے حاجتیں مانگتے ہیں۔ انہیں اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں وہ خدا کو رب العٰلمین نہیں مانتے۔ (وہابی اہلحدیث)

جواب:— اللہ کے مقبول اور خاص بندوں سے کوئی چیز مانگنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا ہے کیونکہ یہ اللہ کے بندے اس کی صفت ربوبیت کے مظہر ہیں۔ بے شک اللہ رب العٰلمین ہے شافی الامراض ہے لیکن اس نے ان تمام کاموں کے لیے دروازے مقرر کر دیئے ہیں۔ ان دروازوں پر جا کر مانگنا حقیقت میں رب ہی سے مانگنا ہے۔ شفا کے لیے حکیم اور ڈاکٹر کے یہاں جاتے ہیں۔ انصاف کے لیے حاکم کے یہاں جاتے ہیں۔ خدا کا رزق لینے کے لیے مالداروں کا دروازہ تلاش کرتے ہیں۔ بس یوں سمجھو کہ پاور ہاؤس میں بجلی بنتی ہے لیکن اس کی روشنی وہاں ملتی ہے جہاں اس کے بلب لگے ہوں، تو جو شخص بلب اور قمقموں سے روشنی حاصل کرے وہ پاور ہاؤس کا مخالف نہیں۔

سوال:— اللہ رحمٰن ہے، رحیم ہے، بڑا ہی دیالو ہے تو دوزخ اور موذی چیزوں کو کیوں پیدا فرمایا؟

جواب:— اگر تکلیف دہ چیزیں پیدا نہ ہوتیں تو ہماری روح اور جسم کو پوری طہارت حاصل نہ ہوتی۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بظاہر تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ روح کو پاک کرنے والی چیزیں ہیں، جیسے کہ زنگ آلود لوہے کو لوہار بھٹی میں رکھ کر کوٹتا پیٹتا ہے تو وہ تکلیف اور مصیبت پا کر زنگ وغیرہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ مشین کا پرزہ بننے کے لائق ہو جاتا

ہے جس سے اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ گھڑیوں اور مشینوں میں تھوڑی قیمت کا لوہا ہے لیکن کاریگر کے پاس پہنچ کر پرزہ بنا اور بہت قیمتی ہو گیا۔ سونا نہایت اگرچہ قیمتی دھات ہے لیکن اگر وہ سنار کی بھٹی میں نہ رکھا جائے اور سنار کے ہاتھ سے چوٹ نہ کھائے تو وہ زیور بن کر محبوب کے گلے میں نہ جائے۔ یہ تکلیفیں حقیقت میں اس کی قدر و قیمت بڑھانے والی ہیں۔ اسی طرح گنہگاروں پر جو تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ انہیں زنگ آلود لوہے کی طرح گناہوں کے میل سے صاف کر جاتی ہیں اور نیک لوگوں پر جو آتی ہیں ان کو عمدہ لوہے کی طرح قیمتی بنا دیتی ہیں، کسی لائق بنا دیتی ہیں۔ خاص بندوں پر جو آتی ہیں ان کو سونے کے زیور یا ہار کی طرح اور زیادہ قرب الٰہی کے قابل بنا دیتی ہیں۔ تو یہ مصیبتیں درحقیقت اللہ کی رحمتیں ہیں۔ اسی طرح تکلیف دہ زہریلی چیزیں بڑی بڑی مصیبتوں کو دفع کر دیتی ہیں۔ مثلاً مچھر اور مکھی جسم انسانی سے بہت سے زہریلے مادوں کو چوس لیتے ہیں۔ غلے کے کیڑے گھن وغیرہ غلے کے بہت سے نقصان دہ اثرات کو مٹا دیتے ہیں۔ پھر یہ کوئی ضروری نہیں کہ اللہ صرف انسانوں پر ہی رحم فرمائے۔ وہ بھی تو اس کی مخلوق ہیں، وہ بھی اس کے رحم کے مستحق ہیں۔

سوال: — مسلمان کہتے ہیں کہ ہم ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ وہ کعبہ کی طرف سر جھکاتے ہیں۔ کعبہ تمام پتھروں سے بنا ہوا ہے، کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بت پرستی ہے۔ ہم ہندو ایک پتھر کی طرف جھکتے ہیں اور اس کو پوجتے ہیں مگر تم تو ہزاروں پتھروں کی عمارت کی طرف جھکتے ہو۔ تم تو ہم سے بھی بڑھ کر مشرک ہوئے۔ اگر مسلمان کہیں کہ ہم کعبہ کو خدا نہیں مانتے تو ہم ہندو بھی مورتی کو خدا نہیں مانتے بلکہ اپنا دھیان ایک سو کرنے کے لیے مورتی کو سامنے رکھتے ہیں۔ (ستیارتھ پرکارش آریہ)

جواب: — اس سوال کا جواب نماز کی نیت ہی میں موجود ہے کیونکہ نماز کی نیت میں یہ کہا جاتا ہے کہ نماز واسطے اللہ کے میرا منہ کعبہ شریف کی طرف۔ معلوم ہوا کہ نماز کعبہ کے لیے نہیں بلکہ نماز بندگی اللہ کے لیے ہے۔ اگر نماز کعبہ کے لیے ہوتی تو جس طرف کعبہ کا پتھر پہنچتا ادھر ہی مسلمان جھک جاتا مگر ایسا نہیں ہوتا۔ غلاف کعبہ ہمارے پاس ہے مگر کوئی اس کو سجدہ

نہیں کرتا۔ اگر کعبے کا کوئی پتھر بلکہ پوری عمارت اٹھا کر اور جگہ رکھ دے تب بھی کوئی مسلمان ادھر نہ جھکے گا جب کہ ہندو مشرک کا حال یہ ہے کہ جدھر اس کی مورتی ہوتی ہے ادھر ہی اس کے پجاری کا سر ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ بت پرستی کا سر بت کا تابعدار ہوتا ہے مگر مسلمان کا سر کعبہ شریف کے پتھروں کا تابعدار نہیں جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا سر رب کے لیے جھکا اور مشرک کا سر مورتی کے لئے۔ نیز بت پرست بت کو سامنے رکھ کر سجدہ کرتا ہے۔ مسلمان کے لیے کعبے کا سامنے ہونا ضروری نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ کعبہ عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ زمین سے آسمان تک کی فضا کا نام ہے۔ اگر وہاں کوئی عمارت نہ بھی ہو تو بھی نماز میں اسی طرف ہی منہ کیا جائے گا۔ یہ عمارت تو اس جگہ کا نشان ہے جس جگہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرنے کے لیے متعین کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی فقہ اسلامی ہے کہ سمت قبلہ نہ معلوم ہونے کی صورت میں مسلمان جدھر منہ کر کے نماز پڑھے گا نماز ہو جائے گی۔ پھر فرق یہ ہے کہ ہندو پتھر کی مورتی کسی انسان کے نام پر بناتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ رام کا بت ہے۔ یہ مہادیو کا بت ہے۔ یہ کالیکا کا بت ہے اور اس کو خدا کا شریک اور اس کی خدائی میں حصہ دار مانتا ہے اور یہ سمجھ کر اس پتھر کی طرف سر جھکاتا ہے کہ جس کے نام کا پتھر ہے میں اس کی عبادت کر رہا ہوں۔ اس کی پوجا کرتا ہوں۔ مہادیو کی پوجا، کالی کا پوجا، کچھی کی پوجا، ہنومان کی پوجا، رام کی پوجا وغیرہ وغیرہ۔ ہندو پوجا اور عبادت کو بتوں کی طرف نسبت کرتا ہے اور ہر ایک کا کام نام ہی سے ظاہر ہے۔ نیز مشرک بت پرست بتوں کے ذریعہ کالی وغیرہ ہی کو پوجتا ہے نہ کہ اللہ کو۔ جب کہ کعبہ اللہ ہی کے نام کا ہے۔ اسے بیت اللہ کہا جاتا ہے مگر مسلمان ہرگز ہرگز کعبے کے پجاری نہیں جیسا کہ نیت ہی سے ظاہر ہے کہ نماز واسطے اللہ کے منہ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ نیز بہت سی حالتوں میں منہ کعبہ شریف کی طرف نہیں کیا جاتا ہے کہ خوف کی نما جدھر منہ ہو ادھر ہی پڑھ لو۔ مگر پنڈت جی کی پوجا آگ اور پتھر کے بغیر نہیں ہو سکتی مگر مسلمان پہاڑوں اور تہہ خانوں میں بھی نماز پڑھتے ہیں۔ اس حالت میں کعبہ کی عمارت کا کوئی بھی حصہ سامنے نہیں ہوتا۔

سوال:۔۔۔ چاہیے کہ تم آریوں کی عبادت کو صحیح مانو کیونکہ یہ کسی مورتی کی پوجا نہیں کرتے،

صرف رب کا نام لیتے ہیں اور تم بھی رب ہی کا نام لیتے ہو۔ مقصد تو رب کو یاد کرنا ہے جس طرح چاہو کرلو۔ (رام چندر آریہ)

جواب:۔۔۔ عبادت وہی سچی ہے جس کی تعلیم اللہ کی طرف سے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ دی گئی ہو۔ اپنی عقل کی تجویز کی ہوئی کوئی عبادت عبادت نہیں۔ مسلمان جو بھی عبادت کرتا ہے وہ اللہ کی بتائی ہوئی، نبیوں اور رسولوں کی بتائی ہوئی ہے لہٰذا صحیح یہی ہے۔ آریہ اور دیگر قوموں کی عبادت عقل سے سوچی ہوئی ہے، اپنی طرف سے بنائی ہوئی ہے لہٰذا وہ کچھ بھی کرے غلطی کرتا ہے۔ شاہی قانون کی پابندی بہت ہی ضروری ہے۔

سوال:۔۔۔ ہم بھی نماز میں دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو سیدھے راستے پر چلا اور انبیا، اولیا بھی یہی دعا کرتے ہیں تو ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا ہے؟ (وہابی)

جواب:۔۔۔ راستہ سب کا ایک ہے مگر منزلِ مقصود سب کی الگ الگ ہے۔ ہمارے راستہ کی انتہا آگ سے نجات ہے۔ اللہ کے مقبول بندوں کی جنگ کا گل وگلزار ہے۔ محبوبوں کے راستے کی انتہا دیدار اور وصالِ یار ہے جیسے بارات میں باراتی، دولہا اور اس کے ماں باپ سبھی جاتے ہیں، ایک ہی راستہ سب طے کرتے ہیں مگر باراتیوں کی مقصد کی انتہا کھانا اور شرکت ہے۔ راشتہ داروں کی انتہا جوڑے، گھوڑے، تحفہ، تحائف ہے مگر دولہا کا مقصد انتہا دولہن کا حصول ہے۔ دیکھو راستہ ایک ہے مگر منزل مقصود سب کا الگ الگ ہے۔

سوال:۔۔۔ اسلام اور ایمان کے بغیر خدا کوئی بھی نیک عمل قبول نہیں کرتا۔ خدا کی یہ بیجا طرفداری ہے کہ مسلمانوں کے اعمال تو قبول کرے اور غیر مسلموں کے رد کر دے۔ جب دونوں ایک ہی اعمال کر رہے ہیں تو یہ فرق کیوں؟ ایک غیر مسلم کنواں کھدواتا ہے، پل بنواتا ہے اور صدقہ وخیرات کرتا ہے تو وہ بالکل قبول نہ ہو اور ایک مسلمان ان میں سے دسواں حصہ بھی کرے تو خدا کا پیارا بن جائے، یہ کیسے؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔ ایک شخص نہایت عمدہ اور اچھے قسم کا حلوہ بناتا ہے لیکن اس میں چھٹانک بھر زہر بھی ملا دیتا ہے۔ دوسرے آدمی نے حلوہ تو معمولی بنایا لیکن اسے زہر سے محفوظ رکھا۔ یقیناً

اس بیوقوف مالدار کا حلوہ بھلے ہی قیمتی اور اچھا کیوں نہ ہو مگر وہ ہلاک کردے گا اور اس عقل مند غریب کا معمولی حلوہ فائدے مند ہوگا۔ یہ نیک اعمال حلوے کے اجزا (مسلمان) ہیں اور کفر زہر ہے۔ کافر جو نیک کام بھی کرتا ہے اس میں کفر کا زہر موجود ہوتا ہے لہٰذا اس کے اعمال بے کار ہیں اور مسلمان اگرچہ معمولی نیک کام کرے لیکن اس کے اعمال کفر کے زہر سے محفوظ ہیں۔ اس لیے قابل قبول ہیں، فائدے مند ہیں، کارآمد ہیں، باعث نجات ہیں۔

سوال:— جب کسی کافر و مشرک کی تقدیر میں یہ آچکا کہ وہ ایمان نہ لائے گا تو چاہیے کہ انہیں کفر کی سزا نہ ملے کیونکہ وہ اپنے اس کفر میں مجبور ہے۔ (آریہ)

جواب:— معلوم ہوتا ہے کہ معترض تقدیر کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ تقدیر علم الٰہی کا نام ہے۔ اس علم میں جس طرح مجرم کا جرم داخل ہے ایسے ہی اس کا اختیار بھی۔ یعنی حق تعالیٰ کو اس کے متعلق یہ علم ہوا کہ اس شخص کو ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار تو ہوگا مگر یہ اپنی خواہش سے ایمان نہ لائے گا۔ جب یہ کفر اختیاری ہوا تو اس کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔ دوسری بات یہ کہ یہ لوگ اس لیے مجرم ہیں کہ انہوں نے اپنے ایمان کے سارے راستے خود ہی بند کرائے کیونکہ اس کے اسباب انہوں نے جمع کئے اور حق تعالیٰ نے راستے بند کردیئے۔ جیسے کوئی آدمی کسی کو ظلماً قتل کردے تو اگرچہ مقتول کی جان اللہ نے ہی نکالی لیکن جان نکلنے کے سارے اسباب (یعنی قتل وغیرہ) اس نے جمع کئے۔ لہٰذا قاتل یقیناً مجرم ہے، اسے سزا ملے گی۔

سوال:— جس طرح قرآن کا مثل کسی سے نہ بن سکا اسی طرح ہمارے وید کا مثل بھی آج تک کوئی نہ بنا سکا تو چاہیے کہ اس کو بھی کلامِ الٰہی مان لو؟ (ستیارتھ پرکاش دیانند)

جواب:— وید نے کسی کو کبھی اپنے مقابلے کا چیلنج دیا ہی نہیں تو اس کا مقابلہ کون کرتا۔ رستم پہلوان تو کہہ سکتا کہ میں نے اخباروں میں اپنے مقابلے کے لیے چیلنج دیئے مگر کوئی سامنے نہ آیا مگر کمزور لوگ ایرو غیرو یہ نہیں کہہ سکتے کہ میرے مقابلے میں بھی آج تک کوئی نہیں آیا کیونکہ انہوں نے اپنے مقابلے کے لیے کسی کو بلایا ہی کب تھا؟ دوسری بات یہ کہ وید سنسکرت زبان میں آیا ہے اور یہ زبان کسی کی مادری زبان نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی ماہر۔

مقابلے کا چیلنج اس فن کے ماہروں کو دیا جاتا ہے۔کوئی عربی جاننے والا انگریزی جاننے والے کو چیلنج دے تو یہ غلط ہے۔قرآن کریم عربی زبان میں آیا اور ملک عرب میں آیا اور اس زمانے میں آیا کہ فصاحت و بلاغت پر ناز کرنے والے لوگ وہاں پر موجود تھے اور وہ اپنی لسانی بنیاد پر پوری دنیا کو عجمی (گونگا) کہتے تھے۔پھر قرآن نے سب کو للکارا۔اگر کچھ بل بوتا ہے تو آؤ،ہمارا مقابلہ کرو تو جانوں۔قرآن کا یہ چیلنج آج بھی پوری دنیا کے سامنے ہے اور دنیا والے بے بس ہیں اور صبح قیامت تک یہ چیلنج برقرار رہے گا۔سوچو دنیا جب قرآن کی مثل نہ لاسکی تو صاحب قرآن کی مثل کہاں سے لائے۔بے چارہ وید کس کو پکارتا،وہ تو بقول تمہارے ایسی بے ڈھنگی زبان میں آیا جس کا ماہر اور بولنے والے دنیا میں موجود نہیں۔

سوال:— اللہ نے انسان کو گمراہ ہونے کا اختیار بھی کیوں دیا۔گمراہی کا اختیار دینا بھی برا ہے۔

جواب:— بندے میں اختیار پیدا کرنا برا نہیں بلکہ اس کا استعمال کرنا برا ہے۔فوجی اور سپاہی کو حکومت ہتھیار دیتی ہے دشمن کو مارنے کے لئے۔جو سپاہی اپنے ہی آدمی کو اس ہتھیار سے مار دے تو سپاہی مجرم ہے نہ کہ حکومت۔اللہ نے ہم کو تمام قوتیں،اختیارات،نیکیاں کرنے کو دیئے۔اگر ہم ان قوتوں کو حرام میں خرچ کریں تو ہم مجرم ہیں۔

سوال:— جو لوگ قبر میں دفن نہیں ہوتے،مثلاً جلا دیئے جاتے ہیں یا ان کو شیر وغیرہ کھا جاتا ہے یا دریا سمندر میں ڈوب کر گل سڑ جاتے ہیں،ان کے اجزا بدن پانی میں گل کر پانی ہو جاتے ہیں یا مچھلی ان کو کھا جاتی ہے۔ان لوگوں سے حساب قبر کیوں کر ہوگا؟ (آریہ)

جواب:— قبر خاص اس گڈھے کا نام نہیں جس میں مردے دفن کئے جاتے ہیں بلکہ اس برزخی حالت کا نام ہے جو مرنے اور قیامت میں اٹھنے کے درمیان ہے۔جسم سے روح نکلنے کے بعد انسان کہیں بھی ہو،کسی حالت میں ہو،وہ اس کی قبر ہے خواہ شیر کے پیٹ میں ہو یا مچھلی کے،دریا کے تہہ میں ہو یا سمندر کے،اس کے روح کو جسم کے اصل اجزا سے متعلق کر کے اس سے سوال و جواب ہو جاتے ہیں۔لہٰذا اگر جسم انسانی شیر یا مچھلی کے پیٹ میں ہے یا جل کر

راکھ ہوکر میدان میں اڑ رہا ہے یا دریا میں بہہ رہا ہے، غرضیکہ کہیں بھی ہے، جس حال میں ہے اس کی روح کو اس سے متعلق کر کے وہاں بھی سوال و جواب کر لیے جاتے ہیں۔ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمام اجزا کو یکجا کر کے جسم بنا دے اور اس پر عذاب دے۔ خدا کی قدرت سے انکار کون کرسکتا ہے۔ جب ماں کے پیٹ میں بچہ بنتا ہے تو بحکم خدا فرشتہ وہیں آ کر نقش و نگار (صورت) بھی کر جاتا ہے اور اس کی تقدیر بھی لکھ جاتا ہے مگر ماں کو خبر نہیں ہوتی۔ اسی طرح شیر وغیرہ کے پیٹ میں حساب و عذاب ہوگا مگر اس کو خبر نہیں ہوگی۔

سوال:— جب دنیا میں ہر چیز انسان ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بنایا تو اسلام میں بعض چیزیں حرام کیوں؟ چاہیے تھا کہ ہر چیز کو ہم ہر طرح استعمال کر سکتے۔ (آریہ)

جواب:— ہر چیز تمہارے نفع ہی کے لیے بنی نہ کہ تمہارے کھانے کے لئے۔ ہر چیز کا نفع الگ الگ ہے۔ کسی کو کھاؤ، کسی کو پیو، کسی کو سونگھو، کسی سے بچو۔ پنڈت جی تمہارے گھر میں تمہاری بیوی، ماں، بہن، بیٹی، یہ سب تمہارے نفع ہی کے لیے ہیں لیکن ان سب کا نفع (استعمال) یکساں نہیں۔ بیوی سے ہم بستری کی جاتی ہے اور ماں، بہن سے امداد اور شفقت حاصل کی جاتی ہے۔ پانی اور آگ سب تمہارے نفع کے لیے ہے مگر پانی پیا جاتا ہے اور آگ کھائی نہیں جاتی۔ اور جس طرح ہر چیز کا طریقہ استعمال سکھانے والے کے مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اسی طرح انبیائے کرام کی تعلیم کے بغیر کسی چیز کو استعمال کرنا فائدے مند نہ ہوگا۔ انبیائے کرام نے فرمایا، حلال اور پاک چیز کھاؤ، پیو اور حرام چیزوں سے بچو۔

سوال:— بعض جاہل پیر اور پیر پرست کہتے ہیں کہ سجدۂ تعظیمی جائز ہے اور قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدۂ تعظیمی کیا۔ (پیر پرست)

جواب:— فرشتوں کا یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کا حکم نہ تھا کیونکہ شرعی حکم نبی کے ذریعہ انسان یا جنات پر جاری ہوتا ہے۔ فرشتوں پر حکم شرعی جاری نہیں ہوتا۔ یہاں یہ حکم خصوصی طور پر صرف فرشتوں کو ہی دیا گیا لہٰذا یہ شریعت آدم کا حکم نہ تھا۔ نیز یہ سجدہ صرف ایک ہی بار حضرت آدم علیہ السلام کو ہوا۔ ہمیشہ سجدہ کرنے کا حکم نہ تھا۔ حضرت یعقوب علیہ

السلام کے دین میں بھی سجدۂ تعظیمی کا جائز ہونا قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا نہ تعظیمی تھا نہ حکم شرعی۔ اگر تعظیمی ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام والد کو سجدہ کرتے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام آپ کے والد ہیں اور تعظیم والد کی کی جاتی ہے نہ کہ ولد کی۔ معلوم ہوا کہ یہ صرف خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لیے تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرزند کے ذبح کے لیے تیار ہو جانا خواب کی تعبیر کے لیے تھا۔ اسی طرح ان کا اپنے بیوی، بچوں کو جنگل بیابان میں چھوڑ آنا، یہ تمام چیزیں دین ابراہیم کے شرعی احکام نہ تھے۔ غرضیکہ تعظیمی سجدے کا گذشتہ پیغمبروں میں جائز ہونا اور ہمارے یہاں حرام ہونا دونوں حدیث سے ثابت ہیں۔ شریعت محمدی میں سجدۂ تعظیمی حرام حرام حرام ہے۔

سوال:— حضرت حوا آدم علیہ السلام کی بیٹی تھیں کیونکہ ان کے جسم پاک سے پیدا ہوئیں، تو ان کے ساتھ نکاح کا برتاؤ کیسے جائز ہوا؟ (آریہ)

جواب:— پنڈت جی اولاد وہ کہلاتی ہے جو کہ اپنے نطفے سے پیدا ہو۔ لہٰذا وہ ان کی بیٹی نہ ہوئیں۔ ہمارے جسم سے بہت سی جاندار چیزیں بن جاتی ہیں۔ سر میں، پیٹ میں بہت سے جانور، کیڑے، جوں وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں، وہ ہماری اولاد نہیں کہلاتے کیونکہ ہمارے نطفے سے نہیں ہیں۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت حوا حضرت آدم کی بیٹی ہی تھیں تو بھی جس طرح ان کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا اسی طرح مجبوراً اس بیٹی سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا کیونکہ دوسری عورت کا ملنا ناممکن تھا اور خدا کو دنیا انسانوں سے بسانا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نسل انسانی کی افزودگی کیسے ہوتی، اور پنڈت جی آپ بھی نہیں ہوتے۔ اور اگر حضرت آدم علیہ السلام کی طرح حضرت حوا کو الگ مٹی سے بنا دیا جاتا تو یقیناً مرد عورت میں اتنی محبت نہ ہوتی جواب ہے۔

سوال:— آدم کو پیدا کر کے اللہ نے حکم دیا کہ جنت میں اپنی بیوی حوا کے ساتھ رہو۔ مدتوں تک وہ جنت میں رہے۔ جب گندم کا دانہ کھا لیا تو حکم ہوا کہ اب تم زمین پر جاؤ۔ اگر وہ زمین پر نہ آتے تو ہم جنت میں رہتے اور مزہ کرتے۔ خطا انہوں نے کی اور اسے ہم بھگت

رہے ہیں۔(عام بے دین)

جواب:۔۔۔یہ بالکل غلط ہے بلکہ تم جیسے بے دینوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر نکلوایا کیونکہ تم ان کی پشت میں تھے اور جنت بے دینوں کی جگہ نہیں۔اس لیے مرضی الٰہی یہ ہوئی کہ آدم ان بے دینوں کو زمین پر پھینک آئیں پھر ہمیشہ کے لیے جنت میں تشریف لائیں۔انسان کو پلیدی پاخانے میں لے جاتی ہے نہ کہ پلیدی کو انسان۔یعنی جب حاجت ہوتی ہے تب اس کے نکالنے کے لیے پاخانہ جانا پڑتا ہے۔

سوال:۔۔۔ گندم کھانے کے بعد جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہی کرنی تھی تو ان کو تین سو سال تک کیوں رُلایا گیا؟

جواب:۔۔۔جو چیز مشکل سے حاصل ہوتی ہے اس کی قدر بھی ہوتی ہے۔دوسروں کو اس سے عبرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ذرا سی لغزش پر جب ہمارے باپ ابوالبشر (تمام انسانوں کے باپ) حضرت آدم علیہ السلام اتنا روئے تو ان کی نافرمان اولاد کو بھی اپنی بھول اور خطاؤں پر رونا چاہئے۔حضرت آدم کا رونا ہم سب کے لیے باعث عبرت ہے۔

سوال:۔۔۔اسلام کہتا ہے کہ جان بوجھ کر گناہ کرنا برا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ نادان اور انجان بن کر جو چاہو سو کرو۔اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم سے جہالت بہتر ہے کیونکہ جاہل کا گناہ گناہ ہے اور عالم کا گناہ کبھی کفر بن جاتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جاہل بے علم پر ایک وبال ہے اور عالم بے عمل پر سات وبال ہے۔(بعض جہلا)

جواب:۔۔۔جان بوجھ کر گناہ کرنا یقیناً کفر ہے مگر جہالت کا وبال علم کے وبال سے زیادہ ہے۔اس لیے کہ عالم بے عمل فقط بے عملی کا گنہگار ہے اور جاہل بے عمل ڈبل گنہگار ہے۔ایک تو بے عملی کی وجہ سے، دوسرا بے علمی کی وجہ سے۔علم سیکھنا فرض تھا۔جاہل اس فرض کا تارک ہے، گنہگار ہے۔ایک شخص اپنے باپ کو نہ پہچان کر اس کو مارے بیٹھے، عقل کہتی ہے یہ شخص بڑا بدنصیب ہے، جاہل کا ایک وبال عالم کے سات وبالوں سے زیادہ سخت ہوگا۔گنہگار مومن کو صدہا بدعملیوں کی سزا ملے گی اور کافر ومشرک کو صرف کفر کی، مگر ایک کفر کی سزا دیگر صدہا جرموں

کی سزا سے سخت ہوگی۔ حدیث صحیح سمجھو۔ خیال رہے کہ کفریات وغیرہ میں بے علمی عذر نہیں۔ اگر کوئی جاہل بھی کلمہ کفر نکال دے تو وہ یقیناً مجرم ہے۔ کوئی شخص قانون سے واقف ہو کر چوری کرے یا بے ٹکٹ ریل میں سفر کرے اور گرفتار ہونے پر کہے کہ مجھے خبر نہ تھی کہ یہ کام جرم ہے، وہ بھی ضرور سزا کا مستحق ہوگا۔

سوال:۔۔۔ بے عمل عالم کو وعظ و تقریر کرنا جائز نہیں اس لیے کہ جس بات پر وہ خود عمل نہ کرے تو چاہیے کہ کسی کو غلطی کرتے ہوئے دیکھ کر بھی نہ بتائے۔

جواب:۔۔۔ اس میں وعظ یا تقریر کی برائی معلوم نہیں ہوئی بلکہ عمل نہ کرنے کی۔ عالم واعظ کو چاہیے کہ وعظ بند نہ کرے بلکہ عمل کرنا شروع کر دے۔ اگر خود عمل نہ بھی کرے تب بھی دین کی تبلیغ و دعوت کئے جائے کیونکہ ابھی تو ایک گناہ کر رہا ہے اور وعظ بند کر دینے پر ڈبل گناہ کا مرتکب ہوگا۔ ایک بدعملی کا اور دوسرے دین کو چھپانے کا بے عمل عالم کی مثال چراغ والے اندھے کی طرح ہے کیونکہ وہ تو اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتا مگر دوسروں کو فائدہ پہنچا دیتا ہے اور یہ بھی ایک نیکی ہے۔

سوال:۔۔۔ غریب مولوی کو چاہیے کہ زکوٰۃ اور حج کے احکام بیان نہ کرے کیونکہ وہ اپنی غریبی کی وجہ سے خود ان کا عامل نہیں لہٰذا وہ بے عمل ہے۔ (بعض جاہل)

جواب:۔۔۔ بے عمل وہ کہلاتا ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہو اور نہ کرے۔ اور جس کو شریعت نے معافی دی ہو وہ بے عمل نہیں۔ ایک ڈاکٹر یا حکیم بیمار کو دوا پلاتا ہے۔ اگر بیمار کہے کہ حکیم صاحب پہلے آپ دوا پیو پھر مجھے پلاؤ تو وہ بیوقوف ہے کیونکہ اس کو دوا کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوٰۃ فرض نہیں تھی لیکن آپ نے اوروں کو اس کا حکم دیا۔

سوال:۔۔۔ بنی اسرائیل پر فرعون کی سختی ان کی سرکشیوں کا عذاب تھا لیکن ان کے بچوں نے کیا گناہ کیا تھا جو وہ بچے ذبح کئے گئے۔

جواب:۔۔۔ دنیا میں مصیبتیں، آفتیں صرف گناہوں سے ہی نہیں آتی بلکہ بہت وجوہ سے آتی ہیں۔ انبیائے کرام جو بالکل بے گناہ ہوتے ہیں سب پر تکالیف آتی ہیں۔ حضرت

ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال تک سخت بیماری میں مبتلا رہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے سر پر آرا چلایا گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اوران کے شیر خوار بچے حضرت علی اصغر کس گناہ پر کربلا کی مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ جن قوموں پر آسمانی عذاب آئے ان کے بچے جانور سبھی ہلاک ہوئے۔ حالانکہ بچے مجرم نہ تھے۔ بنی اسرائیل کے بچوں کو فرعونیوں کے ہاتھوں ذبح، بنی اسرائیل کے نیک کاروں کا امتحان تھا۔ نیکوں کے لیے دنیا کی مصیبتیں ان کے درجات و مراتب کی بلندی کا باعث بنتی ہیں۔ بدکاروں کی سزا کہ بچوں کی سزا سے انہیں تکلیف ہو۔ ہاں! آخرت کے عذاب بغیر جرم نہ ہوں گے۔

سوال:— کیا کوئی دنیا میں حالت بیداری میں اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے؟

جواب:— اس دنیا میں رہ کر کوئی شخص بحالت بیداری آنکھوں سے رب کو نہیں دیکھ سکتا۔ دنیا میں اس کی دیدار کا شرف صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ عوام تو عوام، نبیوں کو بھی یہ شرف حاصل نہیں۔ ہمارے حضور نے معراج کی رات میں رب کو دیکھا۔ سارے مسلمان اللہ کا دیدار کریں گے مگر آخرت میں نہ کہ اس دنیا میں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے رب کو سو بار دیکھا مگر خواب میں نہ کہ حالت بیداری میں۔

سوال:— اس دنیا میں اللہ کا دیدار نہ ہونے کے کیا وجوہات اور حکمتیں ہیں؟

جواب:— پہلی حکمت تو یہ ہے کہ اگر یہاں مسلمان رب تعالیٰ کو دیکھ لیتے تو کفار کہہ سکتے تھے کہ ہم بھی دیکھ کر اس کی عبادت کریں گے اور اگر کفار و مشرکین کو بھی دکھایا جاتا تو مسلمانوں کو ان پر کچھ فوقیت نہ رہتی اور ایمان کا ایک حصہ یومنون بالغیب بھی ہے۔ پھر غیب غیب نہ رہتا۔ دوسری حکمت یہ کہ رب کے نزدیک غائبانہ محبت مقبول ہے۔ یہاں بغیر دیکھے اس سے محبت کروتا کہ یہ محبت اس کے دیدار کا ذریعہ بنے۔ تیسری حکمت یہ کہ اگر یہاں دیدار الٰہی ہوتا تو دنیاوی کاروبار سب ختم ہو جاتے کیونکہ جو آنکھ اسے دیکھتی وہ کسی اور کو نہ دیکھتی۔ چوتھی حکمت یہ کہ دنیا غیرت کی جگہ ہے یہاں پر عاشق چاہتا ہے کہ نہ میں محبوب کے سوا کسی کو دیکھوں اور نہ میرے محبوب کو کوئی دیکھے اور نہ وہ خود کسی کو دیکھے۔ اس لیے سب کو تکلیف ہوتی

ہے آخرت میں چونکہ یہ حال نہ رہے گا۔ پانچویں حکمت یہ کہ دنیاوی آنکھ اتنی کمزور ہے کہ سورج کے روشنی کی بھی تاب نہیں لاسکتی تو خالق سورج کو کیا دیکھ سکے گی۔ ہاں! سورج پر ہلکے بادلوں کا غلاف آجائے یا اس کا عکس پانی میں لے لیا جائے تو اس کا دیدار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں اگر رب تعالیٰ کا جمال دیکھنا ہے تو مصطفیٰ کا جمال دیکھ کیونکہ یہ جمالی آئینہ حق نما ہے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے مَن رَأنِیْ فَقَدْ رَا الحَقْ. جس نے مجھے دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھ لیا۔

سوال:— اپنی نفع اور فائدے کے لیے بے قصور جانور کی جان لینا ظلم ہے اور خدائے تعالیٰ ظلم نہیں کرسکتا۔ (آریہ)

جواب:— جانور وغیرہ انسان ہی کے نفع کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ پنڈت جی بھی چمڑے کے جوتے اور گائے بھینس کے دودھ دہی استعمال کرتے ہیں بلکہ اب تو سائنس نے بتا دیا ہے کہ ہوا اور پانی میں صدہا جانور ہیں جو ناک اور منہ کے راستے سے انسان کے پیٹ میں جاتے رہتے ہیں۔ پنڈت جی کو چاہیے کہ پانی پینا اور سانس لینا چھوڑ دیں۔ نیز تمام سبزیوں میں بھی جان ہے، وہ بھی نہ کھانی چاہئے۔ پنڈت جی دنیا کا نظام ایسے ہی قائم ہے کہ بعض جان بعض جان کو کھا کر زندگی گذارتی ہے۔ شیر گھاس نہیں کھاتا، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو اور شکاری جانور دوسروں کو کھا کر ہی زندہ رہتے ہیں۔ دواؤں میں صدہا جانوروں کے گوشت اور چربی کام آتے ہیں جنہیں پنڈت صاحبان بیچتے اور استعمال کرتے ہیں۔ اسلام فطری دین ہے۔ اس کے سارے احکام بھی فطرت کے موافق ہیں۔

سوال:— تو چاہیے کہ سور، کتا، بلی، گھوڑا، گدھا سب جانوروں کے گوشت کھایا کرو، وہ بھی خدا کی مخلوق ہیں۔ اس میں بھی لذت ہے۔ (رام چندر آریہ)

جواب:— اللہ نے پاک اور حلال چیز کھانے کا حکم دیا ہے اور ان تمام جانوروں کا گوشت حرام ہے۔ پنڈت جی گھر میں ماں، بہن، بیوی، بیٹی سبھی عورتیں ہوتی ہیں اور یہ سب اللہ کی مخلوق ہیں پھر بیوی کا کام اپنی ماں، بہن، بیٹی سے کیوں نہیں لے لیتے۔ اس میں بھی وہی

لذت ملے گی۔ پھر یہ فرق کیسا؟ معلوم ہوا وطی صرف اپنے عورت ہی سے جائز ہے، باقی سے حرام۔ رب کی نعمت خدا کی اجازت پر خرچ کی جائے گی۔ بری اور حرام غذا کا اثر کھانے والے کے اخلاق پر پڑتا ہے۔ اس لیے وہ حرام کی گئی ہیں۔ دیکھو جو قومیں ان جانوروں کا گوشت کھاتی ہیں ان میں بے حیائی، بے شرمی زیادہ ہی ہے۔

سوال:— عجیب بات ہے کہ خدا کا مارا ہوا جانور تو حرام ہو یعنی مردار اور انسان کا مارا ہوا یعنی ذبیحہ حلال۔ (ستیارتھ پرکاش دیانند)

جواب:— ہر جانور خدا ہی کا مارا ہوا ہے۔ موت اور زندگی اس کے قبضے میں ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ جس کا گندہ خون خدا کے نام پر نکال دیا جائے وہ حلال ہے، باقی حرام ہے۔ مردار اور ذبیحہ کے گوشت میں بھی بہت فرق ہے۔ مردار جانور کا گوشت جسم میں خون جم جانے کی وجہ سے صحت کے لیے مضر اور نقصان دہ ہے اور ذبح کیا ہوا جانور کا گوشت لذت و صحت کے لیے فائدے مند ہے۔

سوال:— کافر اور مشرک کو ہمیشہ جہنم میں رکھنا ظلم ہے۔ سزا جرم کے مطابق ہونی چاہیے نہ کہ ہمیشہ۔ (ستیارتھ پرکاش آریہ)

جواب:— قانون سے زیادہ سزا دینا واقعی ظلم ہے اور قانونی سزائیں انصاف۔ رب کا قانون یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کے باغی یعنی کافر و مشرک کی سزا ہمیشہ جہنم ہے۔ لہٰذا یہ ہمیشگی ظلم نہیں۔ چور آدھے گھنٹے میں چوری کرتا ہے اور دو چار دن میں چوری کا مال کھا پی لیتا ہے۔ مگر اس کو سات یا دس سال کی جیل ہوتی ہے۔ ڈاکو کو عمر قید ہوتی ہے۔ وہاں کوئی نہیں کہتا کہ اس نے ایک گھنٹے میں جرم کیا اس کو ایک ہی گھنٹہ جیل میں رکھو بلکہ قانون نے چونکہ اس کی سزا یہی رکھی ہے لہٰذا یہ عین انصاف ہے، ظلم نہیں ہے۔ ہاں! جو حاکم قانون سے زیادہ سزا دے وہ ظلم ہے۔ دوسرے یہ کہ کافر نے اللہ کی بے انتہا نعمتیں کھا کر بے انتہا بغاوت و نافرمانی کی اس لیے اس کو بے انتہا سزا دی جائے۔ آج کی ملکی قانون میں باغی اور ملک سے غداری کرنے کی سزا عمر قید یا پھانسی ہے مگر چونکہ وہاں موت نہیں اس لیے اس کی سزا کی انتہا نہیں اور یہاں دنیا میں

موت اس زندگی کی انتہا ہے اس لیے یہ سزا اس کی انتہا ہے۔

سوال:— روح ایک پاک چیز ہے، جسم کے گناہ سے عارضی ناپاکی اس میں آ گئی تو چاہیے کہ مرنے کے بعد جب یہ ناپاکی جاتی رہے تب اس کی نجات ہو جائے۔ (نیچری)

جواب:— کفر و شرک ایسی گندگی ہے جس سے روح اصلاً گندی ہو کر نا قابل اصلاح ہو جاتی ہے جیسے کہ لوہا اور صاف شیشہ زنگ (کاٹ) سے نا قابل اصلاح ہو جاتا ہے۔ اب بھی بعض عادات و اخلاق سے انسان قابل اصلاح نہیں رہتا۔ لہٰذا ایسی گندی روح کو عذابِ دائمی ہی ضروری ہے۔ کفر نے روح کی اصل بگاڑ دی۔

سوال:— چاہیے کہ روح کو سزا نہ ملے کیونکہ جرم اور گناہ جسم نے کیا ہے۔ گناہ اعضا سے ہوئے ہیں اس لیے صرف جسم ہی کو سزا ہونا چاہئے۔ روح تو بے قصور ہے۔ (بعض جہلا)

جواب:— ایک اندھا لنگڑے کو لے کر باغ میں چوری کرنے گیا۔ لنگڑے نے پھل توڑے، اندھے نے وہاں تک پہنچایا۔ مالک نے ان دونوں کو پکڑ لیا اور خوب پٹائی کی کیونکہ دونوں مجرم ہیں۔ جسم لنگڑا ہے اور روح اندھی، ان دونوں نے مل کر اللہ کے احکام کے باغ کی چوری کی ہے لہٰذا دونوں عذاب کے مستحق ہیں۔ جسم روح کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا اور روح بغیر جسم کے مجبور تھی۔ نیز جسم بغیر روح عذاب نہیں پا سکتا کیونکہ تکلیف کا احساس روح سے ہوتا ہے اس لیے روح کو عذاب ضروری ہے۔

سوال:— جس طرح بے عمل بدکار مسلمان کو کچھ روز جہنم میں رکھ کر جنت میں بھیجا جائے گا اسی طرح چاہیے تھا کہ نیکوکار کافر و مشرک کو کچھ روز جنت میں رکھ کر جہنم میں بھیجا جاتا۔ (آریہ)

جواب:— آپ اپنے عمدہ قالین پر گندے پاؤں والے کو نہیں آنے دیتے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے جنت کے قالین پر کافر و مشرک کی گندی روح کو کیوں آنے دے۔

سوال:— اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض مسلمان تو سزا پا کر جنت میں جائیں گے مگر بعض کی ویسے ہی بخشش ہو جائے گی؟

جواب:— مقصود تو یہ ہے کہ کوئی میلی روح جنت میں نہ جائے۔ پہلے ہی اس کو پاک کر دیا جائے جس طرح دنیا میں ہم کسی چیز کو پانی سے پاک کرتے ہیں، کسی کو آگ میں رکھ کر۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی گنہگار مسلمان کو رحمت کے پانی سے اور کسی کو دوزخ کی آگ سے پاک کر کے جنت میں بھیجے گا۔ یہ وہ خود جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے۔

سوال:— اسلام کہتا ہے کہ ظلم پر مدد کرنا بھی ظلم ہے۔ تو اللہ نے ظالم کو ظلم پر قدرت و طاقت کیوں دی؟ یہ بھی ایک طرح سے ظلم پر مدد ہے۔ (آریہ)

جواب:— اللہ نے ظالم کو ظلم پر قدرت دے کر اس سے منع بھی فرمایا ہے اور بہت ڈرایا ہے۔ مگر انسان جب ظالم کی مدد کرتا ہے تو اسے ظلم کی رغبت دیتا ہے اور اس سے ظلم کرواتا ہے۔ اس لیے اللہ کا قدرت دینا ظلم پر امداد نہیں۔ قدرت محض اس لیے دی گئی ہے کہ بندہ اس پر قابو پا کر بچے اور ثواب کا مستحق ہو۔

سوال:— اسلام میں شفا حاصل کرنے کے لیے یا جان بچانے کے لیے حرام چیزوں کا استعمال جائز ہے۔ تو اگر دوسری قومیں بھی اپنی زندگی کے لیے حرام اسباب پر عمل کریں تو وہ گنہگار کیوں ہیں؟ (آریہ)

جواب:— اسلامی حکم یہ ہے کہ جو سخت جان لیوا بیماری کی مصیبت میں پھنس جائے اس کے لیے حرام دوائیں وغیرہ حلال ہیں۔ شریعت نے مصیبت سے بچنے کے لیے حرام چیزوں کا استعمال کرنا اس کے حق میں حلال کر دیا ہے۔ یہ بالکل جائز ہے۔ لیکن نفسانی خواہشوں کے لیے حرام چیزوں کا استعمال کرنا عقلاً بھی برا ہے۔ ایک شخص قوت باہ زیادہ کرنے کے لیے مینڈک کا تیل یا سانپ کا گوشت یا شراب استعمال کرتا ہے تو وہ مجرم ہے۔ دوسرا شخص پیاس سے مر رہا ہے، جان بچانے کے لیے شراب کا گھونٹ پیتا ہے تو وہ مجرم نہیں کیونکہ پہلے شخص کا مقصود شہوت ہے اور اس کا مقصد مصیبت سے بچنا، جان کا بچانا فرض ہے۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ حرام کھا کر بھی اپنی جان بچائی جا سکتی ہے۔

سوال:— بہت سے نیشنلسٹ اور آزاد خیال مسلمان کہتے ہیں کہ دنیا کے سارے

مذاہب سچے ہیں، ہمیں سب کا احترام کرنا چاہئے۔ کسی کے مذہب کو برا نہ کہو۔ اسلام بھی یہی کہتا ہے۔ دیکھو عیسائیوں اور یہودیوں نے ایک دوسرے کو جھٹلایا اور کافر کہا تو اللہ نے ان دونوں پر ناراضگی فرمائی۔ نیز حدیث پاک میں بھی ہے کہ کسی کے مذہب کو برا نہ کہو۔ (آزاد خیال لوگ)

جواب:۔۔۔ حدیث شریف میں کسی کے مذہب کو برا نہ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا مذہب سچا ہے۔ بلکہ اس لیے مسلمانوں کو روکا گیا ہے کہ جب تم اس کے باطل اور جھوٹے مذہب کو برا کہو گے تو وہ جواب میں تمہارے سچے اور اچھے مذہب کو برا کہے گا۔ تو تم اپنے سچے اور اچھے مذہب کو برا کہلوانے کا سبب بنو گے۔ جیسے تم نے کسی کی ماں کو گالی دیا تو وہ پلٹ کر تمہاری ماں کو گالی دے گا۔ اس طرح اپنی ماں کو گالی دینے کا سبب تم بنو گے اس لیے اسلام کہتا ہے کہ کسی کو بھی گالی مت دو۔ یہاں عیسائیوں اور یہودیوں پر خدا کی ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جوش میں آکر دوسرے دین کے سچے پیغمبر کا انکار کر دیا اور ان کی اصل کتاب کا انکار کر ڈالا۔ عیسائیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت کا انکار کیا اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا اور ایک دوسرے نے ایک دوسرے کو حقارت و ذلت کی نگاہ سے دیکھا اور دوسرے کو (علی شئ یعنی تم کچھ بھی نہیں)) کہہ کر غلط کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰ کچھ نہیں، انجیل کچھ نہیں۔ حضرت موسیٰ کچھ نہیں، توریت کچھ نہیں۔ حالانکہ ان میں کوئی نہ کوئی بات تو اب بھی اچھی ہے جب کہ موجودہ توریت و انجیل ان کے ماننے والوں نے اپنی طبیعتوں کے مطابق بدل دیا ہے مگر جو اصل توریت و انجیل ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے اس پر ہم سب مسلمانوں کا ایمان ہے۔ مگر موجودہ توریت و انجیل (بائبل) پر نہیں کیونکہ یہ تحریف شدہ ہے۔ علمائے یہود و نصاریٰ نے عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام کی لائی ہوئی شریعت کو اپنی گمراہ طبیعت کے مطابق تبدیل کر دیا ہے جس کا اعلان اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرما دیا ہے اور اگر سارے دین و مذاہب سچے ہیں تو پھر خنزیر حلال بھی ہوگا، حرام بھی۔ ماں بہن سے نکاح کرنا جائز بھی ہوگا، ناجائز بھی۔ کیونکہ ان چیزوں کو بعض مذاہب حلال کہتے ہیں اور بعض حرام۔ اور بقول

تمہارے تمام مذاہب سچ، تو نتیجہ یہ نکلا کہ سب صحیح جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اللہ کا بنایا ہوا پسندیدہ مذہب ہے۔ اسلام ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص دوسرا مذہب قبول کرے گا تو وہ اللہ کے نزدیک نا قابل قبول ہوگا۔

سوال:— مسجدوں کو اللہ کی طرف نسبت کیوں کیا گیا؟ کیا اور ساری چیزیں اللہ کی نہیں ہیں؟ نیز اسے اللہ کا گھر کیوں کہتے ہیں؟ کیا وہ اس میں رہتا ہے؟ (آریہ)

جواب:— اس لیے کہ مسجدوں پر کسی بندے کی ظاہری ملکیت وحکومت نہیں ہوسکتی۔ دیگر گھروں پر بندوں کی ظاہری ملکیت وحکومت ہے جنہیں وہ فروخت کر سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے گھر (مسجد) کا کوئی حاکم نہیں بلکہ خادم ہیں۔ نیز اور گھروں میں تو دنیاوی کام بھی ہوتے ہیں مگر مسجدوں میں صرف اللہ ہی کا کام ہوتا ہے۔ مثلاً نماز، تلاوتِ قرآن، ذکر وعبادت، نعت خوانی، وعظ ونصیحت وغیرہ۔ دیکھو سارا ملک بادشاہ کا ہے لیکن صرف کچہریوں، ڈاک خانوں، اسپتالوں اور عدالتوں ہی کو سرکاری عمارتیں کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں صرف سرکاری ہی کام ہوتے ہیں اور ان پر کسی رعایا کا ظاہری دخل وقبضہ نہیں۔

سوال:— جو شخص مسجدوں میں اللہ کے ذکر وعبادت سے لوگوں کو روکے، قرآن کہتا ہے وہ شخص بڑا ظالم ہے۔ پھر سنی بریلوی اپنی مسجدوں میں وہابی، دیوبندی، قادیانی، شیعہ اور دیگر فرقے والوں کو آنے سے کیوں روکتے ہیں؟ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں اپنی عبادت کر لینے کی اجازت دی۔ کسی کو مسجد سے روکنا اور نماز نہ پڑھنے دینا ذکر اللہ سے روکنا ہوا۔ یہ تو بہت بڑا ظلم ہے۔ (صلح کلی فرقہ)

جواب:— اس لیے روکتے ہیں کہ ان گمراہ فرقوں کا ہماری مسجدوں میں آنے سے خصوصاً اپنی جماعتیں کرانے سے مسلمانوں میں فتنہ وفساد پھیلتا ہے اور اہل مسجد کو ایذا وتکلیف ہوتی ہے۔ یہاں عبادت سے نہیں روکا جاتا ہے بلکہ فساد سے روکا جاتا ہے۔ بدبودار منہ اور لباس والے کو مسجد سے روکا جاتا ہے تاکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ ایسے ہی گندے عقیدے اور بدمذہبوں کو روکنا بھی جائز ہے کہ نمازیوں کو ایذا نہ ہو۔ یہ محض غلط ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ

وسلم نے عیسائیوں کو مسجد نبوی شریف میں اپنی مذہبی عبادت کی اجازت دی بلکہ ہوا یہ تھا کہ مسلمان نماز پڑھنے لگے تو انہوں نے دوسری طرف اپنی مذہبی عبادت شروع کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ان کی عبادت بند کرنے کا حکم نہ دیا بلکہ انہیں اپنی عبادت پوری کر لینے دی۔ جیسے ایک بدو آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا تو صحابہ سے حضور نے فرمایا کہ اسے نہ روکو۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو مسجد دھلوا دی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجدوں میں پیشاب کرنا جائز ہے۔ ایسے ہی یہ ہے۔ کیا تم مسجدوں میں ہندوؤں کو اجازت دو گے کہ وہ وہاں مورتیاں رکھیں اور بھجن کیرتن کریں۔

سوال:— اللہ کے لیے کوئی سمت مقید اور مقرر نہیں۔ اللہ ہر طرف ہے تو مسلمان نماز میں کعبہ کی طرف منہ کیوں کرتے ہیں؟ چاہیے کہ ہر طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیا کریں۔

(آریہ)

جواب:— تاکہ مسلم قوم میں اجتماعی شان و شوکت پیدا ہو۔ اسی لیے نماز، روزہ اور حج کے لیے وقت مقرر کر دیئے ہیں اور مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا سخت تاکیدی حکم بھی دیا گیا ہے اور سمت مقرر ہونے سے دل میں سکون رہتا ہے۔ اسی لیے نمازی کی نظر ایک ہی جگہ رہنی چاہیے۔ ہر طرف دیکھنے اور فافیں مارنے سے دل بھٹکتا رہتا ہے۔ نیز اس میں رب کی شانِ قہاری نظر آتی ہے کہ اس نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ایک رخ پر جمع فرما دیا اور چونکہ خود کعبہ کو سجدہ کرنا مقصود نہیں، لہٰذا بعض صورتوں میں جب کہ قبلہ معلوم نہ ہو، جدھر دل مطمئن ہو اس طرف نماز جائز کر دی گئی ہے۔

سوال:— جب دعا کے لیے کوئی سمت مقرر نہیں تو مسلمان آسمان کی طرف ہاتھ کیوں اٹھاتے ہیں؟ کیا وہاں خدا رہتا ہے؟ (غیر مسلم حضرات)

جواب:— آسمان کی طرف دعا میں چند وجہ سے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ یہ تمام نبیوں کی سنت (طریقہ) ہے۔ ان کی اطاعت سے دعا زیادہ قبول ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ آسمان تمام نعمتوں کا خزانہ ہے۔ ہم کو بڑی بڑی نعمتیں آسمان ہی سے ملتی ہیں۔ بارش،

دھوپ، موسموں کا تبادلہ اور بیماری آسمانی اثرات سے ہوتی ہے تو گویا اس طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ مولیٰ تو ہمیں یہاں سے نعمتیں دے، آفت بیماری اور بلائیں نہ دے۔ جیسے شاہی نوکر خزانے پر جمع ہوتے ہیں اور وہاں سے ہاتھ پھیلا کر تنخواہیں لیتے ہیں اسی طرح ہم بھی ادھر ہی سے مانگتے ہیں۔ کعبہ قبلہ نماز ہے اور آسمان قبلہ دعا ہے۔ بیت المعمور قبلہ ملائکہ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس قبلہ قلب اور کعبہ روح ہے جس کے صدقہ و طفیل یہ سارے قبلے پیدا ہوئے۔ اسی لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عین نماز پڑھانے کی حالت میں جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے اور اس وقت سے حضور امام۔ کیونکہ قبلے کو پیٹھ کر کے نماز نہیں ہوتی اور اسی لیے مسجد نبوی شریف میں صف کی بائیں جانب دائیں طرف سے افضل ہے کیونکہ ادھر روضہ اقدس ہے۔ اسی لیے اللہ نے دل بائیں طرف رکھا کہ علم الٰہی میں یہ بات پہلے سے تھی کہ میرے محبوب کا روضہ مسجد نبوی کے بائیں طرف ہوگا۔ اس لیے دل کو جسم انسانی میں بائیں طرف رکھا تا کہ سر جھکے اللہ کی بارگاہ میں اور دل جھکے مصطفیٰ کی بارگاہ میں۔ نیز دل سے جسم کی بقا ہے اور دل بائیں پہلو میں ہے۔ ایسے ہی حضور سے نماز کی بقا ہے اسی لیے وہ مسجد نبوی کے بائیں طرف آرام فرما ہیں۔ امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت شاہ امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اے جوشِ دل گر ان کو یہ سجدہ روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ہوتے کہاں خلیل اور کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

علماء محققین فرماتے ہیں کہ وہ نماز قبول ہے جس میں سر کعبے کی طرف اور دل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔

سوال:۔۔۔۔حج کی کیا ضرورت ہے اور دنیا بھر کو وہاں جمع کرنے سے کیا فائدہ کہ لوگ اپنے کام کا نقصان کر کے اور پیسہ برباد کر کے وہاں کا چکر لگائیں؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔اس کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ قدرت نے انسان میں دو قوتیں رکھی ہیں۔ایک عقل اور دوسرا عشق، جو اس کے لیے دو پاؤں کی طرح ہیں۔نہ تو فقط عقل کافی ہے نہ صرف عشق سے کامیابی۔اسی لیے عبادات دو قسم کے ہیں۔بعض میں اطاعت غالب ہے اور بعض میں عشق غالب ہے۔نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ میں اطاعت کا غلبہ ہے اور حج وغیرہ میں عشق کا غلبہ ہے۔چنانچہ حج میں دعائے استغفار کا تعلق عقل سے ہے مگر احرام باندھ کر عاشقانہ حالت پیدا کرنا، کعبے کے آس پاس گھومنا، عرفات وغیرہ میں لبیک پکارنا وغیرہ وغیرہ۔یہ سب حضرتِ عشق کی جلوہ گری ہے۔دوسرے یہ کہ دنیا بھر کے مسلمان کبھی ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کے حالات سے خبردار ہوں اور ان میں اجتماعی شان پیدا ہو۔اس کے لیے دنیا کے سنٹر میں خانہ کعبہ اور مکہ معظّمہ کو منتخب کیا گیا کہ وہاں پر ہر سال اسلامی کانفرنس ہوا کرے۔آج دوسری قومیں اپنی کانفرنس کرنے میں بہت دشواریاں برداشت کرتی ہیں۔مسلمانوں کی یہ کانفرنس بہت آسانی سے ہو جاتی ہے۔حج کی حکمت ایک یہ بھی ہے کہ وہاں پر مسلمان جمع ہوں اور دنیا میں مسلمانوں پر کیا ظلم وستم ہوتا ہے عالم اسلام کے حالات سے باخبر ہوں مگر آج ایسا نہیں ہے وہاں پر کوئی کانفرنس کر کے دنیا کے دیگر ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں پر جو مظالم ہوتے ہیں اس پر یا اس کی تدارک کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار نہیں کیا جاتا ہے۔اب تو مصری، سعودی، کویتی حکمراں وہی کرتے ہیں جو ان کا آقا امریکہ کہتا ہے۔تیسری وجہ حج کی یہ ہے کہ انسانی روح شیشے کی طرح صاف ہے جس میں ایک دوسرے کا عکس پڑتا ہے۔جب بہت سی روحیں ایک جگہ جمع ہوں گی تو اس سے قوی نورانیت پیدا ہوگی۔یہی جمعہ اور نماز میں جماعتوں کی حکمت ہے۔

سوال:۔۔۔۔اس اجتماع اور کانفرنس کے لیے عرب کا خشک ریگستان ہی کیوں منتخب کیا گیا؟ کوئی اور جگہ ہونی چاہیے تھی جو زرخیز اور ہرا بھرا ہو۔(آریہ)

جواب:— چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ یہ جگہ جغرافیائی اعتبار سے تقریباً دنیا کے بیچ میں واقع ہے۔ تو گویا یہ حکومت الٰہیہ کا دارالخلافہ (راجدھانی) ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ عبادت میں اپنی اصل کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے۔ نماز میں زمین پر سر رکھا جاتا ہے کیونکہ زمین ہی ہماری اصل ہے۔ ایسے ہی کعبہ معظمہ زمین کی اصل (ماں) ہے۔ ضروری تھا کہ مسلمان اپنی اصل پر پہنچ کر حج کے ارکان ادا کریں۔ اسی لیے نماز میں ادھر منہ کر لیتے ہیں اور حج میں وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ تیسرے وجہ یہ کہ عرب کے اس مقام پر جو بھی آئے گا خالص عبادت ہی کی نیت سے آئے گا، سیر و تفریح کا بالکل دخل نہ ہوگا کیونکہ وہاں سبزہ زار ہے ہی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو لوگ سیر و تفریح کی نیت سے بھی جاتے۔ مگر اس خشک ریگستان میں سوائے عبادت دوسرا مقصد ہو سکتا ہی نہیں۔

سوال:— حج میں بت پرستی سے مشابہت ہے کہ بزرگوں کے تبرکات کی تعظیم کرنا، پتھریلی عمارت کے آس پاس گھومنا (طواف کعبہ کرنا)، کہیں پتھر پھینکنا، کہیں دوڑنا، ان تمام باتوں سے فائدہ کیا ہے؟ (آریہ)

جواب:— اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کاموں سے گذشتہ مقبول بندوں کی یاد تازہ ہوتی ہے جس سے ان کی اتباع کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی بے بسی یاد آتی ہے۔ شیطان کو کنکری مارنے میں حضرت خلیل کی شیطان سے نفرت اور قربانی کا جذبہ یاد آتا ہے۔ قربانی کرنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا راہِ مولیٰ میں اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنا یاد آتا ہے جس سے ہر شخص میں شوقِ عبادت و اطاعت کی آگ بھڑکتی ہے کہ ہم بھی انہیں کی طرح اطاعت الٰہی کریں۔

سوال:— کعبہ سے پہلے اللہ نے کوئی پاک مکان بنایا تھا یا نہیں؟ اگر بنایا تھا تو کعبہ کی کیا ضرورت تھی اور اگر نہیں تو اگلے لوگ اس پاکی سے محروم رہے؟ (ستیارتھ پرکاش آریہ)

جواب:— کعبہ انسانوں کی پیدائش کے وقت سے نہیں بلکہ زمین کے بننے کے وقت سے پاک اور مقدس جگہ ہے کہ ہمیشہ انسانوں نے وہاں سے برکت حاصل کی۔ حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے تو اس پر عمارت بنائی تا کہ اس کی پہچان رہے۔ لہٰذا یہ سوال ہی حماقت ہے۔ اور اگر کعبہ بعد میں بھی بنتا تو بھی اس میں کوئی خرابی نہ تھی۔ ہوسکتا تھا کہ اگلوں کے لیے پاک جگہ دوسری ہو اور پچھلوں کے لیے یہ کعبہ۔

دنیا کے بت کدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم پاسباں ہیں اس کے وہ پاسباں ہمارا

سوال:— کسی خاص جگہ کو عزت دینے میں خدا بعضوں کا طرف دار ٹھہرتا ہے کہ وہاں کے رہنے والے بے تکلف فائدہ اٹھائیں۔ مگر دور کے رہنے والے لوگ بہت دشواری سے۔ اللہ کو تو سب بندوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔ (آریہ)

جواب:— پنڈت جی تمہارا خدا بھی غیر جانبدار نہیں۔ اس نے بھی متھرا، اجودھیا، بندرابن، دوارکہ، سومناتھ وغیرہ تیرتھ کے مقام بنا کر اپنی طرفداری کا ثبوت دے دیا کہ گنگا باسی تو بے تکلف روز وہاں اشنان کیا کریں مگر دور والوں کو دشواری ہو۔ پنڈت جی دنیا کا نظام ایسے ہی قائم ہے۔ کوئی امیر، کوئی فقیر، کہیں جنگل بیابان، کہیں کھیتی باڑی، کہیں آبادی۔

سوال:— حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کے کہنے پر اپنی دوسری بیوی ہاجرہ اور بچے پر یہ ظلم کیوں کیا کہ ان کو ہلاکت والی جگہ ریگستان میں چھوڑ دیا اور ان سے اتنے عرصے تک تعلق نہ رکھا اور حقوقِ زوجیت نہ ادا کئے۔ یہ تو ظالمانہ اور ناجائز معاہدہ ہے۔ ایسے ظالمانہ معاہدے کی پابندی نہیں کرنا چاہیے۔

جواب:— گناہ وہ ہوتا ہے جو خدا کے مرضی کے خلاف ہو۔ یہ تمام کام جب رب کی مرضی اور اس کے حکم سے ہو رہے تھے تو گناہ کیسے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو خدا کی مرضی اور حکم پا کر بے قصور فرزند کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ معاملات تو اس سے کہیں ہلکے ہیں۔ جناب! اس میں حضرت ہاجرہ کا سخت امتحان اور مکہ کی آبادی کا انتظام اور خانۂ کعبہ کی تعمیر کا اہتمام اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم دھام تھی۔ پھول کے لیے درخت لگاتے وقت مالی اور باغ والے کو زمین اور بیج کو تکلیف ہی ہوتی ہے۔ یہ چمن خلیلی کے

آخری بیچ کے کاشت کا وقت تھا۔ ان سب کو تکلیف ہونی ہی چاہئے۔

سوال:—— مسلمان سب سے آخر میں آئے پھر انہیں بیچ کی امت کیوں کہا گیا؟

جواب:—— یہاں بیچ سے مراد درمیانی عقائد و اعمال یا عادل یا بہتر مراد ہیں نہ کہ زمانے کے لحاظ سے۔

سوال:—— اللہ کو تو معلوم تھا کہ اس امت میں بڑے بڑے گنہگار و بدکار بھی ہوں گے، دیکھو! آج مسلمان ایسے ایسے جرم کر رہے ہیں جو پچھلی امتیں نہ کر سکیں۔ پھر اس امت کو تمام امتوں سے افضل و بہترین امت کیوں کہا گیا؟ (آریہ)

جواب:—— اس لیے کہ اس امت میں قیامت تک اولیاے حقانی و علماے ربانی ہوتے رہیں گے اور اس امت جیسے اولیا کسی امت میں نہ ہوئے۔ اگلی امتوں میں غوث و خواجہ اجمیری، مخدوم سمنانی، وارث پاک، محبوب الٰہی، صابر کلیری، مجدد الف ثانی، محدث، محقق، مجدد امام احمد رضا، مفتی اعظم جیسے فقیہ اور اولیا کہاں ہوئے۔ اشرفِ افراد کی وجہ سے قوم اشرف ہو جاتی ہے۔ اگرچہ قوم میں برے افراد بھی کیوں نہ ہوں۔ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ کرامت اور بزرگی کا تاج پہنایا ہے۔ حالانکہ بعض انسان وہ جرم کرتے ہیں جو ابلیس سے بھی نہ ہو سکا۔ سارا مکہ کعبہ شریف کی وجہ سے افضل ہو گیا۔ خیال رہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل میں حضرت مریم، اصحاب کہف، آصف بن برخیا جیسے اولیا اللہ پیدا ہوئے مگر ان سے وہ فیض جاری نہ ہوئے جو سرکار غریب نواز اور سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہما سے جاری ہوئے۔ ان کی ولایتیں وقتی تھیں کیونکہ ولایت دیوار نبوت کا سایہ ہوتی ہیں۔ دیوار گر گئی، سایہ بھی گیا۔ اولیا اللہ آفتاب نبوت کے ذرے ہوتے ہیں۔ جب سورج غروب ہو گیا تو ذروں کی چمک بھی جاتی رہی۔ چونکہ ہمارا مدینے والا سورج کبھی غروب ہونے والا نہیں لہٰذا دین محمدی کے اولیا کی چمک کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

سوال:—— قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا جس سے معلوم ہوا کہ جو بھی خدا کو یاد کرے خدا اسے یاد کرتا ہے۔ تو اگر چور چوری کرتے وقت یا

شرابی شراب پیتے وقت بسم اللہ پڑھ لے یا بت پرست بت پرستی کرتے وقت اللہ کا نام لے لے کیا خدا اسے بھی یاد کرتا ہے؟ (آریہ)

جواب:—ہاں! ضرور یاد کرتا ہے مگر لعنت اور عذاب کے ساتھ۔ جیسے پولس مجرم کو یاد کرتی ہے اور وہ اپنے فرمانبردار وفادار بندوں کو بھی یاد کرتا ہے مگر محبت اور شفقت کے ساتھ۔ علما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روزانہ تین سو ساٹھ بار اپنے بندوں کی طرف دیکھتا ہے لیکن مومن بندے کی طرف شفقت اور محبت سے دیکھتا ہے۔ یہی سوال عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہوا اور آپ نے جواب یہی دیا۔ لہٰذا خدا کی ناشکری کرنے والا یا اس کی شکایت کرنے والا بھی خدا کا نام تو لیتا ہے مگر یہ ذکر اور نام لینا اس پر لعنت کا باعث ہے۔

سوال:—خدا کی راہ میں مرنے مارنے کی کیا ضرورت ہے؟ ان باتوں (جہاد) سے مسلمانوں کو اشتعال دلا کر لڑانا اور دوسروں کا مال لوٹنا مقصود ہے۔ (ستیارتھ پرکاش)

جواب:—جہاد کی ضرورت تو پہلے بھی بتائی گئی ہے۔ یہاں بس اتنا ہی سمجھ لو کہ کوئی پاپی تو بات سے مانتا ہے، کوئی لات سے۔ بات سے ماننے والوں کے لیے قرآن و احادیث میں وعظ و نصیحتیں موجود ہیں اور شرکش باغیوں کے لیے جہاد ہے۔ بغیر جہاد دنیا میں امن وامان قائم نہیں رہ سکتا اور کوئی قوم اس کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر گورنمنٹ اور حکومت کے پاس فوج و توپ خانہ نہ ہو تو دوسری حکومتیں اسے فنا کر ڈالیں۔ اور اگر جیل و سزائیں نہ ہوں تو شریفوں کو بدمعاش زندہ نہ رہنے دیں۔ اگر سڑے ہوئے اعضا کو نہ کاٹا جائے تو سارا جسم سڑ جائے۔ اگر کھیت کی گھاس نہ اکھیڑی جائے تو فصل دب کر تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ پنڈت جی! آپ بھی تو مندر کی آراضی میں دھان گیہوں بوتے ہو اور جب اس میں کیڑے لگ جاتے ہیں تو فصلوں کو کیڑوں سے بچانے کے لیے کیڑے مارنے کا پاؤڈر چھڑک کر کروڑوں جانوروں کا جان لے لیتے ہو۔ اپنی آرام کے لیے بچھو، کھٹمل، جوں وغیرہ کو مار ڈالتے ہو۔ جب شخصی زندگی کے لیے اتنی جانیں قربان کی جا سکتی ہیں تو قومی زندگی کے لیے بھی موذی لوگوں کو مارا اور دبایا جا سکتا ہے۔ جب جانی دشمنوں کو مارنا درست ہے تو دینی اور انسانیت کے دشمنوں کو بھی مارنا

درست ہے۔ مگر یہ راز وہ جانے جس کے سر میں دماغ ہو اور دماغ میں عقل۔ پنڈت جی! اسلام کی تلوار ایسے لوگوں کی گردنیں کاٹنے کے لیے تو ضرور تیز ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے کوشش کرتے ہیں یا اللہ کی زمین پر فتنہ فساد پھیلاتے ہیں، لیکن جو لوگ ظالم نہیں ہیں، جو دین حق اور مسلمانوں کو مٹانے اور دبانے کی کوشش نہیں کرتے، جو خلق خدا کے امن و امان کو غارت نہیں کرتے وہ خواہ کسی قوم و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اور ان کے مذہبی عقائد خواہ کتنے ہی باطل کیوں نہ ہوں، اسلام ان کے جان و مال سے کچھ تعارض نہیں کرتا۔ ان کے لیے اس کی تلوار کند ہے اور اس کی نظروں میں ان کا خون حرام ہے۔ مگر جو ظالم ہیں، مفسد ہیں، امن و امان اور انسانیت کے دشمن ہیں وہ لائق گردن زدنی ہیں۔ جہاد کا مقصد یہی ہے کہ دنیا سے فتنہ، فساد، ظلم، خونریزی اور ان ظالم حکومتوں کا خاتمہ ہو جو اپنے سیاسی مفاد کے لیے ظلم کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ آج دنیائے کفر اسلامی جہاد کی غلط تصویریں پیش کر رہا ہے اور مسلمانوں کو لڑنے والوں کے خانوں میں فٹ کر کے انہیں جنگجو، بدامن اور دہشت گرد کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسلامی نظریہ جہاد کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ جہاد ظلم کرنے کا نام نہیں۔ جہاد دہشت گردی کا نام نہیں۔ خوف و ہراس پھیلانے کا نام نہیں۔ بلکہ امن و امان قائم کرنے کا نام ہے۔

سوال:۔۔۔ابوطالب پر لعنت وملامت جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:۔۔۔ابوطالب پر لعنت وملامت ہرگز جائز نہیں۔ اس لیے کہ ان کے کفر پر مرنے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ میں ان کی ایمان پر موت کی ہدایت نقل کی ہے۔ نیز تفسیر روح البیان میں حضرت اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ ان کا بعد موت زندہ ہونا اور ایمان لانا ثابت کیا اور اگر بفرض محال ان کی موت کفر پر ہوئی بھی ہو تب بھی چونکہ انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کی۔ جب سب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا ہو گئے تو ایسے وقت میں آپ نے حضور کو سنبھالا اور ان کا ساتھ دیا۔ اسی لیے حضور کو بھی ان سے بڑی محبت تھی۔ لہٰذا

ان کو برا کہنا حضور کی ایذا کا باعث ہوگا۔ ان کا ذکر خیر سے ہی کرو یا خاموش رہو۔

سوال:—— تم بھی مشرکوں کی طرح نبیوں، ولیوں اور پیروں سے محبت کرتے ہو اور انہیں حاجت روا مانتے ہو، لہٰذا تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ (وہابی)

جواب:—— ہم ان حضرات سے اللہ کی طرح محبت نہیں کرتے۔ اللہ سے خالق ہونے کی محبت کرتے ہیں اور ان سے وسیلہ خالق ہونے کی محبت۔ اور ہم انہیں ایسے ہی حاجت روا جانتے ہیں جیسے کہ دیوبندی وہابی مالداروں کو اپنا حاجت روا، ان کے پیسے کو اپنا مشکل کشا اور حکیموں کو دافع بلا سمجھتے ہیں۔

سوال:—— خدائے تعالیٰ کیا صرف کفار و مشرکین ہی کو سخت عذاب دینے والا ہے یا ہر مذہب کے بے عمل اور بدکاروں کو۔ اور صرف مسلمانوں پر ہی رحم کرنے والا ہے یا ہر مذہب کے نیک کاروں پر۔ پہلی صورت میں تو خدا مسلمانوں کا طرفدار ٹھہرتا ہے اور دوسری صورت میں اسلام قبول کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ ہر دین ہر مذہب میں رہ کر نیک اعمال کے ذریعہ جنت حاصل کی جاسکتی ہے۔ (آریہ)

جواب:—— اسلام لائے بغیر کوئی بھی نیک کام قابل قبول نہیں۔ نیکی قبول ہونے کی شرط ایمان ہے۔ بغیر جڑ قائم ہوئے پھل نہیں لگ سکتے۔ پنڈت جی یہ سوال ہی تم سے ہے کہ صرف آریہ کی نجات ہوگی یا ہر نیک کی۔ اگر ہر نیک کی نجات ہوگی تو آریہ بننا بے کار ہے۔ تم لوگوں کو شدھی کیوں کرتے ہو اور اگر صرف آریہ ہی کی نجات ہے تو تمہارا پرماتما طرف دار ہے۔

سوال:—— حدیث شریف میں ہے کہ حرام میں شفا نہیں۔ پھر حالت مجبوری میں حرام دوائیں یا چیزیں کیوں استعمال کی گئیں؟ (آریہ)

جواب:—— حکیم حاذق کے فرمانے پر حرام چیز حرام ہی نہیں بلکہ حلال بن جاتی ہے۔ حلال میں شفا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینہ والوں کو علاج کے لیے اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔ جب حلال دوا ممکن ہو تو حرام میں شفا نہیں کیونکہ اب وہ حرام ہے۔

سوال:—— قرآن میں ہے کہ مسائل کو جھڑکو نہیں جس سے معلوم ہوا کہ بھکاریوں کو

خیرات دینی چاہئے۔ مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بھیک مانگنا حرام ہے۔ لہٰذا قرآن و احادیث میں تعارض ہے۔

جواب:— اس سوال کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں سائلین سے مراد طلبا ہیں یعنی اپنے استادوں سے علم دین حاصل کرنے والے کہ ان پر صدقات و خیرات خرچ کرنا فرض ہے تاکہ علما پیدا ہوں اور علما کے بقا سے اسلام باقی رہے کہ علم دین مکمل سیکھنا اور عالم بننا فرض کفایہ ہے جیسے حکیم ڈاکٹر ہونا ہر شہر میں لازمی ہے ایسے ہی ہر شہر میں ایک عالم کا ہونا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ سائل سے مراد بھکاری ہیں مگر بھکاری دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک پیشہ ور بھکاری اور دوسرا ضرورت مند یا کسی خاص آفت میں اتفاقاً مانگنے والے۔ حدیث شریف میں پیشہ ور بھکاریوں کو دینے کی ممانعت فرمائی ہے اور قرآن شریف نے ضرورت مند، حادثے کا شکار، بلائے ناگہانی میں مبتلا ہونے والا مصیبت کا مارا بھکاری کو دینے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا قرآن و احادیث میں کوئی تعارض و ٹکراؤ نہیں۔ اگر مسلمان سوچ سمجھ کر بھیک دیتے تو آج مسلمانوں میں بھانڈ، قوال، گویے، بھکاری، .... نہ ہوتے جو مسلم قوم کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں۔ یہ گروہ مسلمانوں کے سوا کسی قوم میں نہیں اور اگر ہیں بھی تو مسلمانوں سے کم۔

سوال:— دعا میں اللہ کو اپنی حاجتیں سنانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا وہ ہماری حاجتیں نہیں جانتا؟

جواب:— یہ عرض و معروض اسے بتانے کے لیے نہیں ہے بلکہ اپنی نیاز مندی کے اظہار کے لیے ہے تاکہ اس کا دریائے کرم جوش میں آئے۔

سوال:— بھلا یہ بھی کوئی روزہ ہے کہ دن بھر کچھ نہ کھاؤ اور رات کو مجامعت بھی کر لیا کرو اور جتنی دفعہ چاہو رات میں کھا پی لیا کرو۔ یہ قانون تو قانونِ صحت کے خلاف ہے؟

(آریہ)

جواب:— دن میں نہ کھانے اور رات میں کھانے پینے کی اجازت میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ یہاں بس اتنا ہی سمجھ لو کہ اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے سب کے لیے قانون

بنائے ہیں۔لہٰذا ایسی آسانیاں بھی رکھی ہیں جس سے ہر ایک عمل کر سکے۔ ماہ رمضان عبادتوں کا مہینہ ہے۔ اگر نفس فارغ نہ ہو تو کوئی عبادت اطمینان سے نہیں ہو سکتی۔ کبھی غلبہ شہوت سے نہ تو نماز میں دل لگتا ہے نہ ہی تلاوت میں، خیالات پراگندہ رہتے ہیں۔ جماع سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور اطمینانی عبادتیں ادا ہوتی ہیں۔ اسی لیے اس کی اجازت دی گئی۔ اب ہر شخص روزہ اطمینانی سے ہر طرح سے فارغ ہو کر رکھ سکتا ہے۔ اسلام آریہ دھرم کی طرح بے اصولی مذہب نہیں کہ مردوں کو برہمچاری بنا کر عورتوں سے الگ رکھیں اور عورتوں کو سادھوی بنا کر دنیا میں بدکاری پھیلائیں جیسا کہ مشاہدہ ہوا۔ اسلام نے انسان کی فطرت اور حالت کا صحیح اندازہ لگا کر مناسب احکام دیئے۔ یہ حکم اصولِ صحت کے خلاف نہیں بلکہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ ہم نے بڑے بڑے برہمچاریوں کو دیکھا ہے کہ وہ نفس کے ہاتھوں مغلوب ہو کر مذہب اور انسانیت کی ساری حدوں کو پھلانگ گئے۔ بڑی بڑی مندروں، گرجا گھروں، کلیساؤں اور مٹھوں میں اس قدر تعفن پیدا ہوا کہ اس میں سانس لینا دوبھر ہو گیا۔

سوال: — روزہ دن میں ہے رات میں نہیں، تو جس جگہ کئی کئی مہینے کا دن ہوتا ہے وہاں روزہ کی کیا صورت ہے؟

جواب: — اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی جگہ آبادی ہی نہیں کیونکہ وہاں سردی سخت ہے اور دوسری وجہ یہ کہ اگر وہاں آبادی بھی ہو تو وہاں کے باشندے ماہِ رمضان پائیں گے ہی نہیں۔ لہٰذا ان پر روزہ فرض ہی نہیں۔ جس شخص کے ہاتھ پاؤں ہی نہ ہوں اس پر وضو کے فرض فقط دو ہیں، منہ دھونا اور سر کا مسح کرنا کیونکہ اس کے پاس باقی فرضوں کا محل ہی نہیں۔

سوال: — مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کفار و مشرکین کے رہنے کی اجازت کیوں نہیں؟ یہ تو ایک قسم کا ظلم ہے۔ (ستیارتھ پرکاش)

جواب: — جیسے کہ شاہی محل میں صرف نوکر چاکر اور خدام رہتے ہیں کسی اور کو رہنے کی اجازت نہیں، باقی زمین میں جو چاہے رہے۔ ایسے ہی وہ زمین اور جگہ اللہ تعالیٰ کی خاص زمین ہے وہاں خاص بندے مسلمان ہی رہ سکتے ہیں۔ گرجا اور مندر کے حدود میں غیروں کو نہیں رکھا

جاتا کیونکہ عیسائیوں اور ہندوؤں کی عقیدوں میں وہ خاص جگہ ہے۔ ایسے ہی یہ شہر اور یہ ملک خاص اسی کا ہے۔ اب تو دنیا کی حکومتوں نے بھی افریقہ وغیرہ ممالک کے لیے یہ قانون بنا دیئے ہیں کہ وہاں دوسرے ملک کے باشندے وطن بنا کر نہیں رہ سکتے۔ ایسے ہی یہاں بھی کیا گیا۔ نیز زمین عرب صرف عبادت کے لیے ہے کیونکہ وہاں خانہ کعبہ اللہ کا گھر ہے۔ چاہیے کہ وہ جگہ سیاسی اڈہ اور جنگی اکھاڑہ نہ بنے اور یہ جبھی ہو سکتا ہے جب وہاں صرف مسلمان آباد ہوں۔ مختلف قوموں کی وجہ سے فتنہ فساد ہونا یقینی ہے اسی لیے قدرت نے وہ زمین دنیاوی رنگینیوں اور دلفریبیوں سے پاک وصاف رکھی تاکہ وہاں دنیاداروں کو جانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

سوال:—— مذہبی آزادی چاہئے۔ جہاد حقیقت میں غیر مذہب والوں پر ظلم ہے۔ برٹش گورنمنٹ نے مذہبی آزادی، آپسی محبت، بندوں پر مہربانی اچھی چیز ہے۔ انجیل نے اس کا اچھا سبق دیا۔ ہندو مذہب تو بڑا دیالو مذہب ہے جس میں آدمی تو کیا کسی جانور کا بھی قتل جائز نہیں۔ (آریہ)

جواب:—— اخلاق اور چیز ہے اور ملکی سیاست دوسری چیز ہے۔ اپنی ذاتی معاملات میں محبت، مہربانی، حسن سلوک بہتر ہے جس کی قرآن واحادیث میں جگہ جگہ تعلیم دی گئی ہے مگر عدل وانصاف کے قانون شرکشوں اور گمراہوں کو سزا، بدمعاشوں اور نالائقوں پر سختی ملکی قانون ہے۔ اگر ہر جگہ معافی اور مہربانی ہی استعمال کی جائے تو دنیا سے امن وامان اٹھ جائے گا۔ پچھلے پیغمبروں نے بھی کفار ومشرکین سے جنگیں کیں۔ عیسائی بادشاہوں نے انسانی آزادی کو مٹا کر سب کو اپنا غلام بنانے کے لیے بڑی بڑی خونریز لڑائیاں کیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔ اسپین میں مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم ہوئے، انہیں وحشیانہ سزائیں دی گئیں۔ آٹھ سو سالہ اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ہندوؤں میں بھی برہمنوں اور بدھوں میں سالہا سال قتل عام ہوئے۔ ہندوؤں کی مہابھارت کوروؤں و پانڈوؤں کی لڑائیاں اب تک مشہور ہیں اور دھرم گرنتھوں میں موجود ہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے یہ معافی کے قانون فقط زبانی ہیں۔ ان پر عمل ناممکن۔

مگر اسلام چونکہ عملی مذہب ہے اس میں اخلاق کی بھی تعلیم ہے اور سیاست کی بھی۔ مسلمانوں کی لڑائیاں (جہاد) ان جنگوں کے مقابلے میں سراپا رحمت تھیں۔ اسلام نے تلوار ضرور اٹھائی ہے مگر کسی پر ظلم کرنے کے لیے نہیں بلکہ ظالم کا سر کاٹ کر مظلوم کی مدد کرنے کے لیے بے نیام ہوئی ہے۔ حضور کی جنگی زندگی میں کل سات یا اٹھ آدمی مارے گئے۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، پجاری، مذہبی پیشوا ہمیشہ قتل سے محفوظ رہے مگر اب وحشیانہ بمباری میں پہلے عورتوں، بچوں پر ہی ہاتھ صاف ہوتا ہے اور ہزاروں آدمی ایک منٹ میں مرجاتے ہیں۔ آج جب جنگ شروع ہوتی ہے تو عبادت خانوں، اسپتالوں اور درس گاہوں کے احترام کو بھی پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ عراق، افغانستان اور فلسطین میں غازہ پٹی پر امریکہ اور اسرائیل کی زبردست بمباری اور یہاں ہندوستان میں مسلم کش فسادات اس کے شاہد ہیں۔ پنڈت جی کو اپنی آنکھوں کا شہتیر نظر نہیں آتا، مسلمانوں کی آنکھ میں تنکا ڈھونڈھا جاتا ہے۔

سوال:— حج بت پرستی سے مشابہ ہے جیسے ہندو گنگا پر، عیسائی صلیب پر میلے لگاتے ہیں ایسے ہی مسلمان کعبہ پر۔ نیز جیسے کہ ہندو گنگا اشنان کرتے ہیں، سر منڈواتے ہیں، پتھروں کو چومتے ہیں مسلمان بھی سنگ اسود اور رکن یمانی غلاف کعبہ کو چومتے ہیں۔ حج میں سر منڈواتے ہیں۔ آب زم زم سے نہاتے ہیں۔ بغر سلا کپڑا پہنتے ہیں۔ یہ سب ہندوؤں سے مشابہ ہے اور بت پرستی ہے۔ (ستیارتھ پرکاش آریہ)

جواب:— کہیں جمع ہونا یہ بت پرستی نہیں۔ شادی، بیاہ، عام جلسے جلوس اور بازاروں میں کاروبار کے لیے ہزاروں میلے ہوتے ہیں۔ حج بھی عبادت الٰہی کا میلہ ہے۔ نیز چومنے اور پوجنے میں فرق ہے۔ ماں باپ کے ہاتھ بھی چومے جاتے ہیں، استادوں، پیروں کے پاؤں بھی، اولاد کی پیشانی بھی، بیوی کا رخسار بھی، بزرگوں کی یادگاریں بھی، ان سب بوسوں کا حال یکساں نہیں۔ سنگ اسود کا بوسہ صرف اس لیے ہے کہ بزرگوں نے اسے چھوایا چوما ہے اور اس کو اللہ کے مقبول بندوں سے نسبت حاصل ہے۔ اگر مسلمان پتھروں کے پجاری ہوتے تو کعبہ شریف کو تین سو ساٹھ بتوں سے پاک وصاف نہ کرتے۔ مقاماتِ حج میں نہ تو کہیں بت ہے نہ

کہیں دیوی دیوتا کی مورتی، نہ کسی کا استھان، نہ کسی پانی کا اشنان۔ خانہ کعبہ میں نہ کوئی نبی پیدا ہوا اور نہ کوئی دفن ہے، یہ تو مسلمانوں کی قومی و مذہبی اجتماع کا ذریعہ ہے۔ چونکہ یہ جگہ زمین کا مرکز (ناف، درمیانہ حصہ) ہے۔ اس جگہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی جگہ نبیوں کے والد ماجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا خاندان آباد ہوا۔ لہٰذا اس بڑی عبادت (حج) کے لیے یہ مقام مقرر رہا۔ افسوس عیسائیوں کو اپنی صلیب پرستی اور ہندوؤں کو اپنی روح و مادہ پرستی نہیں سوجھتی۔ مسلمانوں کے خالص توحیدی افعال پر بیہودہ اعتراض کرتے ہیں۔

سوال:—— یہودی، عیسائی جو اہل کتاب ہیں ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:—— اہل کتاب مسلمانوں سے قریب ہیں۔ توحید، رسالت، وحی، آسمانی کتاب کے ماننے میں تقریباً متفق ہیں اور عورت مرد کے ماتحت ہے۔ بہت ممکن ہے کہ مسلمان خاوند کی صحبت سے وہ اسلام قبول کر لے۔ اس لیے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہونے کا اکثر علما نے صحیح قرار دیا ہے اور کسی مسلمان عورت کو کفار و مشرکین سے نکاح حرام ہے۔ البتہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو درست ہے۔ خیال رہے کہ جس کو اپنے ایمان کا خطرہ ہو وہ عیسائی یا یہودی عورت سے بھی نکاح نہ کرے۔ یہودی اور عیسائی عورت سے نکاح اگرچہ جائز ہے مگر بہتر نہیں ہے۔ خطرناک ہے۔ کیونکہ مرد کی سب سے بڑی کمزوری عورت ہے۔ اس زمانے میں چونکہ اہل کتاب بھی مشرک ہو گئے اس لیے ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔ البتہ قبول اسلام کی صورت میں جائز ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عیسائی عورت سے نکاح کیا تھا جب خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے لکھا کہ فوراً اسے طلاق دے دو۔ آپ نے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا حرام تو نہیں مگر سخت خطرناک ہے۔ اس سے ایمان خطرے میں پڑ جائے گا اور واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول صحیح ہے۔ عیسائی یہودی عورتوں نے مسلمانوں کو قومی اور سخت دینی نقصان پہنچایا۔ مسلمان بیویاں بن کر وہ مسلمانوں کے اہم رازوں کو اپنی قوم تک پہنچاتی رہیں جس سے پوری

قوم کو سخت نقصانات اٹھانا پڑا۔ ۱۹۶۵ء میں جب مصر، اسرائیل کے خلاف خفیہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا تو مصر کے ایک مسلمان کرنل کی بیوی جو یہودن تھی، راتوں رات مصر سے اسرائیل آئی اور اس نے تمام یہودیوں کو بتا دیا کہ صبح ہوتے ہی تمہارے اوپر عرب بمباری کریں گے اور ان کے جنگی طیارے فلاں فلاں جگہ سے اڑان بھریں گے۔ بس اتنا سننا تھا کہ اسرائیل نے صبح ہونے سے پہلے ہی مصر کے ان فوجی ٹھکانوں اور اڈوں پر بمباری شروع کر دی اور اس طرح ان کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ بعد میں اس یہودن عورت نے اپنے مسلمان خاوند کو فون کیا کہ میں پہلے یہودن ہوں بعد میں تمہاری بیوی۔ میں اپنے خاوند سے غداری کر سکتی ہوں مگر اپنی قوم سے نہیں۔ فاعتبرو یا اولی الابصار. اس واقعہ میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ اس طرح عورتوں کو کھیت سے مشابہت دینا اور یہ حکم دینا کہ جس طرح چاہو اپنی کھیتی کو جوتو، بووٴ۔ یہ تو انسان کو شہوت (سیکس) کو بھڑکانا ہے۔ (ستیارتھ پرکاش)

جواب:— جیسے ماں باپ نا سمجھ بچوں کو ہر کام سکھاتے ہیں اور بھلائی برائی سمجھاتے ہیں ایسے ہی قرآن نے ہر دینی اور دنیوی کام سکھایا ہے تا کہ مسلمان دوسری قوم کے محتاج نہ رہیں۔ اگر یہ مسائل نہ بتائے جاتے تو یہ کہاں سے سیکھتے۔ مگر قرآن ایسی تہذیب سے بیان فرماتا ہے کہ قربان جایئے۔ قرآن کے انداز بیان اور تہذیب پہ عربی زبان خود ایسی مہذب زبان ہے کہ اس میں تلوار کے چالیس نام، خرمے کے اسّی نام، اونٹ کے بیس نام۔ مگر اندام نہانی اور صحبت کرنے کا صریحی نام کوئی نہیں۔ کنایہ اور اشارات ہی سے کام چلایا گیا ہے۔ جس سے اس کی تہذیب و شائستگی کا پتہ چلتا ہے۔ جب کہ ہندی زبان میں اندام نہانی کے بیسیوں فحش اور مغلظ نام ہیں جو بازاری گالیوں میں سنے جاتے ہیں۔ مگر قرآن کریم نے تو تہذیب کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ نہ دنیا میں قرآن جیسی کوئی مہذب کتاب ہے اور نہ ہی عربی زبان جیسی کوئی مہذب زبان۔ ہم پنڈت دیانند سرسوتی کی تہذیب دکھانے کے لیے ان کی کتاب ستیارتھ

پرکاش کی کچھ عبارتیں نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن کریم کی تہذیب پر اعتراض کرنے والے آریہ اسے پڑھیں اور خوب غور سے پڑھیں۔ نیز شرم سے سر جھکالیں۔ ستیارتھ پرکاش گربھان چوتھا باب سنکار صفحہ ۱۲۲ میں صحبت (عورت کے ساتھ ہم بستری) کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"جب ویریہ (منی) کا رحم میں گرنے کا وقت ہو اس وقت مرد عورت دونوں بے حس و حرکت رہیں اور آنکھ کے سامنے آنکھ اور ناک کے سامنے ناک یعنی سیدھا جسم اور نہایت ہی دل خوش رہیں اور بے حوصلہ نہ ہوں۔ مرد اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دے، عورت کو اوپر کھینچے۔ اندام نہانی سیکٹر ویریہ (منی) آکرشن کرکے رحم میں قائم کرے"۔

جواب:— یہ ہے آریوں کی تہذیب اور مذہبی کتاب کا حال۔ مہذب آدمی ان گندی عبارتوں کو پڑھنا تو کیا، دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرے گا۔ اسی تہذیب پر قرآن پاک پر اعتراض کرنے کا شوق ہے۔ شرم شرم، جہاں پنڈت جی نیوگ یعنی بارہ مردوں سے زنا کرانے کا طریقہ لکھتے ہیں جو کہ آریہ دھرم میں بڑے ثواب کا کام ہے۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں جیسے چاہو یا جس طرح چاہو یا جب چاہو ان سے ملو، صحبت کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ عورت کے ساتھ دبر (پیچھے کا مقام) میں بھی مجامعت جائز ہے۔ (ستیارتھ پرکاش)

جواب:— بیوی کے ساتھ صرف فرج (آگے کا مقام) میں صحبت جائز ہے، دبر میں حرام ہے۔ چند دلائل سے یہ بات ذہن میں رکھئے۔ ایک یہ کہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ اپنی کھیتوں میں آؤ اور فرج ہی کھیتی ہے نہ کہ دبر۔ دوسرے یہ کہ یہ مسئلہ مسئلہ حیض کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ چونکہ حیض پلیدی ہے لہٰذا اس میں عورتوں سے بچو اور ظاہر ہے کہ دبر حیض سے بڑھ کر پلید ہے۔ لہٰذا وہاں مجامعت کیوں کر حلال ہوگی۔ دونوں جگہ جب علت ایک ہی ہے تو حکم بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ جس طرح چاہو جیسے چاہو سے مراد یہاں طریقہ مجامعت ہے نا کہ مقام مجامعت۔ یعنی جیسے چاہو مجامعت کرو، خواہ لٹا کے، چت کرکے،

پٹ کر کے، جھکا کے، یا الٹا کے۔ کسی بھی طرح کرو لیکن مقام فرج ہی میں جماع کرو۔ حدیث پاک میں ہے کہ مَنْ اَتٰی اِمراۃِ دُبْرِ فَھُوَ مَلْعُونٌ. جو مقام دبر میں جماع کرتا ہے وہ شیطان ملعون ہے۔ قوم لوط پر اسی وجہ سے عذاب الٰہی آیا۔ یہ فعل خواہ لڑکے کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ، یکساں باعث عذاب ہے۔ کوئی امام اس کا قائل نہیں۔

سوال:— مرد کو عورت پہ فضیلت کیوں دیا گیا، دونوں کو برابر کیوں نہ رکھا گیا؟ جب عورت نسلی اور زندگی کے کاموں میں مرد کے برابر کی شریک ہے تو اس کا درجہ بھی اس کے برابر ہونا چاہئے۔ (آریہ)

جواب:— اس لیے کہ حاکم اعلیٰ ایک ہی ہونا چاہئے۔ آسمان پر سورج ایک، ایک درخت کی جڑ ایک، ملک کا بادشاہ ایک، فوج کا کمانڈر جنرل ایک تو چاہیے کہ گھر کا حاکم اعلیٰ بھی ایک ہی رہے۔ ایک خاوند چار بیویاں کر سکتا ہے مگر ایک عورت چار خاوند نہیں کر سکتی۔ ایک بادشاہ کے چار وزیر ہو سکتے ہیں مگر ایک وزیر کے چار بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ ہاتھ میں انگلیاں چار ہیں مگر انگوٹھا ایک ہی ہے۔ مرد کو فضیلت دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کمتر ہے یا مرد سے مختلف ہے، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ عورت صنف نازک ہے مرد کے مقابلے میں جسمانی طور پر کمزور ہے۔ جیسے کوئی ڈاکٹر یہ کہے، دیکھو جی! تم اپنے آنکھوں کے ساتھ وہ سلوک نہیں کر سکتے جو اپنے ناخون کے ساتھ کرتے ہو۔ تو ڈاکٹر کے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آنکھ ناخون سے کمتر ہے، بلکہ اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ ناخون کے مقابلے میں کمزور اور نازک شئی ہے۔ اس کے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا جو تم اپنے ناخون کے ساتھ کرتے ہو ورنہ بینائی سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس لیے اس کی حفاظت کرو۔

سوال:— طلاق کا اختیار صرف مرد ہی کو کیوں دیا گیا؟ عورت کو بھی یہ اختیار دینا چاہئے۔ یہ تو خلاف انصاف ہے۔ (ہندو عیسائی اور عام بے دین لوگ)

جواب:— اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ عورت کا غصہ اس کے عقل پر غالب ہے۔ وہ جوش میں آکر بہت جلد سب کچھ کر گذرتی ہے اور بعد میں پچھتاتی ہے۔ مرد کے غصے

پر قدرتی طور پر عقل غالب ہے۔ وہ جوش میں آ کر بھی ہوش میں رہتا ہے اور کچھ کہنے سے پہلے سوچتا ہے، غور و فکر کرتا ہے۔ عقل و تدبر عورت کے مقابل مرد میں ننانوے فیصد زیادہ ہے۔ اس لیے طلاق کا اختیار مرد کو دیا گیا نہ کہ عورت کو۔ یعنی عورت شوہر کو طلاق نہیں دے سکتی کیونکہ عورتیں بے عقلی سے بہت جلد غصے میں آ کر کچھ کا کچھ کر بیٹھتی ہیں۔ ان کو طلاق کا اختیار دینا گویا دیوانے کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ دوسرے یہ کہ مرد عورت کا حاکم ہے کیونکہ اس کے ذمہ عورت کے سارے اخراجات ہیں۔ اس لیے طلاق حاکم ہی کے قبضے میں چاہئے۔ ہاں! اگر کبھی مرد عورت پر ظلم کرے اور طلاق نہ دے تو حاکم اس سے جبراً طلاق دلوادے۔ پنڈت جی! پھر تم تو یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ صرف عورت ہی بچے کیوں دیتی ہے اور اس کو ہی حیض و نفاس کیوں آتا ہے۔ یا تو کسی کو یہ عوارضات نہ ہوتے یا مرد عورت دونوں کو ہوتے۔

سوال:۔۔۔ طلاق بری چیز ہے۔ اس سے گھر بگڑتے ہیں۔ اسلام نے اس کی اجازت ہی کیوں دی؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔ طلاق حلال اور جائز ہے مگر اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے۔ کبھی ضرورت کے وقت بری چیز سے بھی معاملہ طے کرنا پڑتا ہے۔ بعض صورتوں میں میاں بیوی کے حالات بہت ہی بگڑ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ مرد اور عورت دونوں کی زندگی جہنم بن جاتی ہے اور وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسلام دونوں کی زندگی کو بچانا چاہتا ہے اور وہ راستہ یہی ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے طلاق کے ذریعہ آزاد کر دیا جائے تاکہ دونوں کی زندگیاں سلامت رہیں اور وہ خودکشی نہ کریں۔ اس لیے ضرورتاً اس کی اجازت دی گئی۔ پنڈت جی! یہ اعتراض تو ایسا ہے کہ کوئی کہے پاخانہ بری اور گندی جگہ ہے پھر وہاں جانے کی اجازت ہی کیوں دی گئی۔ پنڈت جی! اگر وہاں نہ جاؤ گے تو سارا گھر گندہ کرو گے۔

سوال:۔۔۔ طلاق کی کتنی قسمیں ہیں؟ ذرا تفصیل سے بتا دیجئے۔

جواب:۔۔۔ طلاقیں تین طرح کی ہیں۔ (۱) رجعی، (۲) بائنہ، (۳) مغلظہ۔ ایک یا دو طلاقیں رجعی ہیں کہ عدت میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہے۔ خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔

دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ اور طلاق بائنہ میں رجوع جائز نہیں۔ دوبارہ نکاح لازم و ضروری ہے۔اس میں حلالہ کی شرط نہیں۔تین طلاقیں مغلظہ ہیں کہ اس میں حلالہ کی شرط ہے۔ یعنی تین طلاقیں دینے کے بعد اگر اپنی عورت کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لانا چاہتا ہے تو حلالہ کی ضرورت ہے۔حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت عدت گزار کر دوسرے مرد سے نکاح کرے، پھر وہ بھی صحبت کر کے طلاق دے۔خیال رہے کہ حلالہ میں صحبت یعنی کہ عورت کے ساتھ ہم بستری شرط ہے۔بغیر اس کے حلالہ نہیں ہوگا۔پھر عورت اس طلاق کی عدت گزار کر پہلے شوہر کے پاس آنے کے لیے دوبارہ نکاح پڑھائے۔

سوال:—— حلالہ، یہ تو بڑی بے غیرتی ہے۔پھر اسلام نے اس کی اجازت کیوں دی؟ (آریہ)

جواب:—— تاکہ عورت کو معمولی سمجھ کر کوئی اسے طلاق نہ دے۔وہ کوئی نوکرانی نہیں بلکہ گھر کی ملکہ ہے۔عورت مرد کے پیر کی جوتی نہیں کہ جب چاہا پہنا اور جب چاہا نکال دیا یا طلاق دے دی۔طلاق روکنے کے لیے یہ قدم اسلام نے اٹھایا تاکہ مرد کی خودداری اور غیرت کو ٹھیس پہنچے اور آئندہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے۔کوئی شریف، غیرت مند اور خوددار آدمی یہ گوارہ نہیں کرے گا کہ میری عورت دوسرے کے پاس جائے۔اسی لیے حلالہ میں دوسرے شوہر کی وطی کی شرط اور قید لگا دی گئی ہے تاکہ نہ دوسرا طلاق دینے پر راضی ہو اور نہ پہلا اسے اپنے پاس رکھنے پر۔پنڈت جی! اپنے نیوگ پر غور کرو کہ آپ کے رِگ وید میں ستیارتھ پرکاش باب چہارم میں ہے کہ شوہر خود اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے علاوہ دوسرے سے اولاد حاصل کر۔اس سے بڑھ کر بے غیرتی اور کیا ہوگی کہ اپنی بیوی کو دوسروں کے حوالے کیا جائے۔ اسلام میں طلاق کے بعد حلالہ ہے جب کہ وہ اس کی بیوی ہی نہیں رہتی۔

سوال:—— نکاح متعہ کیا ہے اور کیا یہ جائز ہے؟ (آریہ)

جواب:—— اس سوال کا جواب آگے آرہا ہے۔یہاں بس اتنا ہی سمجھ لو کہ وقتی نکاح، مدتی نکاح کو نکاحِ متعہ کہتے ہیں جو اسلام میں حرام ہے اور یہ زمانہ جاہلیت کی ایک زنا ہے جس

کی اجازت کسی پیغمبر نے نہیں دی۔ نکاحِ متعہ کا جواز اسلام میں قطعی نہیں کیونکہ یہ عورت کے عزت کے ساتھ کھیلنا ہے۔ اسلام نے ہر عورت کو بہت ہی اونچا مقام دیا ہے۔ اتنا اونچا مقام کسی اور مذہب نے نہیں دیا۔ بڑے بڑے ولیوں اور اولوالعزم پیغمبروں کو اس نے جنم دیا۔ بحیثیت ماں اس کے قدموں میں جنت ہے۔ بحیثیت بہن باپ کی جائیداد میں حصے دار بنایا۔ بحیثیت بیوی اسے آدھا ایمان کہا گیا جب کہ دوسرے مذاہب نے ہمیشہ عورت کی تذلیل و تحقیر کی۔

سوال:— حلالہ اور متعہ میں کیا فرق ہے؟ متعہ بھی تو چند روز کے لیے ہوتا ہے اور حلالہ بھی۔ پھر تم متعہ کو حرام کیوں کہتے ہو اور حلالہ کو جائز کیوں؟ (رام چندر آریہ)

جواب:— حلالہ اور متعہ میں بہت بڑا فرق ہے۔ متعہ وقتی نکاح ہے اس میں یہ کہا جاتا ہے کہ میں ایک مہینہ یا پندرہ دن کے لیے نکاح کرتا ہوں کہ اس مدت کے پورا ہونے کے بعد خود بخود علیحدگی ہو جاتی ہے۔ طلاق کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ نکاح محض باطل اور زنا ہے۔ حلالہ میں یہ نہیں ہے۔ یہاں نکاح دائمی ہوتا ہے پھر اگر شوہر راضی خوشی سے طلاق دے دے تو ہی علیحدگی ہوتی ہے۔

سوال:— طلاق بیوی کی رضامندی سے ہونا چاہیے جیسے نکاح میں بیوی کی رضا و اجازت شرط ہوتی ہے۔ طلاق نکاح کی طرح کیوں نہیں؟ (آریہ)

جواب:— طلاق اور نکاح میں بڑا فرق ہے۔ نکاح میں مرد عورت دونوں کے حق ایک دوسرے پر لازم ہوتے ہیں تو اپنے پر کسی کا حق لازم کر لینے کا ہر شخص کو اختیار ہے کہ لازم کرے یا نہ کرے۔ اس لیے وہاں مرد عورت دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ اسی لیے نکاح میں تو فریقین کی رضا لازم ہے۔ دیکھو سامان خریدتے وقت دوکاندار کے اجازت کی ضرورت نہیں اور طلاق میں ایک دوسرے کا حق لازم کرنے کے بجائے حق کا اٹھانا ہے۔ رفع حق میں فریقین کے رضا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرض لینے دینے میں فریقین کے رضا کی ضرورت ہے اور ضروری بھی ہے مگر قرض معاف کرنے میں فریق آخر کی رضا ضروری نہیں۔

سوال:—جس عورت کا خاوند مر جائے اس پر عدت ہے تو جس کی بیوی مر جائے اس مرد پر عدت کیوں نہیں؟ عدت صرف عورت پر ہی کیوں واجب ہے، مرد پر کیوں نہیں اور سوگ کی وجہ کیا ہے؟

جواب:—مرد کی موت عورت کے لیے مصیبت کا باعث ہے کہ اس کا والی اور عزت و آبرو کا محافظ سر سے اٹھ گیا۔ وہ عورت نکاح کی نعمت سے محروم ہوگئی۔ شوہر سے بے سایہ ہوگئی۔ اگر چہ مرد کو بھی عورت کی موت سے مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہیں مگر عورت اس کی والی یا محافظ نہ تھی اور نہ شوہر کا خرچہ عورت کے ذمہ تھا۔ نیز عورت میں حمل کا احتمال ہے، مرد میں نہیں۔ لہٰذا اسے کچھ دن نکاح سے روک دینے سے یہ معاملہ بھی صاف ہو جائے گا کہ حمل کس کا ہے۔ اور اگر عدت بغیر عورت دوسری شادی کرے تو اس کی اولاد مجہول النسب ہوگی۔ دوسرا شوہر کہہ سکتا ہے کہ یہ میرے نطفے سے نہیں بلکہ پہلے والے کے نطفے سے ہے۔ اس طرح یہ سب جھگڑے اور فتنے کا باعث ہوگا۔ اس لیے اسلام نے عورتوں کے لیے عدت کی مدت رکھی ہے تاکہ سماج اور معاشرہ فتنوں سے محفوظ رہے اور اولاد مجہول النسب نہ رہے۔ خیال رہے کہ عدت کی مدت تین حیض یعنی چار ماہ دس دن یا تیرا دن ہے۔ ان ایام میں حمل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر حمل ظاہر ہو جائے تو وضع حمل (بچہ پیدا ہونے کے) بعد وہ دوسری شادی کرے۔

سوال:—نکاح توڑنے کا حق تو عورت کو بھی ہے کہ اگر وہ اپنے سسر وغیرہ سے زنا کرا لے تو نکاح جاتا رہے۔ پھر نکاح کا مالک شوہر کہاں رہا؟ (آریہ)

جواب:—طلاق کا حق صرف اور صرف مرد ہی کو ہے نا کہ عورت کو۔ عورت کی بعض ناجائز حرکتوں پر نکاح ٹوٹتا نہیں بلکہ فسخ ہو جاتا ہے اور پھر بھی عورت نکاح فسخ نہیں کرتی، وہ تو ایک جرم کرتی ہے جس سے نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مالک شوہر ہی ہوا۔

سوال:—ایک عورت اگر چار مرد سے بیک وقت نکاح نہیں کرسکتی تو چاہیے کہ ایک مرد بھی بیک وقت چار عورتوں سے نکاح نہ کر سکے۔ مگر قرآن نے مردوں کو بیک وقت چار عورتیں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ یہ تو ایک طرح سے عورتوں کے ساتھ ظلم و ناانصافی ہے۔

(آریہ وعام بے دین لوگ)

جواب:— اسلام میں مسلمان مردوں کو بیک وقت چار عورتوں کو رکھنے کی اجازت ہے مگر یہ حکم نہیں ہے بلکہ چھوٹ ہے بشرطیکہ وہ چاروں کے ساتھ عدل وانصاف کر سکے ورنہ ایک ہی کافی ہے۔ چار بیویاں رکھنا جائز ہے۔ یہ شریعت کا حکم نہیں بلکہ رعایت دی گئی ہے کہ تم چار تک رکھ سکتے ہو۔ اس لیے کہ قدرتی طور پر عورتوں کی پیدائش زیادہ ہے اور مردوں کی کم۔ نیز عموماً جنگوں میں مرد زیادہ مارے جاتے ہیں، عورتیں کم کیونکہ لڑنے والی فوجیں مردوں ہی کی ہوتی ہیں نہ کہ عورتوں کی۔ اگر مردوں پر ایک بیوی کی پابندی ہو تو زیادہ عورتیں جو بیوہ ہو چکی ہیں، جن کے شوہر میدانِ جنگ میں مارے جا چکے ہیں، وہ کہاں جائیں گی؟ آریوں کے یہاں مرد ایک ہی عورت سے نکاح کر سکتا ہے مگر ساتھ میں نیوگ کے ذریعہ بہت سی عورتوں کو استعمال کر سکتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی عورت کو کئی کئی مرد رکھتے ہیں۔ کوروں، پانڈووں کی لڑائی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ عیسائیوں کے یہاں بھی چند نکاح ممنوع ہے مگر ان کے یہاں زنا پر کوئی پابندی نہیں جیسا کہ آج دیکھا جا رہا ہے۔ یورپ، امریکہ اور عیسائی سماج اس طرح کی انسانیت سوز حرکتیں کھلے عام کر رہے ہیں۔ وہاں عورت آوارہ گائے کی طرح جدھر منہ اٹھائے چلی جائے اور مرد بھی شتر بے مہار کی طرح کسی کے بھی چراگاہ میں منہ ڈال دے۔ اسلام نے بیک وقت چار عورتوں کی اجازت دے کر عورتوں کی زیادتی کو ٹھکانے لگا دیا اور بدکاری سے انسان کو روک دیا۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے؟ خدا نے پوری دنیا کو بنایا اسے قرض مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا خدا مفلس و کنگال ہے یا اس کے خزانے میں کمی ہو گئی تھی کہ قرض مانگنے کی نوبت پہنچی۔ (ستیارتھ پرکاش)

جواب:— یہاں قرض سے بندے کی نیکی مراد ہے جو ثواب کی نیت سے کی جائے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ و خیرات سب اس میں داخل ہیں۔ یا قرضِ حسنہ سے مراد وہ مال ہے جو رب کو راضی رکھنے کے لیے خرچ کیا جائے۔ اس قرض سے ادھار مراد نہیں کیونکہ ادھار تو

محتاج لیتے ہیں اور رب محتاجی سے پاک ہے۔ خدا اور رسول پر اس طرح کی اعتراض دیوانہ کی بڑ ہے۔ پنڈت جی! قرض کی بہت سی قسمیں ہیں۔ حکومتیں اپنے ملازمین کی تنخواہ کا کچھ حصہ بطور فنڈ جمع کرتی رہتی ہیں جو ریٹائر ہونے پر مع سود دیا جاتا ہے۔ بینکیں پبلک کا روپیہ لے کر مع سود واپس دیتی ہیں۔ بیمہ کمپنیاں روپیہ لے کر بوقت ضرورت مع نفع کے واپس دیتی ہیں۔ ان سب اسکیموں سے عوام کو نفع پہنچانا اور اپنی طرف راغب کرنا منظور ہوتا ہے۔ حکومت یا بینک ان کے پیسے کی محتاج نہیں۔ ایسے ہی اللہ ہم سے ہمارے ہی بھائی برادروں کو دلوا کر فرماتا ہے کہ یہ ہم پر قرض کی طرح واجب الادا ہے۔ کسی محتاج، مجبور، غریب، یتیم کی اگر تم نے مدد کی تو اس کا بدلہ ہم دیں گے۔ اس قرض کو محتاجی کی دلیل بنانا پنڈت جی جیسے بیوقوفوں کا کام ہے۔

سوال:—— اتنی نیکیوں کو بندہ کیا کرے گا جب ایک کا بدلہ بیس لاکھ ملا اور اس نے لاکھوں نیکیاں کیں تو اس کا اجر شمار سے باہر ہوا۔ کہاں رکھے گا؟ (جہلا)

جواب:—— یہ سوچو کہ اس کے پاس حساب کے بعد بچے گا کیا۔ جیسے کہ بے شمار نیکیاں ملتی ہیں، ایسے ہی بے شمار بندہ ظلم و گناہ بھی کر لیتا ہے اور قیامت میں تمام حقوق کے عوض مقروض کی سات سو نمازیں جماعت والی قرض خواہ کو دلوائی جائیں گی (شامی کتاب الصلوٰۃ)۔ اب حساب لگالو کہ غیبت، قتل، ظلم، مار پیٹ، حق تلفی کے عوض کتنی نیکیاں چھن جائیں گی۔ اگر یہ زیادتی نہ ہو تو ٹوٹل کیسے پورا ہو۔ غنیمت جانو کہ اصل نیکیاں ہی بچ جائیں۔ نیکیوں کی ہری بھری کھیتی پر ہزاروں آفتیں آتی رہتی ہیں، نہ معلوم کٹائی کے وقت کیا بچے۔

سوال:—— قوالی سننا جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے لوگ اسے سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کا معمول بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجمیر شریف میں ہوتی ہے۔

جواب:—— آج کل جو قوالی ہوتی ہے ان میں نئے نئے باجے، ہارمونیم، پیانو، سنگیت وغیرہ کے ساتھ ہوتی ہے اور جن میں جوان لڑکوں، لڑکیوں، عورتوں، مردوں کی خلط ملط ہوتی ہے جس سے برائیوں کا امکان ہے اور باجہ و سنگیت وغیرہ سے جذبہ شہوانی پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے یہ اسلام میں حرام ہے۔ لہٰذا مروجہ قوالی کو تمام علما نے حرام قرار دیا ہے۔ اس میں شریک

ہونے والے اس میں کسی طرح کا تعاون کرنے والے، اس کے کرنے کرانے والے سبھی گنہگار ہیں۔ البتہ اگر قوالی دف کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔ کلام معرفت دف کے ساتھ سن سکتا ہے جسے عرف عام میں سماع کہتے ہیں۔ کچھ بزرگوں کا یہی معمول رہا۔ مزامیر کے ساتھ قوالی کی نسبت سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کی طرف کرنا ان پر بہتانِ عظیم ہے۔ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب فوائد الفوائد میں لکھا ہے "مزامیر حرام است"۔ رہا کسی بزرگ کے آستانے پر خلافِ شرع کام ہونا، یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے۔ نیز حلال اور حرام کے سلسلے میں جگہ کا حوالہ نہیں بلکہ قرآن واحادیث کا حوالہ قابل قبول ہے۔

سوال:—— قبر پر اگر بتی جلانا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:—— قبر پر اگر بتی نہیں جلانا چاہئے۔ قبر سے تھوڑی دور رکھ سکتے ہیں۔ اگر بتی آگ کی ایک قسم ہے اور آگ کو قبر سے دور رکھنا چاہیے اور اگر بتی جلانے کا مقصود خوشبو ہے تو اس کے لیے عطر وغیرہ سب سے بہتر ہے۔ لہٰذا اگر بتی کے استعمال کے بجائے عطر وغیرہ استعمال کیا جائے تو یہ بہترین اور مناسب ہے۔

سوال:—— گلاب کا پھول کہاں سے پیدا ہوا؟

جواب:—— علما، فقہا، مفسرین ومحدثین نے یہی لکھا اور فرمایا کہ گلاب کا پھول ہمارے پیغمبر سرور کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے پیدا کیا گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام پھولوں میں گلاب کو سب سے زیادہ عزت بخشی اور اسے تمام پھولوں کا سردار کہا کہ یہ سردار انبیا کے جسم پاک کے عرق سے نسبت رکھتا ہے۔ ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ جب بھی گلاب کا پھول سونگھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ لیا کریں۔ خیال رہے کہ پسینہ جسم کا نچوڑ ہوتا ہے اور یہ میرے نبی کے پسینہ مبارک سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمانِ عالیشان ہے کہ جو شخص میرے جسم کی خوشبو کو سونگھنا چاہے وہ گلاب کا پھول سونگھے۔ اور اسی نسبت کی وجہ سے ہم سنی مسلمان اپنے مرحوموں کی

قبروں پر پھول ڈالتے ہیں کیونکہ جو چیز نبی سے منسوب ہوتی ہے وہ باعث برکت ہوتی ہے۔

سوال:— قرآن کے تیسرے پارے میں ہے کہ بعض رسولوں کو ہم نے بعض پر فضیلت دی جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام کے درجے مختلف ہیں مگر دوسری آیت میں ہے کہ سارے نبی یکساں ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے یونس علیہ السلام پر بھی فضیلت مت دو یا موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہ کہو۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟

جواب:— سورۂ بقرہ کے آخری رکوع کی آیت **لانفرق الخ** کے چند مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ ہم عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح انبیائے کرام پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں۔ بلکہ سب پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نفس نبوت میں فرق نہیں کرتے کہ دیوبندیوں، قادیانیوں کی طرح بعض کی نبوت اصلی اور بعض کی عارضی مانیں بلکہ ان میں سب کو یکساں مانتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم انبیا میں اس طرح کی تفریق نہیں کرتے کہ بعض کی توہین ہو جائے بلکہ سب کا احترام کرتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ ہم انبیائے کرام میں اپنی رائے سے فرق نہیں کرتے بلکہ رب کے دیئے ہوئے درجات کو مانتے ہیں۔ یہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ تم ہمیں یونس علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام پر اس طرح فضیلت نہ دو کہ ان کی توہین ہو جائے۔ اس لیے آیتیں اور احادیث مطابق ہیں کوئی تضاد نہیں۔ امام اہل سنت پیشوائے امت سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نعت خواں نے پڑھا کہ شانِ یوسف جو دبی وہ بھی یہیں آ کے دبی۔ فرمایا یوں نہ کہو بلکہ یوں کہو کہ شانِ یوسف جو بڑھی وہ بھی اسی در سے بڑھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلندیاں ملتی ہیں۔ تمام انبیا نبوت میں یکساں ہیں کوئی نبی عارضی نہیں۔

سوال:— بعض انبیائے کرام کے معجزات حضور کے معجزات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ مثلاً حضرتِ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا نہ کہ حضور کو۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ گل و گلزار ہوئی نہ کہ حضور پر۔ موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ والا عصا اور ید بیضا (جب آپ بغل میں ہاتھ

دبا کر نکالتے تھے تو وہ سورج سے بھی زیادہ چمکتا تھا اسی کو ید بیضا کہتے ہیں) ملا نہ کہ حضور کو۔ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا نرم ہوا نہ کہ حضور کے ہاتھ میں۔ سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں دنیا کی تمام مخلوق تھی نہ کہ حضور کے قبضے میں۔ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے، بیماروں کو شفا بخشی نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ لہٰذا یہ حضرات حضور سے افضل ہوئے۔ (عیسائی، یہودی)

جواب:—اس قسم کے اعتراضات کے دو جواب ہیں۔ ایک اجمالی، دوسرا تفصیلی۔ اجمالی تو یہ ہے کہ یہ خصوصی اور جزوی فضیلتیں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت کلی حاصل ہے۔ اگر بادشاہ کسی کمانڈر جنرل کو کوئی خاص تمغہ عنایت فرمائے تو اگرچہ یہ تمغہ وزیر اعظم کو نہ ملا مگر درجہ اسی کا بڑا ہے اور بادشاہ کا قرب اسی کو زیادہ حاصل ہے۔ تفصیلی جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام مسجود ملائک ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہ ہوئے کیونکہ قیامت میں حضور ہی کے جھنڈے کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیائے کرام بھی ہوں گے۔ نیز حضور اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام کی خمیر گوندھی جا رہی تھی۔ دیکھو معراج کی رات میں جبرئیل علیہ السلام نے براق مصطفیٰ کی رکاب تھامی۔ تمام فرشتوں کو حضور کی جھرمٹ میں لے کر دولہا بنا کر لے گئے۔ یہ سجدے سے کہیں بڑھ کر، بیت المقدس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی موجودگی میں سرکار کو امامت انبیا سپرد کی گئی تا کہ سب پر آپ کی فضیلت ظاہر ہو جائے کیونکہ افضل ہی کو امام بنانا حکم شرع ہے۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا باغ بننا اسی لیے ہوا کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی تھا۔ ان شاء اللہ کل قیامت کے دن حضور کے صدقے میں حضور کے غلاموں پر دوزخ کی آگ گلزار ہو جائے گی بلکہ پکارے گی۔ خدایا! اُن کو جلد یہاں سے نکال۔ حضور علیہ السلام کے قدموں میں پتھر موم بن گئے۔ خدا کی ساری مخلوق حضور کے قبضے میں اسی لیے تو درخت جھک گیا۔ پتھروں نے سلامی دی، جانوروں نے آ کر آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا، اشارہ پا کر چاند پھٹ گیا، ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا، بادل اشارہ پا کر برسا۔ معلوم ہوا کہ جنات وانسان تو کیا میرے حضور کے قبضے میں خدا کی ساری

خدائی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ بے جان کنکریوں میں جان آگئی اور انہوں نے آپ کے رسالت کی گواہی دی۔ والدین ماجدین کوان کی وفات کے بعد کلمہ پڑھا کر اپنا صحابی بنایا۔ حضرت جابر کے ذبح شدہ بچوں کوزندہ فرما کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اندھیری رات میں ایک لکڑی عطا فرمائی جس نے اندھیرے میں گیس کا کام دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی لکڑی اس میں مس کی تو اس میں بھی روشنی پیدا ہوگئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت والا ہاتھ اندھوں پر پھیرتے تھے تو روشنی آجاتی تھی۔ بے شک عیسیٰ علیہ السلام کا یہ عظیم معجزہ ہے مگر میرے حضور کے نعلین مقدس کے تلوے میں جو مٹی یا دھول لگ جاتی اس میں اتنی تاثیر ہوتی کہ اگر اندھی آنکھوں میں ڈال دیا جائے تو روشنی آجاتی تھی۔ بلاشک تمام انبیائے کرام کا معجزہ عظیم ہے مگر میرے حضور کا معجزہ عظیم تر ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو نور محمدی عالم انوار میں بلاواسطہ پیدا ہوا اور تمام مخلوق آپ کے نور سے پیدا ہوئی۔ کل الخلائق من نوری و انا من نور اللّٰہ. اللہ نے حضور کی محبوبیت تمام محبوبوں سے اعلیٰ عطا فرمائی۔ تمام حسینوں پر انسان عاشق وفریفتہ ہوئے مگر حضور پر جن وانس، جانور، ملائکہ اور خود خالق کائنات بھی فدا۔ لکڑیاں اور جانور بھی حضور کے فراق میں روئے۔ دنیا کے تمام محبوبوں کی محبوبیت کو فنا ہے مگر حضور کی محبوبیت ابد الاباد تک باقی ہے۔ آج حسن یوسفی کا عاشق کوئی نہیں ملتا مگر حسن محمدی کے عاشقوں کی انتہا نہیں۔ محبوبیت تمام درجات میں سے ایک عظیم الشان درجہ ہے۔ عاشقوں کے امام، امام اہل سنت، پیشوائے امت سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حسن یوسف پہ کٹی مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

سوال:— مسئلہ شفاعت عقل کے خلاف ہے کیونکہ جو لوگ شفاعت سے بخشے جائیں، رب انہیں بخشنا چاہتا تھا یا نہیں؟ اگر چاہتا تھا تو شفاعت بے کار ہوئی۔ وہ تو ویسے ہی بخشے جاتے اور اگر نہ چاہتا تھا تو رب کی مجبوری لازم آئی کہ رب بخشنا تو چاہتا نہ تھا، شفیع کی وجہ

سے اسے بخشا پڑا۔(وہابی)

جواب:۔۔۔اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔الزامی جواب یہ ہے کہ پھر تو دوائیں، دعائیں بلکہ عالم کے تمام اسباب بے کار ہوئے۔بیمار نے دوا کھائی، شفا پائی، بتاؤ رب نے اس کو شفا چاہی تھی یا نہیں۔اگر چاہی تھی تو دوا کی کیا ضرورت تھی، خود ہی آرام ہو جاتا اور اگر نہیں چاہی تھی تو خدا کے ارادے کے خلاف کیسے ہو گیا۔تحقیقی جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ انہیں شفاعت کے ذریعہ بخشا چاہتا تھا یعنی بخشش بھی اس کے حکم سے اور شفاعت بھی اس کے حکم سے ہے۔رب نے بیمار کی شفا بھی چاہی اور دوا بھی۔یہ معنی ہیں اسباب کے۔یہ دنیا بھی عالم اسباب ہی ہے۔یہاں مقدمات کے سلسلے میں حاکم اعلیٰ تک پہنچنے کے لیے وکیلوں کا وسیلہ لینا ہی ہوتا ہے۔

سوال:۔۔۔آیت الکرسی سے معلوم ہوا کہ خدا کی کرسی ہے تو لازم آیا کہ وہ ایک جگہ رہنے والا ہے اور جو ایک جگہ ہی رہنے والا ہو۔وہ محدود ہے اور جو محدود ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔(ستیارتھ پرکاش)

جواب:۔۔۔پنڈت جی!ایک من علم کے لیے دس من عقل کی ضرورت ہے۔قرآنی علوم کو سمجھنے کے لیے عقل چاہئے۔آیت الکرسی میں یہ کہاں ہے کہ خدا اس کرسی میں بیٹھتا ہے۔یہاں تو یہ ارشاد ہوا کہ اس کی کرسی زمین و آسمان کو گھیرے ہوئے ہے۔اس کے کرسی کے یہ معنی ہیں کہ اس کی پیدا کی ہوئی اس کی مملوک کرسی جیسے کہا جاتا ہے اللہ کا آسمان اور اس کی بچھائی ہوئی زمین، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان میں رہتا ہے اور کرسی سے مراد یہ میز کرسی نہیں ہے بلکہ اس سے رب کا علم مراد ہے یا اس کی قدرت و ملکیت۔یہ صرف سمجھانے کے لیے ایک مثال ہے۔

سوال:۔۔۔اللہ کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا حق دیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انبیا، اولیا، علما، چھوٹے بچے، قرآن، روزہ، حج وغیرہ بھی شفاعت کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو شفیع المذنبین کیوں کہتے ہیں؟انبیا، اولیا اور علما کو کیوں

نہیں؟ (بعض جہلا)

جواب:— اس لیے کہ ان تمام حضرات کی شفاعت شفاعت صغریٰ ہوگی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت شفاعت کبریٰ ہوگی۔ شفا کبری صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرمائیں گے۔ شفاعت کبری میں چند خصوصیات ہیں۔ ایک یہ کہ جب قیامت میں عدلِ الٰہی قائم ہوگا، حضور کے سوا کوئی شفاعت نہ کرے گا۔ حضور کے دست اقدس سے دروازۂ شفاعت کھل جانے کے بعد دوسرے حضرات شفاعت صغری کریں گے۔ دوسرے یہ کہ تمام شفاعت کرنے والوں کی شفاعت مخصوص طرح اور محدود دائرے میں ہوگی۔ چنانچہ قرآن اپنے تلاوت کرنے والوں کی، روزہ روزہ داروں کی، بچے اپنے ماں باپ کی، اولیا اور علما اپنے قرابت والے دوستوں کی، حتیٰ کہ دنیا میں جس کسی نے عالم دین کی تھوڑی بھی خدمت کی ہوگی تو وہ اسے تلاش کرے گا اور اس کی شفاعت کرے گا۔ مگر حضور کی شفاعت تمام مسلمانوں کے لیے ہوگی۔ اس لیے اسے شفاعت کبریٰ کہتے ہیں اور حضور کو شفیع المذنبین۔ صلی اللہ علی النبی الامی و آلہٖ صلی اللہ علیہ وسلم صلاتاً و سلاماً علیک یا رسول اللہ۔

سوال:— جب دین میں جبر نہیں تو مسلمانوں نے جہاد کیوں کیے؟

(آریہ، یہودی، عیسائی)

جواب:— اس سوال کا جواب دے دیا گیا ہے۔ یہاں بس اتنا ہی سمجھ لو کہ دنیا میں امن وشانتی قائم کرنے کے لئے، کفر کا زور مٹانے اور اسلامی آزادی کے لیے جہاد ہے تاکہ نیک لوگوں کو اللہ اللہ کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ جہاد کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ جبراً کافروں کو مسلمان کیا جائے۔ یہودیوں، عیسائیوں اور آریوں کی وحشت و بربریت کا نمونہ دیکھنا ہے تو ہیروشیما، ناگاساکی، ویتنام، عراق، افغانستان، فلسطین، بوسنیا اور ہندوستان میں مسلم کش فسادات کا جائزہ لو تو پتہ چلے گا کہ ترقی یافتہ دنیا نے حصولِ اقتدار کے لیے انسانیت کو بھوک پیاس، غربت وافلاس، تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں ہونے والی جانی نقصانات کی لسٹ پڑھیے اور اسلامی جہاد کو جبراً مسلمان بنانے کا پروپیگنڈہ کرنے والوں کا

اصلی چہرہ دیکھیے۔ اسلام کی تاریخ سے کوئی ایسا واقعہ نہیں پیش کیا جا سکتا جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلمانوں نے کسی قوم یا فرد کو جبراً داخل اسلام کیا ہو۔ اگر یہ بات ہوتی تو قرونِ اولیٰ میں مسلمان کا فر ومشرک کا وجود نہ ہوتا۔ مگر اسلام کے قانون ہی ایسے ہیں کہ کسی کو جبراً داخل اسلام نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن میں ہے: **لا اکراہ فی الدین.** دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ دین اسلام لوگوں کے دلوں تک پہنچنے کے لیے اپنا راستہ خود آپ بناتا ہے۔ اسلام کی اسی مقبولیت نے یورپ اور امریکہ کے حکمرانوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں اس لیے وہ اپنے شیطانی میڈیا کے ذریعہ کبھی اسلام اور بانی اسلام کے خلاف مضامین شائع کرتے ہیں تا کہ لوگ اسلام سے بدظن ہو جائیں اور اسے قبول نہ کریں۔

ساحل ہے میرا نام مٹاؤ گے کیا مجھے
طوفان مجھ سے سیکڑوں ٹکرا کے رہ گئے

سوال:۔۔۔ اگر احسان جتانا حرام ہے تو رب نے کیوں جتایا؟ اس کا نام ہی منان ہے یعنی بہت احسان جتانے والا۔ (ستیارتھ پرکاش)

جواب:۔۔۔ رب کے منان ہونے کا معنی یہ ہے بہت احسان کرنے والا نہ کہ احسان جتانے والا۔ عربی زبان میں ایک ہی لفظ کے مخلوق کے لیے کچھ اور معنی ہوتے ہیں اور خالق کے لیے کچھ اور۔ بندہ بھی شاکر ہے اور رب بھی شاکر۔ بندہ بھی مومن ہے اور رب بھی مومن۔ بندہ بھی تواب ہے اور رب بھی تواب، مگر یہاں مختلف معنی ہیں۔

سوال:۔۔۔ رب تعالیٰ نے احسان جتائے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ہم نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان میں اپنا رسول بھیجا۔ یہ تو ایک طرح احسان جتانا ہوا پھر ہمیں اس سے کیوں منع فرمایا؟ (بعض جہلا)

جواب:۔۔۔ رب کے احسان جتانے سے بندے کو شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور انسان کے احسان جتانے سے فقیر کو صدمہ پہنچتا ہے اور یہ بھی جان لو کہ رب کا احسان بلاغرض ہے اور بندے کا صدقہ خیرات ثواب کی غرض سے ہے۔ جب وہ ثواب چاہتا ہے تو احسان کیوں

جتلاتا ہے۔ نیز رب تعالیٰ حقیقی محسن ہے اور بندہ مجازی۔ اس لیے اس کا احسان جتانا حق ہے اور بندے کا باطل۔

سوال:۔۔۔ احسان جتانے سے صدقہ و خیرات کا ثواب کیوں جاتا رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ اتنا قیمتی مال و دولت صرف دو باتوں میں برباد۔ (بعض جہلا)

جواب:۔۔۔ اس لیے کہ صدقہ و خیرات سے فقیر کو راحت دینا اور رب تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود تھا۔ احسان جتانے سے یہ دونوں باتیں جاتی رہیں۔ یہ تو حقیر سا مال ہے۔ بات سے تو جان بھی جاتی رہتی ہے۔ کفر کی بات منہ سے بکے قتل کے مستحق ہو گئے۔ بادشاہ کو گالی دی، پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔ بات بڑی چیز ہے اس لیے منہ سے کوئی بات نکالنے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو کہ میں جو بول رہا ہوں کفر تو نہیں ہے۔ اس لیے ہمیشہ سوچ کر بولو۔ بول کر سوچنا دانشمندی کے خلاف ہے۔

سوال:۔۔۔ قرآن و احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقے کا ثواب صرف صدقہ دینے والے کو ملتا ہے نہ کہ دوسروں کو۔ لہٰذا ایصال ثواب درست نہ ہوا کہ خیرات تو ہم کریں اور ثواب دوسروں کو بخش دیں۔ (بعض جہلا)

جواب:۔۔۔ اصل میں ثواب کا مالک صدقہ دینے والا ہی ہے۔ اگر وہ چاہے تو کسی کو بخشے، چاہے نہ بخشے۔ نیز ثواب سے خود صدقہ دینے والا ثواب سے محروم نہیں ہو جاتا، اسے پورا ثواب مل جاتا ہے۔ دوسرا بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے۔ جیسے ہماری شمع سے اگر دوسرا آدمی بھی روشنی حاصل کر لے تو ہم روشنی سے محروم نہیں ہو جاتے۔ اگر تم کسی کو علم سکھاؤ تو اپنا پڑھا نہیں بھول جاتے۔ علمائے کرام تو فرماتے ہیں کہ ایصال ثواب کرنے والوں کو ان تمام کے برابر ثواب ملتا ہے جنہیں ثواب بخشا گیا۔ مثلاً اگر ایک قرآن پاک کا ثواب ساری امت رسول کو بخشا تو تمام امت کو ایک ایک قرآن کا ثواب ملا۔ کسی کو کٹ کر نہ ملا۔ مگر اس بخشنے والے کو تمام افراد امت کے برابر ثواب ملا۔ اللہ اکبر! جب رب دیتا ہے تو پھر لیتے کیوں نہیں؟

سوال:۔۔۔ قرآن کے چوتھے پارے میں ہے کہ تم خدا کی راہ میں وہ چیز دو جو تمہیں

پسند ہو۔ محبوب ہو تو چاہیے کہ حقہ پینے والا تمبا کو خیرات کرے، بھنگ چرس پینے والا چرس اور بھنگ سے صدقہ کرے اور شرابی کبابی اسی سے خیرات کریں کیونکہ یہ چیزیں انہیں پسند ہیں۔ (آریہ اور بعض جہلا)

جواب:۔۔۔ اس سوال کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ مذکورہ چیزیں مومن کے دل کو پسند نہیں بلکہ نفس کو پسند ہیں۔ دل ان کا بھی ان سے نفرت ہی کرتا ہے۔ بڑے سے بڑے نشہ آور کو جب نصیحت کی جاتی ہے تو وہ یہی کہتا ہے کہ میری عادت ہی پڑ گئی ہے اب چھوٹتی ہی نہیں، کیا کریں؟ بھائی تم بہت اچھے ہو جو چرس بھنگ وغیرہ سے بچے ہو۔ خدا سب کو بچائے۔

سوال:۔۔۔ موجودہ بینک اور ڈاک خانے کے سود کا کیا حکم ہے؟ (عام مسلمان)

جواب:۔۔۔ کفار سے نفع لینا سود نہیں بلکہ حلال ہے۔ لہٰذا آج کل سیونگ بینک، پنجاب بینک، بڑودہ بینک، اسٹیٹ بینک، بینک آف انڈیا وغیرہ کفار و مشرکین کے ہیں۔ ان سے نفع لینا حلال ہے۔ اگرچہ وہ لوگ اسے سود کہتے ہیں مگر یہ شرعاً سود نہیں۔ البتہ مسلمانوں کے بینک سے نفع لینا حرام ہوگا۔ مگر نوٹ اور کرنسی کے لین دین میں سب سے نفع لیا جا سکتا ہے۔ مزید معلومات کے لیے سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اور دیگر علمائے اہل سنت کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔

سوال:۔۔۔ لائف انشورنس یعنی بیمہ کرانا کیسا ہے؟ (عوام)

جواب:۔۔۔ بینک کے مسئلے سے زندگی یا مال کا بیمہ کرانے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اگر بیمہ کمپنی خالص کفار کی ہے تو بیمہ حلال ورنہ حرام کہ بیمہ میں بھی روپے پر نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔

سوال:۔۔۔ سود میں بہت سے فائدے ہیں، پھر اسے حرام کیوں کیا گیا؟ آج بغیر سود کوئی تجارت یا بینک نہیں چل سکتا۔ (پبلک، عوام)

جواب:۔۔۔ سود میں کچھ ظاہری فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی، مگر نقصان فائدوں سے زیادہ ہیں۔ سود میں ہزاروں کو غریب بنا کر ایک کو امیر بنایا جاتا ہے۔ قوموں کی تباہی سود ہی کی بدولت ہیں۔ سود میں انسان سے درندگی پیدا ہوتی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کا نقصان

نفع سے زیادہ ہو وہ حرام ہے۔ ہاں فی زمانہ بہت منافع حلال ہیں مگر مسلمان سود سمجھ کر ان سے بچتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی غلطی ہے نہ کہ مسئلے کی۔ کیا غضب ہے کہ مسلمان کفار کو سود دیتے ہیں مگر لینا حرام سمجھتے ہیں حالانکہ معاملہ برعکس تھا۔

سوال:—— سود کے علاوہ رشوت خوری، چوری، ڈکیتی وغیرہ اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں۔ اسلام میں ان پر اتنا زور کیوں نہیں دیا صرف سود پر اس قدر زور کیوں دیا؟

جواب:—— دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ رشوت، چوری وغیرہ بیماریاں ہیں اور سود وبائی بیماری جس میں بہت لوگ گرفتار ہیں۔ حکومتیں وبائی امراض روکنے پر بہت زور دیتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ رشوت، چوری وغیرہ کو لوگ خود بھی برا سمجھتے ہیں۔ حکومتیں سود کی سرپرستی کرتی ہیں۔ خود بھی سود لیتی دیتی ہیں۔ آج محکمہ انسدادِ رشوت ستانی (اینٹی کرپشن) بنے ہوئے ہیں۔ چوریاں روکنے کے لیے محکمہ پولس موجود ہے مگر سود روکنے کے لیے کوئی محکمہ نہیں۔ اسی لیے اس مسئلے پر قرآن نے بہت زور دیا ہے۔

خیال رہے کہ کبھی تو انسان برائی کی طرف جاتا ہے اور کبھی برائی اس کے پاس خود پہنچتی ہے۔ چوری کرنے چور نکلا یہ گناہ کے پاس گیا۔ رشوت کا پیسہ گھر بیٹھے آیا، یہ گناہ اس کے پاس آیا۔ رب تعالیٰ دونوں سے بچائے نہ بکری بھیڑیئے کے پاس جائے نہ بھیڑیا بکری کے پاس آئے۔ جنت تمام دشواریوں سے گھیر دی گئی ہے۔ دوزخ ظاہری ٹیپ ٹاپ سے آراستہ ہے۔ ہر دن گناہ اور برائیاں رنگ وروپ بدل کر نئے نئے نام سے ہمارے سامنے آرہی ہیں۔ ان برائیوں کا خوب صورت ماڈرن نام دے دیا ہے گویا شراب وہی ہے، پیمانہ بدل گیا ہے۔ گناہ اور برائیوں کو شیطان ہمیشہ خوب صورت مشکل میں ہی پیش کرتا ہے۔ ہمیں اس سے بچنا چاہئے۔

سوال:—— اسلام کہتا ہے کہ سود کا انجام بربادی ہے مگر تجربہ یہ ہے کہ سود خور خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ انگریز، ہندو، مہاجن، یہودی سبھی سود خور ہیں۔ مگر ان میں کوئی برباد نہیں ہوا بلکہ سب آباد ہیں۔ بڑے مزے میں ہیں۔ عیش وآرام میں ہیں۔ (بعض جاہل مسلمان)

جواب:—— اس سوال کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ سود خور کی مالی عبادات قیامت

میں برباد ہوگی جیسے کہ صدقہ کی زیادتی آخرت میں محسوس ہوگی۔ دوسرے یہ کہ تجربہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں کو سود پھلتا ہی نہیں۔ بے شک پاخانے کا کیڑا پاخانے کو کھا کر ہی جیتا ہے، بلبل اس سے زندگی نہیں گذار سکتی۔ سود پاخانہ ہے اور کفار و مشرکین نیز کھانے والے اس کے کیڑے۔ مسلمان بلبل ہیں، انہیں سود پھلتا ہی نہیں۔ ہماری غذا حلال پھول ہیں جیسے ہر جانور کی غذا جدا گانہ ہے اور وہ اپنی ہی غذا کھا کر جی سکتا ہے۔ بکری گوشت نہیں کھا سکتی، شیر گھاس نہیں کھا سکتا۔ اگر ایسا کریں گے تو جان گنوا دیں گے۔ ایسے ہی مومن و کافر کی غذائیں مختلف ہیں۔ مومنوں کی غذا حلال اسے حلال اور پاکیزہ غذائیں دو اس سے پھولے گا کافر حرام غذا سے پلے گا۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

اپنی ملت کو قیاس اقوام ملت پر نہ کر
ہے جدا تعمیر میں قوم رسول ہاشمی

یہاں سود سے بربادی کا انجام قومی ہلاکت مراد ہے نہ کہ شخصی۔ اگر سود کا عام رواج ہو جائے تو مالدار نہیں ہوں گے تو فقرا برباد ہوں گے اور فقرا و مساکین کی بربادی قوم کی بربادی ہے۔ نیز سود خور تجارتی خطرات اور مشقتیں برداشت نہیں کر سکتا۔ جب آرام سے مال ملے تو محنت کیوں کرے، کون کرے؟ لہٰذا سود کا رواج تجارتوں کی تباہی و بربادی اور بازاروں کے بے رونقی کا ذریعہ ہے جس سے عالم کی بربادی ہے۔ یہ ساری سود خور قومیں تجارتیں بھی کرتی ہیں۔ ان کا بقا تجارت سے ہے نا کہ محض سود سے۔

سوال:—— آج کل بغیر سود تجارت نہیں چل سکتی۔ اب سود کی ممانعت طاقت سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ مسلمان کی پستی کا سبب سود کی ممانعت اور زکوٰۃ کی فرضیت ہے۔ (نیچری)

جواب:—— یہ محض شیطانی خیال اور دھوکہ ہے۔ ہمیشہ سے مسلمانوں نے کروڑوں روپے کے بیوپار کئے اور سود بالکل نہ لیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی تجارتیں اور ان کے کاروبار کی وسعتیں و سخاوتیں پوری دنیا میں مشہور ہیں۔ یہ حضرات سود کے قریب بھی نہ گئے۔ اب بھی دنیا میں

بڑے بڑے مسلمان تاجر سودی لین دین سے بالکل دور ہیں اور بڑے مزے میں ہیں۔ آج کل مسلمانوں کی پستی زکوٰۃ کی فرضیت اور سود کی ممانعت سے نہیں ہے۔ یہ دونوں مسئلے تو ہمیشہ سے موجود تھے مگر مسلمانوں کی پستی ایک صدی سے ہوئی۔ اس کا اصل سبب نوجوانوں کی بیکاری، دنیاوی و دینی تعلیمات سے دوری، آرام طلبی، سستی، کاہلی، قرض کی عادت، شادی بیاہ میں فضول خرچی اور نوجوانوں کی آوارگی ہے نہ کہ احکامِ شرعیہ۔ اور بربادی کی اصل وجہ دین اسلام سے دوری اور خدا بیزاری ہے۔

سوال: — قرآنِ پاک کی خصوصی صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ یہ کتاب پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اس میں قرآن ہی کی کیا خصوصیت ہے، ہر آسمانی کتاب نے اپنے سے پہلے کتابوں کی تصدیق کی؟ (یہودی، عیسائی)

جواب: — پچھلی کتابوں اور کلاموں کی تائید کو تصدیق کہتے ہیں اور آنے والے کلام کی تعریف کو بشارت۔ ساری آسمانی کتابیں اپنے سے پہلوں کی تصدیق کرتی تھیں اور آئندہ کی بشارت دیتی تھیں۔ قرآن پاک کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مصدق (تصدیق کرنے والا) تو ہر کتاب کا ہے مگر مبشر (بشارت دینے والا) کسی کتاب کا نہیں کیونکہ اس کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی آسمانی کتاب۔ یہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و خصوصیت ہے۔

سوال: — جب قرآن نے تمام پچھلی کتابوں کو منسوخ (مسترد) کر دیا تو ان کی تصدیق کہاں کی۔ (یہودی، عیسائی)

جواب: — یہ نسخ ہی ان کی تصدیق ہے۔ ان کتابوں نے جو خبر دی تھی کہ ہم قرآن سے منسوخ ہوں گے، اگر قرآن آ کر انہیں منسوخ نہ کرتا تو ان کی یہ خبر جھوٹی ہو جاتی۔ نیز نسخ تصدیق کے خلاف نہیں۔ قرآن نے یہ فرما دیا کہ وہ ساری آسمانی کتابیں سچی ہیں مگر ان کے احکام اب جاری اور قابل عمل نہیں۔ جیسے بچے کی عمر ویسے اس کی غذا، جیسی دنیا کی عمر ویسے اس کے لیے احکام۔

سوال: — قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم مادر میں خود بچوں کی صورتیں بناتا ہے اور

حدیث شریف میں ہے کہ یہ کام فرشتے کے سپرد ہے۔تو قرآن واحادیث میں مطابقت کیوں کر ہو؟(آریہ)

جواب:—رب کے حکم سے فرشتہ رحم مادر میں صورتیں بناتا ہےاور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرشتے نے صورت بنائی۔رب تعالیٰ حاکم ہےاور خالق ہے۔تمام مخلوق اس کی غلام۔غلام کا فعل مالک کا فعل ہوتا ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے ملک جیت لیا۔حالانکہ لشکر نے جیتا ہے۔اس میں اس جانب اشارہ ہوگیا کہ جیسے اس فرشتے کو خدا نہیں کہہ سکتے جو رحم میں صورتیں بنا کران میں روح پھونکتا ہے۔ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مٹی کے پرندوں میں روح پھونکنے اور مردوں کو زندہ کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے سے خدا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ دراصل خدا کے فعل ہیں۔یہ حضرات اس کا مظہر ہیں۔حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونک کر سارے ہی مردوں کو زندہ کریں گے تو کیا وہ خدا ہیں؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا نہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت (خدا کا بیٹا ہونا) والوہیت (خدا ہونا) صرف قرآن سے ہی نہیں بلکہ انجیل سے بھی باطل ہے۔الوہیت وابنیت کا عقیدہ خود ساختہ ہے جو ان کے پوپ پادریوں نے گڑھ لیا ہے۔

سوال:—اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے سارے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔اگر اس کی بعض آیتیں سمجھ میں نہ آسکیں تو سارا قرآن آسان کہاں رہا؟ جیسے کہ آیت **مقطعات، الم، الر، کھیعص، عسق** وغیرہ وغیرہ۔یہ آیات قرآنیہ ہیں جن کے معنی مفسرین کرام نے بھی نہیں بتایا۔(چکرالوی)

جواب:—سارا قرآن ذکر کے لیے آسان ہے نہ کہ سمجھنے کے لئے۔یہاں ذکر سے مراد یا تو یاد کرنا ہے یا نصیحت پکڑنا ہےاور واقعی متشابہات کا یاد کرنا بھی آسان کہ بچے رٹ لیتے ہیں، پورا قرآن حفظ کر لیتے ہیں۔دوسری آسمانی کتابوں میں یہ وصف نہیں تھا۔ایک مرتبہ مفسر قرآن صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ سے رام چندر آریہ نے کہا کہ مولانا مجھے آپ کے قرآن کے چودہ پارے یاد ہیں، بتائیے آپ کو میرا وید کتنا یاد ہے۔فرمایا، پنڈت جی! یہ تو میرے قرآن کا

کمال اور معجزہ ہے کہ دوست تو دوست دشمنوں کے سینوں میں بھی پہنچ گیا اور یہ تمہارے وید کی کمزوری ہے کہ دوستوں کے سینے میں گھر نہ کر سکا۔ بتاؤ ہے تم میں سے کوئی جس کو چاروں وید منہ پہ لفظ بہ لفظ یاد ہو؟ ہے کوئی جو توریت، زبور اور انجیل کا حافظ ہو؟ مگر الحمد للہ قرآن کے حافظ آپ کو کروڑوں ملیں گے اور ان کتابوں کو دنیا میں آئے ہوئے ہزاروں سال ہو چکے ہیں لیکن ہندوستان کے سرحدوں سے آگے نہ نکل سکے مگر ہمارے قرآن کا یہ کمال اور معجزہ دیکھو کہ تھوڑے ہی عرصے میں پوری دنیا پہ چھا گیا۔ دنیائے کفر نے قرآن کی نشر و اشاعت پر ہزار ہا پابندیاں لگوائیں۔ اپنے ملک کے سرحدوں کو بھی سیل کر دیا تا کہ قرآن ہمارے ملک میں گھسنے نہ پائے۔ مگر ان کی یہ ساری ناپاک کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ قرآن ان کے ملک کے سرحدوں کو پار کر کے لوگوں کے دلوں میں اتر گیا۔ یہ قرآن کا زبردست معجزہ اور کمال نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ قرآن میرے نبی کے معجزوں میں سے ایک عظیم معجزہ ہے جسے دنیا قیامت تک سر کے آنکھوں سے دیکھتی رہے گی۔ جسے میرے حضور کا معجزہ دیکھنا ہو وہ قرآن دیکھ لے۔ آج تک دنیا قرآن کی مثال نہ لا سکی تو صاحب قرآن حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کہاں سے لائے گی۔

سوال:—— قرآن میں ہے کہ صرف کفار و مشرکین ہی جہنم کے ایندھن ہیں اور وہی جہنم میں جائیں گے۔ حالانکہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ گنہگار مسلمان بھی کچھ دن جہنم میں رہیں گے۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟

جواب:—— جہنم صرف کفار و مشرکین ہی کے لیے بنی ہے۔ مسلمانوں کا جانا ان کے گناہوں کے طفیل ہے یا جو کافروں جیسے اعمال کریں یا مسلمانوں کے مقابل ان سے محبت و الفت رکھیں ان کی جے جے کار منائیں، مسلمانوں کے ساتھ غداری کریں، مسلمانوں کے خلاف ان سے ساز باز کریں وہ مسلمان انہیں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ جیسے لکڑی کے ساتھ کیڑا بھی آگ میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ کیڑا آگ کا ایندھن نہیں۔ دوسرے یہ کہ آگ میں جلانا دو طرح ہے۔ لوہار کی بھٹی میں لوہا بھی جاتا ہے اور کوئلہ بھی رکھا جاتا ہے۔ یوں کفار و

مشرکین وہاں کے ایندھن ہیں اور مسلمان گناہوں کا میل اتارنے جائیں گے۔

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے کہ جنت میں جنتیوں کا دل بہلانے کے لیے عورتیں بھی ہیں تو یہ جنت ہوا یا رنڈی خانہ؟ (ستیارتھ پرکاش)

جواب:۔۔۔ نہ معلوم پنڈت جی کے دماغ میں مغز ہے یا کوڑا جو ہمیشہ بے ڈھنگی ہی باتیں کرتے ہیں۔ پنڈت جی! رنڈی خانہ وہ ہوتا ہے جہاں حرام کاری ہوتی ہے مگر جہاں شرفا اپنی بیویوں کے ساتھ زندگی بسر کریں وہ رنڈی خانہ نہیں کہلاتا۔ اگر تمہارے گھر میں تمہارے بیٹے، پوتے شادی شدہ آباد ہیں ہر ایک اپنے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے تو شاید اپنے گھر کو رنڈی خانہ ہی کہتے ہوں گے۔ قرآن میں ہے کہ جنتیوں کے لیے پاک و صاف ان کی بیویاں ہوں گی۔ وہ اپنے شوہروں کے سوا کسی پر نظر بھی نہیں اٹھائیں گی۔ ایسے پاک وستھرے گھر کو رنڈی خانہ کہنا پنڈت جی ہی کے لائق ہے۔ گندگی کا کیڑا گلاب کے پھولوں سے گھن کرتا ہے۔ پنڈت جی نیوگ کے عادی ہیں ان کے دھرم میں ایک عورت کا ایک وقت میں دروپدی بن کر پانچ گیارہ خاوندوں کے پاس رہنا عبادت ہے۔ وہ ایسی مقدس جگہ کو رنڈی خانہ نہ کہیں تو کیا کہیں۔

سوال:۔۔۔ یہ حوریں دنیا سے بلائی گئی ہیں یا جنت ہی میں پیدا ہو کر وہاں رہتی ہیں؟ اگر دنیا سے بلائی گئی ہیں تو مردوں کو کیوں نہیں بلایا اور اگر وہاں ہی پیدا ہوئیں تو قیامت تک ان کا کیسے گذارہ ہوگا۔ ان کے لیے کون سے مرد ہیں؟ (ستیارتھ پرکاش)

جواب:۔۔۔ حوریں جنت ہی میں پیدا کی گئیں اور جیسے انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہیں ایسے ہی وہ مرد کی حاجت سے پاک ہیں۔ وہ جنتیوں کے آرام کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ دنیا میں بھی عورت پر کئی حال آتے ہیں۔ بچپن میں اسے مرد کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی پھر جوانی میں بھی کبھی مرد کے لائق ہوتی ہے کبھی نہیں، پھر بڑھاپے میں مرد سے بالکل بے پرواہ۔ جب یہاں یہ کیفیت ہے تو وہ تو جنت ہے۔ وہاں کے حالات عقل سے ورا (دور) ہیں۔

سوال:۔۔۔ اگر خدا کو اسلام ہی دین پسند ہے تو کیا اسلام سے پہلے کوئی دین پسند نہ تھا؟

سب برے لوگ تھے کیا؟ (آریہ)

جواب: — اس سوال کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حکم اسلام آ جانے کے بعد کا ہے۔ یعنی اسلام کے ہوتے ہوئے کوئی دین خدا کو پیارا نہیں۔ پچھلے پیغمبروں کے دین اپنے اپنے وقت میں ہدایت تھے مگر قرآن آنے کے بعد اب صرف اسلام ہی ہدایت ہے۔ رات میں چراغوں کی ضرورت تھی۔ سورج نکلنے پر سب کو گل کر دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ یہاں اسلام سے ہر آسمانی دین مراد ہے۔ یعنی ہمیشہ رب تعالیٰ کو اسلام ہی پسند رہا۔ تمام پیغمبروں کے دین اپنے اپنے وقت میں اسلام ہی تھے مگر حضور کے تشریف لانے کے بعد آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا یہ اسلام ہے۔

سوال: — بھلا مسلمانوں کے خدا کی طرفداری تو دیکھو کہ جو دین اسلام میں نہ ہوں انہیں کافر کہہ دیا۔ غیر مذہب کے نیک لوگوں سے بھی تعلق نہ رکھنا اور برے مسلمانوں سے رفاقت کی تعلیم دینا خدا کے لائق نہیں۔ قرآن کا خدا اور مسلمان تعصب پرست ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش)

جواب: — پنڈت جی نے اس میں دو اعتراض کیے۔ ایک غیر مسلموں کو کافر کہنا۔ دوسرے کفار سے الگ رہنے کا حکم کہ یہ تعصب ہے۔ پنڈت جی! کیا کافر کوئی گالی ہے؟ کافر کے معنی ہیں چھپانے والا، انکار کرنے والا۔ پنڈت جی! کیا تم قرآن، توحید، رسالت اور اسلامی قوانین کے منکر نہیں ہو؟ اگر ہو تو اس لفظ سے چڑھتے کیوں ہو؟ اگر نہیں یہ لفظ برا لگتا ہے تو اسلام کو مان لو اور مسلمان ہو جاؤ، تمہیں کوئی کافر نہیں کہے گا۔ تم نے کافر کے لفظ کو اتنا برا مانا اپنی گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم نے اپنے غیر مذہبوں کو کیا کیا خطاب دیئے۔ مسلمانوں کو ملیچھ کہتے ہو، کسی کو اچھوت کہتے ہو اور اگر کسی اچھوت کی پرچھائیں پڑ جائے تو سات مرتبہ گنگا اشنان کرتے ہو۔ مسلمان جو ایمان لائے اسے کفر و شرک کی طرف دوبارہ لانے کے لیے شدھی کرتے ہو۔ دوسری قوموں کو کتوں سے زیادہ حقیر و ذلیل جانتے ہو۔ اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش دوسرا حصہ، گیارہواں باب پڑھو، پھر مسلمانوں پر تعصب کا الزام لگاؤ۔ مسلمانوں پر

تعصب کا الزام غلط ہے۔ جس قدر مسلمان قوم فراخ دل ہے کوئی قوم ایسی نہیں۔ مسلمان ملک، قوم، قبیلہ، ذات، برادری اور حسب نسب کی قیدوں سے آزاد ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم کا مسلمان اس کا بھائی ہے، نہ کسی انسان کو گندہ اور اچھوت سمجھتا ہے اور نہ ہی کسی کو حقیر و ذلیل اور نہ ہی بلاوجہ کسی سے لڑتا ہے مگر تمہارے تعصب کا حال یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی صورت سے بے زار ہو۔ رہا کفار و مشرکین سے الگ رہنے کا حکم تو یہ بالکل صحیح ہے۔ دولت مند کو چاہیے کہ چور سے الگ رہے۔ کفر اڑ کر لگنے والی بیماری ہے۔ تندرست اور صحت مند لوگوں کو اس سے دور رہنا بہتر ہے۔ کفر کا زہر سانپ کے زہر سے بدتر ہے۔ یارِ بد (برا ساتھی) سے مارِ بد (زہریلا سانپ) اچھا ہے کیونکہ مار بد سے جان کا خطرہ ہے مگر برے دوست اور ساتھی سے دین و ایمان کا خطرہ ہے۔ ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جو اپنے سیاسی مفاد کے لیے دین و ایمان سب کچھ بیچ ڈالا۔ اسلام کہتا ہے کہ کفار و مشرکین سے ایسی دوستی جو مسلمان کے اسلامی تہذیب و خیالات پر اثر انداز ہو وہ حرام ہے۔ اس سے بچنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اسلام کو کسی کافر و مشرک سے کوئی بیر یا دشمنی نہیں بلکہ جو کچھ ہے وہ کفر سے ہے، شرک سے ہے، برائی سے ہے، ظلم سے ہے۔

سوال:— حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں اور منزلِ مقصود پر پہنچ کر وسیلہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اپنا اسٹیشن آ جانے پر ٹرین گاڑی چھوڑ دی جاتی ہے تو چاہیے کہ جو کوئی خدا تک پہنچ جائے وہ حضور کو چھوڑ دے؟

جواب:— محض وسیلہ چھوٹ جاتا ہے مگر جس وسیلہ سے مقصد وابستہ ہو وہ کبھی نہیں چھوٹتا۔ گیس، بجلی روشنی کا وسیلہ ہیں مگر روشنی حاصل کرنے کے بعد انہیں چھوڑ نہیں سکتے ورنہ پھر اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری قسم کے وسیلہ ہیں اس لیے ہر ولی، غوث کلمے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ضرور لے گا۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ضرور پڑھے گا۔ غرضیکہ ان سے تعلق اور وسیلہ دنیا میں بھی ضروری ہے اور آخرت میں بھی۔

سوال:— قرآن سے معلوم ہوا کہ آل ابراہیم کو تمام جہانوں سے افضل کیا مگر اولاد

ابراہیم میں بڑے بڑے کفار و مشرکین ہوئے۔

جواب:— کچھ افراد کے خراب ہونے سے پوری قوم و جماعت خراب نہیں ہو جاتی۔ چونکہ اس قوم میں اعلیٰ ہستیاں تھیں کہ خود ان ہی کی وجہ سے قوم اشرف ہوگئی۔ نیز نسبت کی عظمت انہیں کی وجہ سے جاتی رہی۔ بیت اللہ (کعبہ شریف) میں بت رہے۔ صفا و مروہ پر بت رہے مگر چونکہ ان کی نسبت قوی تھی لہٰذا ان کی عظمت میں فرق نہ آیا۔ بتوں سے بھرے ہوئے کعبہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھیں۔ اس بت والے کعبے کا طواف کیا۔ نسبت ابراہیمی سے کعبہ اور صفا مروہ کی حرمت میں کوئی فرق نہ آیا تو بعض افراد کی خرابی سے ملت ابراہیمی کی عظمت میں فرق کیسے آسکتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے محبوب! شہر مکہ کی قسم حالانکہ اس مکہ معظمہ میں ابو جہل، ابولہب اور امیہ بن خلف جیسے نامور کافر بھی تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نے اسے جو شرف بخشا وہ ان خبیثوں کی وجہ سے ٹل نہیں سکتا۔

سوال:— جب خدا اور فرشتے آج کسی سے باتیں نہیں کرتے تو پہلے کیسے کرتے ہوں گے؟ اگر کہو کہ پہلے زمانے کے آدمی بے گناہ تھے اب نہیں، تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جب عیسائیوں اور مسلمانوں کا مذہب جاری ہوا اس وقت وحشی اور ناسمجھ آدمی زیادہ تھے۔ اب لوگ زیادہ سمجھدار ہیں۔ (آریہ)

جواب:— پنڈت جی! آج بھی نیک بندوں سے خدا اور اس کے فرشتے کلام کرتے ہیں۔ الہام، سچی خوابیں، دل میں نیک بات کر پڑ جانا، اچھے پاکیزہ خیالات، یہ سب خدا ہی کے طرف سے ہیں نہ اس وقت رب سب سے کلام کرتا تھا اور نہ اب، مگر اس وقت تک چونکہ دین کی کھیتی کچی تھی اس لیے بعض انسان پیغمبر بھی ہوتے تھے جن پر وحی (اللہ کا پیغام) آتی تھی۔ انسانوں کے نام ان پر اللہ رب العزت کا پیغام آتا تھا اور بعض لوگوں سے فرشتے ملاقات بھی کرتے تھے۔ اب جب کہ کھیتی پک گئی لہٰذا ظاہری وحی کی کوئی ضرورت نہ رہی اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا جیسے کہ کھیت پک چکنے کے بعد بارش نہ ہونی چاہیئے۔ ایسے ہی اس کھیتی کے پک جانے کے بعد نئی وحی کی ضرورت نہیں۔ پنڈت جی! تم نے یہ بھی خوب کہا کہ پہلے

لوگ وحشی زیادہ تھے اور اب زیادہ سمجھدار ہیں۔ آریہ بھی مانتے ہیں کہ پہلے دنیا میں علم، گیان، بھگتی زیادہ تھی، اب پاپ زیادہ ہے۔ اس لیے اس زمانے کو کلجگ کہا جاتا ہے۔ اگر پچھلے زمانے سے یہ زمانہ اچھا ہے تو چاہیے تھا کہ وید اس زمانے میں آتا۔ پہلے روحانیت کا زور تھا اور اب مادہ پرستی کا شور ہے۔ چونکہ تمہارا دھرم مادہ پرستی پر قائم ہے اس لیے تم اس زمانے کو ترقی کا زمانہ کہہ سکتے ہو۔

سوال:۔۔۔ اگر رب کے احکام نبی منسوخ کر دیں تو نبی رب سے زیادہ اختیار والے ہوئے کہ اس کے احکام کو توڑ دیا۔ قرآن کا نسخ حدیث سے ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ نسخ میں نہ توڑ پھوڑ ہوتی ہے نہ گذشتہ کو جھٹلانا بلکہ نسخ مخلوق کے لیے تبدیلی حکم ہے اور خالق کے یہاں ختم حکم۔ یعنی گذشتہ حکم کو انتہا پر پہنچا دینا نبی کے حکم سے کتاب کے احکام منسوخ فرمانا درحقیقت رب تعالیٰ ہی کا کام ہے کیونکہ نبی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیۤ اِلَّا وَحیٌ یُوْحیٰ. نبی کا عزاز ہے۔ تو گویا کہ منسوخ ہونا بھی حکم الٰہی سے ہے جیسے رب کے حکم سے بخار آیا، دوا سے اتر گیا۔ یہ ہوا بخار کا نسخ۔ دوا نے بحکم پروردگار ہی بخار اتارا ہے مگر دوا کا واسطہ درمیان میں ضرور ہے۔ ایسے ہی پیغمبروں کا درمیان میں واسطہ ہوتا ہے۔ درحقیقت رب تعالیٰ ہی منسوخ فرماتا ہے۔

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے کہ وَمَکَرُوْ وَمکر اَللّٰہُ خیر الماکِرِیْنَ. کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی ان کے ساتھ مکر اور اللہ بہترین مکر کرنے والا ہے جو آدمی مکر کرتا ہے وہ نیک آدمی نہیں کہلایا جا سکتا چہ جائیکہ اسے خدا کہا جائے۔ بھلا خدا بھی کہیں مکر و فریب کر سکتا ہے؟ (ستیارتھ پرکاش)

جواب:۔۔۔ پنڈت جی بھی عجیب دماغ کے آدمی ہیں۔ اردو کا لفظ لے کر عربی قرآن پاک پر اعتراض کر رہے ہیں۔ عربی زبان میں مکر کے وہ معنی نہیں ہیں جو پنڈت جی کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ معنی ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رضی اللہ عنہ نے اپنے

ترجمہ کنزالایمان میں کیا ہے کہ کافروں نے فریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی۔ یہاں مکر کے معنی عربی میں ہوتے ہیں خفیہ تدبیر اور اردو میں مکر فریب کو کہتے ہیں اور قرآن اردو میں نہیں عربی میں ہے۔ انگریزی میں بُک کے معنی ہیں کتاب، اردو میں اس کے معنی ہیں گھونسا، مکا۔ اگر کسی انگریزی کتاب میں لکھا ہو کہ سپاہی نے بادشاہ کو بُک دیا تو اس کے معنی یہ نہیں کہ گھونسہ مار دیا۔ فارسی زبان میں مہتر کے معنی ہیں سردار، اردو میں بھنگی کو مہتر کہتے ہیں۔ اگر کسی فارسی کتاب میں بادشاہ کو مہتر لکھا ہو تو شاید آپ جیسے عقلمند اس کے معنی بھنگی کریں گے۔ سنسکرت زبان میں سُور سورج کو بھی کہتے ہیں اور بہادر کو بھی مگر ہندی میں سور اندھے کو کہتے ہیں لہٰذا یہ اعتراض زبان سے نادانی پر مبنی ہے۔

سوال:— قرآن کہتا ہے کہ چوتھے آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں، تو وہاں ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا ہے اور پیشاب پاخانہ کہاں جاتے ہیں؟ (بعض جہلا)

جواب:— جب آپ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے تو وہاں باورچی خانہ کہاں تھا اور سنڈاس کس جگہ بنا تھا۔ جو رب آپ کو ماں کے پیٹ میں بغیر باورچی خانہ اور پاخانہ کے نو ماہ زندہ رکھ سکتا ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر بغیر ان ضرورتوں کے زندہ رکھ سکتا ہے۔ ان کی زندگی فرشتوں سی ہے۔ بعض اولیا اللہ نے برسوں غذا نہ کھائی، وہ ذکر خدا سے زندہ رہے۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذکر اللہ سے زندہ ہیں۔ انبیائے کرام نورانی بشر ہوتے ہیں، ظہورِ بشریت کے وقت وہ کھاتے پیتے بھی ہیں اور دنیا سے تعلقات بھی قائم رکھتے ہیں مگر جب نورانیت کا ظہور ہوتا ہے تو انہیں کھانے پینے کی قطعی ضرورت نہیں رہتی۔ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر بشری حیثیت سے رہے اس لیے انہیں کھانے پینے، سانس لینے اور بشری تمام تقاضوں کی ضرورت رہی مگر اب جب کہ آسمان پر نورانیت کے ساتھ ہیں وہاں نہ ہوا کے محتاج نہ ہی کھانے پینے کی ضرورت۔ ہمارے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مسلسل رات دن کچھ نہیں کھاتے اور روزہ رکھتے۔ یہ نورانیت کی جلوہ گری ہے۔

سوال:— کسی شخص کا دوسرے کے ہم شکل ہونا یہ غیر ممکن ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ

بادشاہ ططیانوس عیسیٰ علیہ السلام کی ہم شکل ہوکر پھانسی پا جائے؟ (بعض جہلا)

جواب:۔۔۔ شکلیں بدلنا اور کسی کا دوسرے کے ہم شکل ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے۔ گورے آدمی بیماری سے کالے ہو جاتے ہیں، کالے گورے بن جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا ہے۔ دنیا میں بہت لوگ آپس میں ہم شکل ہوتے ہیں۔ ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ کوئی آپ کا ہم شکل نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ شیطان بھی خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بن کر نہیں آسکتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شکل بن کر آتے ہیں۔ جنات مختلف جانوروں کی شکل بن سکتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کی شکلیں بدل دیں۔ حبشی کو گورا بنا دیا، بدصورت کو خوب صورت بنا دیا۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

سوال:۔۔۔ عیسائی حق پر ہیں اور مسلمان کافر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے ماننے والوں کو قیامت تک کفار پر غالب رکھوں گا۔ دیکھو آج ہر جگہ عیسائی ہی غالب ہیں۔ یورپ اور امریکہ والوں کو دیکھو، وہ عیسیٰ علیہ السلام ہی کے پیروکار ہیں۔ (عیسائی)

جواب:۔۔۔ عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار صرف اور صرف مسلمان ہیں کیونکہ وہ حضور علیہ السلام کے فرمانبردار ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری تمام پیغمبروں کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ کیونکہ تمام نبیوں نے خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا۔ انجیل کے سولھویں باب میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے بڑے ہی نرالے انداز میں وعظ فرمایا۔ آپ کی وعظ سن کر لوگوں کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ مجمع میں سے ایک عورت خوشی میں جھوم کر کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی، مبارک ہے وہ ماں اے عیسیٰ مسیح جس کا دودھ تو نے پیا۔ مبارک ہے وہ گود جس میں تم جھولے اور کھیلے۔ آپ نے فرمایا بے شک واقعی میری ماں بڑی مبارک ہے مگر میری ماں سے بھی زیادہ اور بڑھ کر ایک اور ماں اس

دنیا میں آنے والی ہے جس کی گود میں تمام نبیوں کا سردار، رسولوں کا تاجدار، اللہ کا آخری پیغمبر کھیلے گا۔ اللہ نے ساری کائنات سے پہلے انہیں اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔ ان کا ظہور میرے بعد ہوگا۔ ان کا نام زمین پر محمد اور آسمان پر احمد ہوگا۔ جس نے ان کی پیروی کی اور ان پر ایمان لایا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے ان کی نبوت و رسالت سے انکار کیا اور ان کی نافرمانی کی وہ دونوں جہان میں ذلیل و رسوا ہوگیا۔ (انجیل، سولہویں باب)۔ معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و فرمانبرداری تمام نبیوں کی فرمانبرداری ہے۔ اگر باپ اپنے بیٹوں کو وصیت کر جائے کہ میرے بعد فلاں شخص کا کہنا ماننا کرنا تو یقینی بات ہے کہ بیٹے کا اس فلاں کا کہنا ماننا باپ کی وصیت پر ہی عمل ہے جس سے باپ کی روح خوش ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سارے نبیوں کا فیضان ہے جس کے پاس سو ہیں اس کے پاس ساری اکائیاں اور دہائیاں ہیں۔ سارے انبیا جمع کے عدد ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاصل جمع ہیں۔ جیسے حاصل جمع میں سارے اعداد آجاتے ہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں تمام نبیوں کی غلامی آ جاتی ہے۔ رہا فوقیت اور غلبہ تو اس سے دینی غلبہ مراد ہے نہ کہ دنیاوی سلطنت اور وہ ہمیشہ مسلمانوں ہی کو حاصل ہے۔ حج مسلمانوں ہی کے لیے کعبے کا ہوتا ہے نہ کہ بیت المقدس کا۔ دھوم دھام سے تلاوتِ قرآن پاک کی جاتی ہے نہ کہ توریت و انجیل کی۔ بیت المقدس میں ہزاروں پیغمبر آرام فرما ہیں اور مدینہ پاک میں تمام پیغمبروں کے سردار جلوہ فرما ہیں۔ معلوم ہوا کہ شہنشاہ مدینے میں رہتے ہیں اور حکام بیت المقدس میں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دینی فوقیت و برتری ہمیشہ مسلمانوں ہی کو حاصل ہے اور رہے گی۔ رہی قومی فوقیت اور سیاسی غلبہ تو وہ بھی اکثر مسلمانوں ہی کو حاصل رہی۔ اب اگر مسلمان قومی و سیاسی لحاظ سے گر جائیں تو اس میں ان کا اپنا قصور ہے۔ اس گئے گذرے زمانے میں بھی مسلمانوں کی دنیا میں پینسٹھ سے زائد مسلم ممالک ہیں۔ اتنی سلطنت اور ملک کسی قوم کی نہیں۔ پاکستان سے لے کر مکۃ المکرمہ تک ایک انچ زمین کسی کافر کی نہیں ہے۔ پاکستان سے نکل کر ایران میں، ایران سے عراق میں، عراق سے کویت میں، کویت سے حجاز میں اور یہ سب ممالک مسلم ہیں۔ اگر آج بھی مسلم ممالک سر

جوڑلیں تو دنیا میں بہت بڑی طاقت بن جائیں۔مگر اسلام دشمن طاقتیں مسلم ممالک کو ایک نہیں ہونے دیتی۔مسلمان ملکوں کو مسلمان ملکوں سے لڑاتی ہیں۔افسوس کہ ان کے نصیب میں اتحاد و اتفاق نہیں۔موجودہ مسلم ممالک کے حکمراں یورپ، امریکہ اور اسلام دشمنوں کے کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ان کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔یہ سب اپنے کرسی و اقتدار کی بھیک امریکہ اور یورپ سے مانگتے ہیں۔تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان کبھی بھی کفار و مشرکین سے ڈرے نہ مرے بلکہ یہ آپس کی نااتفاقی و خانہ جنگی کا شکار ہوئے۔ہمیشہ اپنوں نے ہی اپنوں کو کچلا اور عیسائیوں، یہودیوں نے آپس میں مسلمانوں کو اور مسلم حکومتوں کو ایک دوسرے سے لڑوا کر کمزور کیا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
ہند کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ سفر

سوال:۔۔۔ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر رکھا گیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر۔معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جو قرب انہیں ہے وہ حضور علیہ السلام کو نہیں۔(عیسائی)

جواب:۔۔۔اس سوال کے بہت جواب ہیں۔نہایت آسان جواب اس مثال سے سمجھو کہ کسی بادشاہ نے کسی افسر کو امن قائم کرنے کے لیے کہیں بھیجا مگر اس سے رعایا نہ دبی اور نہ ہی وہ کنٹرول کر سکا۔باغیوں نے افسر کو قتل کرنا چاہا، بادشاہ نے فوراً اس افسر کو اپنے پاس بلا لیا تاکہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔اس کے بعد دوسرا افسر بھیجا گیا جس نے تمام باغیوں اور شرکشوں پر کنٹرول کر لیا اور انہیں اپنا تابعدار بنا لیا۔بادشاہ نے حکم دیا کہ چونکہ تم سے امن و امان قائم ہوا اور تم نے باغیوں کو کنٹرول کر لیا لہٰذا تم وہاں ہی رہو اور حکومت کئے جاؤ۔پھر کبھی اس افسر کو مہمان بنا کر اپنے یہاں بلایا، اس کا جلوس نکالا، خلعت اور تمغے عنایت فرمائے۔یقیناً اس افسر کا یہاں رہنا پہلے افسر کے بادشاہ کے پاس رہنے سے افضل ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چوتھے آسمان پر جا کر پھر عہد مصطفیٰ میں حضور کی امن میں زمین پر تشریف لانا اور حضور کا معراج

کی رات میں خدا کا مہمان بن کر جانا اور کونین میں دھوم دھام کا ہونا، پھر شرکشوں کی سرکوبی کے لیے دنیا میں تشریف لانا اور فرش پہ جلوہ گر رہنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضور علیہ السلام زمین پر اسی واسطے رکھے گئے کہ حضور سے یہاں کا نظام قائم ہے۔ مرکز دائرے ہی میں رہنا چاہیے کیونکہ اس کے ہٹنے سے سارا دائرہ بگڑ جاتا ہے۔

کسی عیسائی نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر ہیں اور تمہارے پیغمبر زمین پر دفن۔ لہٰذا ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمہارے پیغمبر سے افضل ہوئے۔ آپ نے فوراً اس عیسائی کو جواب دیا کہ اے عیسائی سن! تیری یہ دلیل قوی نہیں، دیکھو حباب (بلبلہ) پانی کے اوپر ہے اور موتی پانی کے نیچے مگر موتی بلبلے سے افضل اور قیمتی ہے۔ اسی طرح ایک مشاعرے میں کسی عیسائی شاعر نے مصرع دیا کہ

"دین محمدی گھٹے دین مسیحا بڑھ جائے"

یہ سن کر ایک سنی شاعر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ

گر براق نبوی سے خر عیسیٰ بڑھ جائے

تو دین محمدی گھٹے دین مسیحا بڑھ جائے

اور ظاہر ہے کہ براقِ نبی سے خر عیسیٰ بڑھ نہیں سکتا اس لیے دین محمدی کے گھٹنے کا سوال ہی نہیں۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے

جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

سوال:۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ آپ نے کبھی کسی کے لیے بددعا نہیں فرمائی۔ حتیٰ کہ طائف والے جنہوں نے آپ پر بہت ظلم کیا تھا، اِن کے لیے بھی بددعا نہیں کی پھر نجران کے عیسائیوں کے مقابل بددعا کی تیاری کیوں فرمائی؟

جواب:۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتی معاملات میں کسی پر بددعا نہ کی۔ ظلم

ہے، کچھ نہ فرمایا۔ مگر دینی معاملات میں کسی کی رعایت بھی نہ کی۔ وہ چونکہ دین کے دشمن تھے اس لیے بددعا کی تیاری فرمائی۔ کفار سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد بھی فرمایا اور موذی کو ہلاک کرنا عین رحمت ہے۔

سوال:۔۔۔ سنی بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ حضور گناہوں سے پاک وصاف فرما سکتے ہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر وشرک ہے، جس طرح عیسائی اپنے گناہ پادریوں سے معاف کراتے ہیں ایسے ہی سنی بریلوی مسلمان نبیوں سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ (وہابی، دیوبندی)

جواب:۔۔۔ بے شک ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو گناہوں سے پاک وصاف کرتے ہیں۔ ہماری ظاہری، باطنی گندگی کو دور کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کے عذاب سے بچاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے محبوب آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے کر اس کے ذریعہ انہیں پاک وصاف کردو۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے وَلَوْ انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك الخ. کہ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں وہ آپ کی بارگاہ عالیہ میں اگر معافی مانگیں تو اللہ آپ کے صدقہ وطفیل میں انہیں معاف کردے گا۔ امام اہل سنت، پیشوائے امت، سرکار اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گناہوں کی مغفرت اور بخشش کے لیے درِ رسول کی حاضری تریاق ہے۔ عیسائی اپنے کالے کرتوتوں اور گناہوں کو اپنے پادریوں اور راہبوں سے معاف کراتے تھے۔ زنا، چوری، شراب خوری کو پادری صاحبان معاف کرتے تھے اور آج بھی معاف کراتے ہیں۔ یہ یقیناً کفر ہوا۔ لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی اور آپ کے دعاؤں سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمادے تو یہ کفر وشرک نہیں۔ نیز ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معافی کا اختیار اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے تو حضور کی معافی رب تعالیٰ کی معافی ہے۔ پادریوں پر انبیائے کرام کو قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ عیسائیوں نے غیر مختار پادریوں کو مستقل مختار مانا اس لیے یہ بے ایمان اور کافر ہوئے مگر سنی بریلوی مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کا نام ہی احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اللہ کے حکم اور اس کی عطا سے مالک ومختار مانا۔ یہ خلاف توحید

نہیں ہوا بلکہ توحید کی جان ہے۔ سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

سوال:۔ کفار و مشرکین اپنی زندگی میں زمین برابر سونا خیرات کریں تو بھی قبول نہیں اور نہ انہیں آخرت میں اس کا ثواب ملے گا حالانکہ نوشیرواں عادل کو اس کے عدل کی وجہ سے اور حاتم طائی کو سخاوت کی وجہ سے، ابولہب کو حضور کی ولادت کی خوشی منانے اور ابوطالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے ہلکا عذاب ہوگا۔ لہٰذا یہ نظریہ غلط ہے کہ کافر کے خیرات سے اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ (آریہ)

جواب:۔ کفار و مشرکین کے عذاب سے بچ جانے اور جنت میں جانے کی اسلام نے نفی کی ہے اور احادیث شریف میں عذاب میں کمی کا ثبوت ہے۔ ملزم کو جیل سے رہا کر دینا اور ہے اور (سی) کلاس سے نکال کر (بی) کلاس میں منتقل کر دینا کچھ اور ہے۔ بعض کفار کا عذاب بعض نیکیوں کی وجہ سے ہلکا ضرور ہو جائے گا مگر ختم نہ ہوگا۔

سوال:۔ قرآن میں ہے کہ قیامت کے دن کافر زمین بھر سونا فدیہ میں دے دیں گے مگر قبول نہ ہوگا، تو اس دن کفار کے پاس مال کہاں ہوگا کہ وہ پیش کریں گے اور وہ رد کیا جاوے؟ (آریہ)

جواب:۔ اس سوال کے دو جواب ہیں۔ اولین یہ کہ یہ فرضی صورت ہے کہ اگر فرض کرو کہ کافر کے پاس اتنا سونا ہو اور وہ اس سے کفر و شرک کا فدیہ ادا کرنا چاہے تو منظور نہ ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلکے عذاب والے کافر سے فرمائے گا کہ اگر آج تیرے پاس دنیا بھر کی دولت ہوتی تو وہ سب عذاب کے فدیہ میں دے دیتا؟ وہ عرض کرے گا ہاں! میں سب کچھ دے کر عذاب سے چھٹکارا پا لوں تو یہ میرے لیے مہنگا سودا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ دنیا میں ہم نے تجھ سے بہت آسان اور سہل چیز طلب فرمائی تھی کہ تو شرک نہ کر مگر تو نہ مانا، تیری وحدانیہ سواوں کی رسالت پر ایمان نہ لایا۔

سوال:۔۔۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس لیے یہودی یا عیسائی نہیں ہو سکتے کہ وہ توریت وانجیل، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے پہلے گذرے ہیں، اسی طرح وہ مسلمان بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ قرآن سے بھی پہلے گذرے، پھر انہیں قرآن نے مسلمان کیوں کہا؟ اگر کہا جائے کہ دین اسلام کے اصول ان کے مطابق ہیں تو عیسائی، یہودی بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اصولِ دین ملت ابراہیم کے موافق ہیں۔ اس کا کیا جواب ہوگا؟ (عیسائی، یہودی)

جواب:۔۔۔ اس سوال کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ توریت، انجیل نے کہیں دعویٰ نہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے اصولِ دین یہی ہیں یا وہ یہودی یا نصرانی تھے۔ مگر قرآن نے اعلان فرمایا کہ وہ نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ وہ پکے اور سچے مسلمان تھے۔ لہٰذا یہودی یا عیسائی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے، مسلمان کر سکتے ہیں کہ وہ ایک سچے مسلمان تھے۔ دوسرے یہ کہ یہودیت اور عیسائیت ہرگز ملت ابراہیمی کے موافق نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی اصل اول الوہیت مسیح اور عبادت مسیح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نہ عیسیٰ مسیح تشریف لائے نہ ان کی الوہیت کا کوئی معتقد تھا۔ نہ ان کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ جب معبودین میں فرق ہو گیا تو دین میں اتحاد کیسا؟ نیز حج حضرت خلیل علیہ السلام کی ملت کی اعلیٰ عبادت تھی جو نہ یہود کے دین میں ہے نہ عیسائیوں کی ملت میں۔ تیسرے یہ کہ درخت کا پتہ پھل سے لگتا ہے اور اصولِ دین کا پتہ اعمال سے۔ اسلام کے اعمال ملت ابراہیمی کے موافق ہیں اور دیگر مذاہب اس کے خلاف، حج، ختنہ، داڑھی، یہ سب ملت ابراہیمی کے مسائل ہیں جو صرف اور صرف اسلام میں رائج ہیں۔ تمہارے دین ان تمام چیزوں سے خالی ہیں۔ معلوم ہوا کہ صرف دین اسلام ملت ابراہیمی کے موافق ہے نہ کہ یہودیت اور نصرانیت۔ یہ تو حضرتِ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی تعلیمات کے بگاڑ کا نام ہے۔ چوتھے یہ کہ سارے پیغمبر ہمارے حضور کے امتی ہیں لہٰذا صرف ابراہیم ہی کو نہیں بلکہ سارے پیغمبروں کو مسلمان کہا جا سکتا ہے نہ کہ یہودی و عیسائی۔ مختصر یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلمان ہیں، یہودی یا عیسائی کسی بھی طرح نہیں۔

سوال:۔۔۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملوں کو بھیجتے تو انہیں سخت تاکید کرتے تھے کہ لوگوں کا بہترین مال نہ لینا، درمیانہ لینا اور قرآن میں ہے کہ بہترین مال اللہ کی راہ میں دیا جائے۔ تو یہاں آیت اور حدیث میں تعارض ہو رہا ہے۔ (نیچری)

جواب:۔۔۔ قرآن میں دینے والوں سے کہا گیا ہے اور حدیث میں لینے والوں سے تاکید، یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل (افسر) جبراً بہترین مال نہ لے۔ ہاں اگر مال والا خوشی سے بہترین مال دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال:۔۔۔ قوم یہود کے گناہوں کی وجہ سے جو پاک اور حلال چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں وہ صرف گنہگاروں پر کی گئی تھیں یا سب پر؟ اگر صرف گنہگاروں پر حرام ہوئی تھیں تو نیکوں پر ظلم ہوا کہ کرے کوئی، بھرے کوئی۔

جواب:۔۔۔ سب پر ہی حرام تھیں۔ کبھی مجرموں کی وجہ سے نیکوں پر بھی مصیبت آ جاتی ہے۔ اگر ایک شخص کشتی کا تختہ توڑ دے تو سارے ہی ڈوبتے ہیں جو اس کشتی میں سوار ہیں۔ اس بھی بعض گنہگاروں کی وجہ سے بارشیں بند ہو جاتی ہیں، وبائیں پھیل جاتی ہیں جس سے تمام کو ہی تکلیف ہوتی ہے۔ مجرم یا باغی کو پکڑنے یا ہلاک کرنے کے لیے شہر پر بمباری کی جاتی ہے تو بے قصور بچے بھی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ہاں! اس کے عوض اللہ بے قصوروں کے درجات و مراتب بڑھا دیتا ہے۔

سوال:۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند، سورج، ستاروں کو دیکھ کر کے فرمایا: ھٰذا ربّی. یہ میرا رب ہے۔ یہ تو شرک ہوا جو بہت بڑا گناہ ہے۔ اور پیغمبر تمام گناہوں سے معصوم و محفوظ ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ پہلے مشرک تھے، بعد میں مومن موحد ہوئے۔ (بعض نادان)

جواب:۔۔۔ نعوذ باللہ آپ کی ذات تو بہت اعلیٰ اور بلند ہے۔ آپ ابوالانبیا ہیں۔ کوئی نبی کسی وقت شرک نہیں کرتے۔ یہ حضرات پیدائشی عارف باللہ ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم

علیہ السلام کا اس وقت چاند سورج اور ستاروں کو رب فرمانا کفار کو الزام دینے کے لیے تھا کہ کیا تم اسے میرا رب بتاتے ہو جو ڈوب جائے۔ کیا یہ میرا رب ہو سکتا ہے؟ یہ ایک سوالیہ جملہ ہے۔ یہ میرا رب ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، یہ میرا رب نہیں ہے۔ ہر نبی شرک سے بے زار اور دور ہے۔

سوال:—— حدیث میں ہے کہ مکہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور ایک گناہ کا وبال بھی ایک لاکھ ہے۔ تو یہ حرم میں امن کہاں ہوئی؟ حرم تو پوری مصیبت بن گیا۔ اسی لیے عبداللہ بن عباس مکہ میں نہ رہے، طائف میں رہے۔

جواب:—— یہ گناہ کی زیادتی حرم کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی بے ادبی کی وجہ سے ہے۔ کچہری میں حاکم کے سامنے جرم کرنا دیگر مقامات پر جرم کرنے سے بدتر ہے کہ اس میں عدالت کی توہین، بے حرمتی اور حاکم کی بے ادبی بھی ہے۔ قرآن شریف کا منشا یہ ہے کہ جو مجرم رب تعالیٰ کی پناہ لینے کے لیے حرف شریف میں آجائیں اسے دوزخ سے امن ہوگی۔ یہاں رہ کر جرم کرنے والا پناہ کب لے رہا ہے۔ وہ تو ڈھٹائی کر رہا ہے۔ پناہ لینے والا قصور سے بچا کرتا ہے۔

سوال:—— تم کہتے ہو کہ کافروں سے دوستی نہ کرو۔ تو کیا ہم ان سے لڑتے ہی رہیں۔ اکیلے مسلمان سب کافروں سے کہاں تک لڑیں گے؟ پھر تو ہم ان سے تجارت، دھندھا، کاروبار، لین دین، کچھ بھی نہیں کر سکتے تو جئیں کیوں کر؟

جواب:—— محبت اور چیز ہے، اتفاق صلح اور معاملات کچھ اور۔ ادائے حقوق کچھ اور، اخلاقی برتاؤ کچھ اور۔ کفار سے ایسی محبت حرام ہے جو تمہیں ایمان و اسلام سے ہٹا دے۔ ان کی طرف میلانِ قلبی حرام۔ باقی دنیاوی معاملات اخلاقی برتاؤ سب جائز بلکہ سنت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں اور مشرکوں سے چیزیں خریدی ہیں۔ دنیاوی معاملات طے کئے ہیں بلکہ ان سے قرض کی لین دین بھی کیا ہے۔ لہٰذا کفار سے ایسی دلی محبت جو تمہیں دین و ایمان سے پھرا دے وہ حرام ہے۔

سوال:—— قرآن میں ہے کہ تم اللہ سے ڈرو اور مسلمان بن کر مرو۔ جس سے معلوم ہوا

کہ اسلام صرف موت کے وقت ضروری ہے اس سے پہلے انسان کیسا بھی رہے، خواہ کافر بن کر رہے یا مشرک؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مرتے وقت تک مسلمان ہی رہو یعنی تمہیں موت صرف اس حال میں آئے کہ تم پہلے ہی سے مسلمان ہو۔ جیسا کہا جائے کہ زید میرے پاس نہ آیا مگر اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ یعنی سوار پہلے سے تھا، آیا اب۔ دوسرے یہ کہ مرتے وقت مسلمان ہو مگر یہ کیسے معلوم کہ وقت موت کب ہے اور کون سا ہے۔ ہر سانس میں احتمال ہے کہ یہی آخری وقت ہو۔ کیا خبر کہ اندر گئی ہوئی سانس واپس آئے یا نہ آئے۔ بہر حال ہر وقت بیداری ضروری ہے۔ پیشوائے امت، امام اہل سنت، سرکار اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا قادری محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہنا، چوروں کی رکھوالی ہے

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے کہ تفرقہ بازی اور اختلاف بری چیز ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ لہٰذا یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔

جواب:۔۔۔ حدیث مذکورہ ہرگز قرآن کے خلاف نہیں کیونکہ قرآن میں نفسانی جھگڑا اور دینی فرقہ بندی سے ممانعت ہے جو فتنہ فساد کی جڑ ہے اور حدیث شریف میں تحقیق کا اختلاف مراد ہے جس کی وجہ سے قرآن واحادیث کی خوب چھان بین ہو جاتی ہے۔ علمائے مجتہدین کے اختلاف کی برکت سے قرآن اور احادیث کے اسرار ورموز ایسے واضح اور صاف ہو گئے کہ سبحان اللہ۔ جن دینوں میں اختلاف نہ ہوئے وہاں تحقیق بھی نہ ہوئی۔

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے کہ سارے مسلمان تمام نبیوں کی امتوں سے افضل ہیں حالانکہ جتنے گناہ اور بدکاریاں مسلمانوں میں ہیں دوسری قوموں میں نہیں، اور جتنے برے پیشے وکام مسلمان کرتے ہیں، دوسری قومیں نہیں کرتیں۔ یہ عجیب تماشہ ہے کہ سب سے بدتر کام مسلمان کریں اور تمام امتوں سے افضل رہیں۔ (یہودی، عیسائی، غیر مسلم)

جواب:— تمام امتوں سے افضلیت کا تاج قومِ مسلم کے سر پر ہے۔ یہ بشارت قوم مسلم کو ہے۔ رہے افراد تو وہ اس بشارت کے جب مستحق ہوں گے جب وہ اپنے میں تین صفتیں پیدا کریں گے۔ یعنی بھلائی کا حکم دینا، دوسری بری باتوں سے روکنا اور تیسرا رب تعالیٰ پر صحیح معنوں میں ایمان رکھنا۔ جو ان صفات سے محروم ہوا وہ من حیث الفرد (فرد کی حیثیت سے) اپنی حرکتوں کی وجہ سے افضلیت سے نکل گیا۔ رہی مسلم قوم، تو وہ بفضلہٖ تعالیٰ حضور کے صدقہ و طفیل میں تمام امتوں سے افضل ہے اور رہے گی۔ اس قوم میں اولیا، علما، صلحا، تہجد گذار ہمیشہ رہیں گے۔ دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اور بزرگانِ دین سے تعلق وہ اللہ کی رحمت ہے جس سے ہم جیسے گنہگار بھی خیر الامم ہیں۔ اور کفار کے ظاہری پرہیز گاری بھی خیر الامم نہیں۔ فرسٹ کلاس کا ڈبہ بھی انجن سے کٹ جائے تو اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں اور تھرڈ کلاس کا پرانا ڈبہ جس کی کڑی انجن سے ملی ہے، قابل قدر ہے۔ وہی منزل مقصود تک پہنچے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم مبارک کی برکت سے مکہ و مدینہ شریف مقدس بن گیا۔ حالانکہ وہاں کفار و مشرکین بھی تھے، پھولوں کی برکت سے چمن کے کانٹے اور گھاس بھی عظمت پا جاتے ہیں کہ لوگ ان کی سیر کرنے آتے ہیں۔ لہٰذا گنہگار بدعمل، بدکار مسلمان بھی اس نسبت کی وجہ سے خیر الامم کے لقب سے سرفراز کئے گئے۔

زاہد ان کا میں گنہگار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

سوال:— فلسطین میں یہودیوں کی سلطنت قائم ہوگئی۔ حالانکہ قرآن و احادیث نے خبر دی کہ قیامت تک ان پر (قوم یہود) ذلت و رسوائی لازم کر دی گئی ہے اور اب تک ہم سنا کرتے تھے کہ ان کی بادشاہت و سلطنت کبھی قائم نہ ہوگی۔

جواب:— ان کی سلطنت مستقل اپنی نہیں بلکہ فرانس، برطانیہ اور امریکہ کے ذریعہ سے عربوں کی سرزمین پر غاصبانہ قبضہ ہے۔ اگر آج بھی یہ تینوں شیطانی ممالک دست بردار ہو جائیں تو اسرائیل اپنی موت خود آپ مرجائے۔ انہیں کہیں رہنے کا ٹھکانہ بھی نہ ملے۔ اب تک

یہ جگہ جگہ سے نکالے گئے، انہیں کوئی ملک بھی قبول نہیں کرتا تھا، پرتگال، جرمنی، پولینڈ اور روس ہر جگہ سے یہ بڑی بے آبرو ہو کر نکلے۔ جب ہٹلر نے انہیں جرمنی سے نکالا تو ان کے جہاز سمندر میں مارے مارے پھرتے تھے۔ کوئی ملک اپنے یہاں اترنے کی انہیں اجازت نہ دیتی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں برطانیہ، فرانس اور امریکہ نے ان کو زبردستی عربوں کی مقدس پاک سرزمین پر بسا دیا۔ یہود کی سلطنت کا قیام اور ان سے مسلمانوں کی جنگ کی خبر حدیث پاک میں بھی دی گئی۔ یہ سلطنت کا قیام اس جنگ کی تمہید ہے۔ جس دن عالم اسلام میں خالد کا کوئی جانشین پیدا ہوا اس دن یہودی ایسے مارے جائیں گے کہ انہیں کوئی پتھر بھی پناہ نہ دے گا۔ وہ بھی پکارے گا کہ اے مسلمان! میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے، اسے مار۔ تین سو ستر انبیائے کرام کے قتل کا الزام اس کی گردن پر ہے۔ یہ ایسی قوم ہے کہ ان سے انبیائے کرام بھی بے زار تھے۔

سوال:۔۔۔ مسلمان سنگ دل اور بڑی بے مروت قوم ہے۔ کفار کی ہلاکت پر خوشیاں مناتی ہے۔ فرعون کے غرقابی پر اب تک خوشی منائی جاتی ہے کہ اس دن عاشورہ (دسویں محرم) کا روزہ سنت ہے۔ ابو جہل کے قتل کی خبر پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ شکر ادا کیا یہ تو مروت کے خلاف بات ہے۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ یہ کفار کے ہلاکت پر خوشی نہ تھی بلکہ اسلام کے ان کی آفت سے بچ جانے پر خوشی تھی۔ جیسے سانپ کے مر جانے یا چور کے پکڑے جانے پر خوشی منائی جاتی ہے۔ ورنہ جب کفار مکہ قومی حیثیت سے مصیبت میں گرفتار ہوئے اور سخت قحط میں گھر گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک سے وہاں گندم، جو اور دیگر اشیائے خورد و نوش بھیجے۔ خیال رہے کہ موذی اور ظالم شخص کے مارے جانے کی خوشی کچھ اور ہے اور قومی مصیبت پر خوشی منانا کچھ اور۔ پہلی خوشی اچھی ہے۔ دوسری خوشی بری۔ گیارہ دسمبر ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر جب کچھ اسلام پسندوں نے ہوائی جہازوں سے حملہ کر کے ایک سو تیں منزلہ فلک بوس عمارت کو زمیں بوس کر دیا جس میں کچھ جانیں بھی گئیں۔ اس واقعہ کے بعد دنیا کی ٹیلی ویژنوں کی اسکرین پر یہ منظر بھی دکھایا گیا کہ فلسطینی مسلمان لڈو بانٹ کر خوشیاں منا رہے ہیں، جشن ہو رہا ہے۔ یہ نیوز فلم میں

دکھائی گئی تاکہ دنیا مسلمانوں کو سنگ دل، بے رحم، بے مروت کہے۔ حالانکہ یہ جشن کا منظر جو نیوز فلم میں دکھائی گئی وہ امریکہ کے نیو یارک ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کی خوشی کا نہیں بلکہ فلسطینیوں کے خود اپنے کسی تقریب کا تھا۔ مگر اس کو نیوز فلم میں دکھا کر دنیا کو یہ تاثر دیا گیا کہ مسلمان قوم بے مروت اور سنگ دل قوم ہے۔ خیر! دنیا کچھ بھی کہے، مسلمان قوم کو شرافت، مروت اور انسان دوستی کی سند کسی سے لینے کی ضرورت نہیں۔

سوال:— اگر جنگ احد میں مسلمانوں کی امداد کے لیے فرشتے آئے تھے تو انہیں شکست کیوں ہوگئی؟ کیا فرشتے بھی کفار سے ہار گئے؟ (آریہ)

جواب:— مسلمانوں کو جنگ احد میں اسی امداد کی برکت سے فتح ہوگئی تھی۔ بعد میں ان کی شکست ان کی اپنی جنگی غلطی سے ہوئی کہ اہم مورچہ یعنی وہ دَرّہ خالی کر دیا جب کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دَرّے پر پچاس تیراندازوں کی ایک جمعیت کو تعینات کر دیا تھا اور ان سے کہہ دیا تھا کہ خواہ ہماری فتح ہو یا شکست مگر تم مورچہ سے نہ ہٹنا۔ مگر جب دیکھا فتح مسلمانوں کی ہوگئی تو اس جمعیت نے اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور کافروں کا شکست خوردہ لشکر اسی درہ سے آکر مسلمانوں پر حملہ کر دیا جس سے مسلمان ایک جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔ یہاں خدا کو بتانا مقصود تھا کہ میرے محبوب کی ایک بات نہ ماننے کا یہ انجام کہ تمہاری فتح شکست میں بدل سکتی ہے۔ نیز یہ شکست بھی آئندہ نسلوں کو جنگی قانون سکھانے کے لیے تھی کہ کبھی اہم مورچہ نہ چھوڑیں اور اپنے کمانڈر کی اطاعت کریں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہزیمت وشکست کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے مدد کی ورنہ کفار مکہ اس وقت سارے مدینے پر ٹوٹ پڑتے اور اسے برباد کر ڈالتے۔ حتیٰ کہ کچھ دور پہنچ کر ابو سفیان اس ارادے سے پھر لوٹے اور زخمی مسلمان یہ خبر پا کر پھر تیار ہوئے مگر ابو سفیان آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے۔

سوال:— کفار کی ہلاکت کے لیے تو ایک ہی فرشتہ کافی تھا۔ تین ہزار فرشتوں کی کیا ضرورت ہے؟ قومِ لوط کے بستیوں کو ایک ہی فرشتے نے الٹ کر رکھ دیا تھا۔ (جہلا)

جواب:— یہاں کفار کا ہلاک کرنا مقصود نہ تھا بلکہ فقط مسلمانوں کی ہمت افزائی اور ان

کا حوصلہ بڑھانا منظور تھا۔ بے شک ہلاکت کے لیے ایک ہی فرشتہ کافی ہے مگر عزت افزائی کے لیے لاکھوں فرشتے براتی بن کر آئے تھے حالانکہ لے جانے کے لیے ایک ہی براق کافی تھا۔ ان کفار کو ہلاک بھی بھلا کیوں کیا جاتا ان میں سے اکثر تو وہ تھے جو آئندہ مسلمان ہو کر اسلام کی خدمت کرنے والے تھے۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ انسان سے اگر کوئی خطا یا غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا چاہئے۔ تو کیا غیر انسان کو معافی نہ دینا چاہئے؟

جواب:— انسان کو معافی دینا خوبی ہے۔ سانپ، شیر، خونخوار جانوروں کو معافی دینا انسانوں پر ظلم ہے۔ حلال جانوروں کا ذبح کرنا اور موذی جانوروں کا قتل ثواب ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک عراقی حاجی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ احرام کی حالت میں مچھر یا مکھی مارنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ تم لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اور آج مجھ سے مکھی مارنے کا مسئلہ پوچھ رہے ہو۔ واقعہ کربلا کے وقت یہ مسئلہ کیوں نہ پوچھا۔ تم لوگ پرہیز گار کب سے ہوئے؟ بہر حال انسانوں پر ظلم کر کے جانوروں پر رحم کرنا اہل ہنود کا طریقہ ہے۔ ان کے یہاں چیونٹی کو مارنا ہتیا اور پاپ ہے مگر بے گناہ مسلمانوں کا قتل ثواب۔

سوال:— ہر جگہ جنتوں کی تعریف میں یہی آتا ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ کیوں نہیں کہ دریا بہہ رہے ہیں؟ دریا میں پانی نہر سے زیادہ ہوتا ہے۔ (آریہ)

جواب:— نہر اس لیے کہا گیا ہے کہ نہر میں حسن ہے، دریا میں حسن نہیں۔ نہر سیدھی اور خوشنما ہوتی ہے اور دریا ٹیڑھا، بے رونق ہوتا ہے۔ نہر فائدے مند ہوتی ہے مگر بحر (دریا) نقصان دہ کہ وہ سیلاب میں شہروں کو بہا لیجاتا ہے۔ نہر کا پانی اپنے قبضے میں ہوتا ہے، جتنا چاہو چھوڑو، مگر دریا کا پانی قبضے سے باہر۔ نیز باغوں، کوٹھیوں اور محلات میں نہریں جاتی ہیں دریا نہیں۔ جیسا کہ دہلی کے لال قلعہ اور لاہور کے شالیمار باغ میں دیکھا گیا۔ لہٰذا جنتوں میں نہریں ہی چاہئے۔

سوال:— نبی تو اللہ کے طرف سے بڑی طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں پھر انہیں جہاد کفار میں فوجوں کی کیا ضرورت ہے؟ جب نبی یوشع علیہ السلام ڈوبتے ہوئے سورج کو روک سکتے ہیں، کیا وہ کفار کے یلغار کو نہیں روک سکتے تھے؟ (بعض بے دین)

جواب:— تبلیغ و جہاد اسباب کے ماتحت ہوتے ہیں تا کہ نبی کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہے۔ اگر وہ حضرات معجزے کے طور پر کفار کو شکست دے دیا کرتے تو بعد کے لوگ جہاد کی ہرگز ہمت نہ کرتے بلکہ کہتے کہ جس ہتھیار سے جہاد ہوتا تھا یعنی معجزہ، وہ تو چلا گیا اب جہاد کی کیا ضرورت۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکروں، پتھروں سے کلمہ پڑھایا مگر ابوجہل سے بطور معجزہ کلمہ نہ پڑھایا کہ اس طرح کلمہ پڑھوانے میں ابوجہل کا ایمان شرعی نہ ہوتا۔ معجزے کا اظہار اپنی حقانیت کو دکھانے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ کسی کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ معظّمہ سے بت معجزے سے نہ نکالے بلکہ فوجی طاقت سے فتح مکہ کے دن نکالا تا کہ قیامت تک جہاد پر عمل ہوتا رہے۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ کفار کے دلوں میں مومنوں کا قدرتی رعب ہوگا مگر اب معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اب تو مسلمانوں کے دلوں میں کافروں کا رعب ہے اور کافر مسلمانوں پر دلیر ہیں۔ تو یہ بات کیوں کر صحیح ہوئی؟ (غیر مسلم حضرات)

جواب:— دراصل یہ وعدہ غازیانِ اُحد کے لیے تھا جو پورا ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں اس وقت ان مسلمانوں کا ایسا رعب ڈالا کہ وہ واپس لوٹنے کا ارادہ کر کے نہ آ سکے اور مسلمانوں پر دوبارہ حملہ نہ کر سکے۔ دوسرے یہ کہ وعدہ تا قیامت مسلمانوں کے لیے ہے مگر جب مسلمان صحیح طور پر مسلمان رہیں اور اخلاص کے ساتھ جہاد کریں۔ لیکن اگر مسلمان خود ہی اپنا جوہر کھودیں کہ نہ دل میں تقویٰ ہو نہ نیت میں اخلاص تو یہ ان کا اپنا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اب بھی تیار ہے، ہم لینے والے تو بنیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمانوں کو مٹانے کے لیے کفار ایک دوسرے کو ایسی دعوت دیں گے جیسے دسترخوان پر کھانے والے کو بلایا جاتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس وقت ہماری

تعداد کم ہوگی۔ فرمایا تمہاری تعداد کم نہیں ہوگی بلکہ تعداد میں تم بہت ہوگے لیکن کوڑے کرکٹ کی طرح رہوگے۔ تم میں اتحاد و اتفاق نہیں ہوگا اور آپسی پھوٹ کی وجہ سے تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ جیسے پانی کے اوپر کوڑا اور تنکا بہہ جاتا ہے خدا تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب و خوف ختم کردے گا اور تمہارے دلوں میں دنیا کی محبت اور موت سے نفرت ڈال دے گا۔ (ابوداؤد شریف)

قوتِ فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

سوال:— خرید و فروخت میں خریدار، دوکاندار کی چیز لے لیتا ہے اور دوکاندار خریدار کی چیز پر قبضہ کرتا ہے۔ اگر یہ کفار کفر کے خریدار ہیں تو کس دوکاندار سے انہوں نے کفر لیا اور اس دوکاندار نے جوان سے ایمان لیا وہ مومن ہوگیا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو یہ تجارت کیوں کر درست ہوئی؟ جب یہ اس سے کفر لے کر کافر ہو چکے ہیں تو چاہیے کہ وہ دوکاندار ان سے ایمان لے کر مومن ہو جائے؟

جواب:— اس سوال کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس چیز کو خرید و فروخت فرمانا مجازاً ہے۔ ایک شئے کو چھوڑ کر دوسری چیز اختیار کر لینے کو خرید و فروخت فرمادیا گیا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ نے جنت کے عوض مسلمانوں کے جان و مال کو خرید لیا ہے۔ حالانکہ جنت بھی اللہ ہی کی ہے اور مومنین کا جان و مال بھی اسی کے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مگر شیطان نے ان کا ایمان لے کر استعمال نہ کیا، برباد کردیا۔ بہت دفعہ تاجر اپنی چیز دے دیتا ہے مگر دوسرے کی چیز نہیں لیتا۔ جیسے کوئی شخص اپنے غلام باپ یا بیٹے کو خریدے۔ وہ فروشندہ کو قیمت کا مالک کردیتا ہے مگر خود اپنے کا مالک نہیں ہوتا۔

سوال:— حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمانے میں فائدہ کیا؟ انہیں بھی مٹی ہی سے کیوں نہ بنایا؟ (بعض لوگ)

جواب:— اس میں بہت سی حکمتیں ہیں جسے اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح جانتا ہے۔

بظاہر جو فائدے ہیں وہ یہ ہیں۔ اول تو یہ کہ حوا کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرما کر اپنی قدرت کا اظہار کرنا مقصود ہے کہ اے دنیا والو! دیکھ لو میں ہوں تمہارا رب جو زندہ کو زندہ سے پیدا فرما سکتا ہے اور اس بات پر قادر ہوں کہ بغیر ماں باپ کے بھی تم کو پیدا کر سکتا ہے۔ ورنہ قانونِ قدرت یہ ہے کہ بے جان نطفے اور انڈے سے جاندار انسان یا جانور بنے۔ وہاں زندہ کو زندہ سے بنا کر دکھایا۔ دوسرے یہ کہ اس طرح کی پیدائش میں مرد عورت میں محبت و الفت قائم رہی کہ عورت مرد کا جز ہوئی اور جز سے محبت ہوتی ہے۔ اور اگر حضرت حوا رضی اللہ عنہا بھی آدم علیہ السلام کی طرح مٹی سے بنتی تو آپ کے برابر ہوتیں نہ کہ آپ کے ماتحت۔

سوال:۔۔۔ جنت میں تو بہت سی حوریں تھیں، کیا وہ آدم علیہ السلام کے لیے حلال نہ تھیں۔ اگر حلال نہ تھیں تو کیوں، وہ تو بنی ہی تھیں انسان کے لئے؟ اگر حلال تھیں تو آپ کا دل وہاں کیوں گھبرایا اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب:۔۔۔ اس وقت وہاں حوریں تھیں مگر آپ کے لیے حلال نہ تھیں کہ حوریں صرف جزا کے لیے بطور ثواب حلال ہوں گی۔ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو وہاں صرف رہنے، کھانے، پینے کی اجازت تھی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں جنت میں تشریف لے گئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام جنت ہی میں رہتے ہیں۔ وہاں کی نعمتیں کھاتے ہیں۔ شہدا کی روحیں جنت ہی میں رہتی ہیں، وہیں سے اُن کو رزق ملتا ہے۔ مگر کسی کو حوریں حلال نہیں کہ ان کی حلت (حلال ہونے) کا وقت بعد قیامت ہے۔

سوال:۔۔۔ آخر اس میں حکمت کیا تھی کہ اس وقت حوریں ہونے کے باوجود حضرت حوا پیدا کی گئیں اور حوریں علیحدہ رکھی گئیں؟

جواب:۔۔۔ اس کی حکمت بالکل ظاہر ہے کہ حوریں صرف خدمت اور راحت کے لیے ہیں نہ کہ نسل کی پیدائش کے لیے کیونکہ نسل کی پیدائش اپنی ہم جنس بیوی سے ہی ہو سکتی ہے اور حوریں بشر یا انسان نہیں۔ وہ جنت کے زعفران سے پیدا ہوئی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ اس لیے جنت میں نسل نہ ہوگی صرف جزا ہوگی۔ اور اس وقت نسل کی ضرورت تھی کہ دنیا

حضرت آدم علیہ السلام کے نسل ہی سے آباد ہونے والی تھی۔ اسی نسل کے لیے انہیں کی ہم جنس بیوی حضرت حوا پیدا ہوئیں۔ آج بھی انسان کا نکاح جنات، گائے، بھینس، جانور سے نہیں ہو سکتا کہ اس نکاح سے نسل حاصل نہیں ہوسکتی۔

سوال:۔۔۔ کم عمری میں نکاح تندرستی کے لیے بھی مضر ہے اور ازدواجی تعلقات کے لیے بھی نقصان دہ۔ جب کم عمری سے مجامعت شروع کر دیں گے تو ان میں طاقت و توانائی کیسے آئے گی؟ نیز کم عمری کے زمانے میں ان کے اخلاق کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ جوان ہو کر بدمعاش ہوں گے یا نیک۔ آج کل عام طور سے نوجوانوں کی کمزوری، گھروں کی نااتفاقیاں اس بچپن اور کم عمری کی شادیوں کی وجہ سے ہے۔

جواب:۔۔۔ شریعت نے بچپن اور کم عمری کی شادی کو واجب نہیں کہا بلکہ جائز قرار دیا۔ کم عمری میں شادی کا حکم نہیں دیا ہے، صرف چھوٹ دی ہے کیونکہ بسا اوقات اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ ماں باپ بوڑھے ہیں، اولاد نابالغ ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے مرنے سے پہلے ان کا کہیں نکاح کر دیں تاکہ ہمارے بعد ان کے ساس سسر ان کی اچھی طرح تربیت کریں اور انہیں ایک پورے خاندان کا سہارا مل جائے۔ اگر یہ ناجائز ہوتا تو یہ بوڑھے ماں باپ یہ فکر لے کر قبروں میں جاتے۔ جوانوں کی کمزوری بچپن اور کم عمری کی نکاح سے نہیں بلکہ سنیما بینی، تمباکو کا استعمال، کالج کی آزادیوں، عورتوں کی بے پردگیوں، لڑکے اور لڑکیوں کی اختلاط (ملنے جلنے) عشقیہ ناولوں، فلمی گانوں، فحش کتابوں، گندہ کہانیوں، بلیو فلموں، عریاں تصویروں وغیرہ وغیرہ کو دیکھنے کی وجہ سے ہے۔ اگر ان بچے بچیوں کی شہوتیں ان ذریعوں سے بھڑکا دی جائیں اور نکاح پر اٹھارہ سال کی پابندی لگا دی جائے، نکاح پابند رہے اور زنا آزاد تو ظاہر ہے یہ بھڑکی ہوئی شہوات حرام جگہ ہی صرف ہوگی اور اس کے نتائج جو ہوں گے وہ ہم اور آپ سب دیکھ رہے ہیں۔ چھت کا پانی پرنالہ کے ذریعہ نکال دو ورنہ چھت پھاڑ دے گا: مکان ڈھا دے گا۔ رہی گھر کی نااتفاقی، اس کی وجہ میاں بیوی کا ہر ایک کے دوسرے کے حقوق سے بے خبری ہے۔ سب کی زندگیاں اسلامی بنا دو، دیکھو پھر کیسا چین ہوگا۔ بہت جوان

لڑکے بھی اولاً نیک ہوتے ہیں۔ بعد میں بدمعاش ہو جاتے ہیں۔ اس لیے جوانوں کا ماحول درست کرو۔ انہیں اچھی صحبت دو۔ جس معاشرے میں رہنے والے نوجوان بگڑ جاتے ہیں وہ معاشرہ بگڑ جاتا ہے اور جب نوجوان سدھر جاتا ہے تو سماج و معاشرہ سدھر اور سنور جاتا ہے۔

سوال:— اسلام نے کفار و مشرکین کو اسلامستان میں مذہبی آزادی دی ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی زانی کو سنگ سار کیوں کرایا؟ انہیں مذہبی آزادی کیوں نہ دی؟ حالانکہ یہودی مرتکب زنا کو منہ کالا کر کے شہر میں پھراتے تھے مگر اسلام نے سنگ سار کا حکم دیا تو مذہبی آزادی کہاں ہوئی؟ (یہود و نصاریٰ)

جواب:— اس لیے کہ خود توریت میں بھی زنا کی سزا رجم (سنگ سار) تھی۔ یہود نے تحریف (تبدیل) کر کے یہ سزا گھڑی تھی۔ حضور نے ان پر قرآنی و اسلامی سزائیں جاری نہ کیں بلکہ خود ان پر خود ان کے دین کی سزائیں جاری فرمائیں۔ اسی لیے انہیں قرآن نہ دکھایا بلکہ ان کے پادریوں کو جمع فرما کر توریت شریف کی آیت رجم بذریعہ سیدنا عبداللہ بن سلام (جو قوم یہود کے سب سے بڑے عالم تھے اور اعلان نبوت کے بعد حضور پر ایمان لے آئے) ان کو دکھا کر رجم فرمایا۔ اب بھی اسلامی حاکم کفار پر ان کے دینی احکام جاری کرے گا۔ ان کے مقدمات ان کے مذہب کے مطابق طے کرے گا۔ لہٰذا حدیث بالکل صاف اور واضح ہے۔

سوال:— اسلام نے توبہ کا قانون رکھ کر انسان کو گناہ پر دلیر کر دیا۔ جب مجرم کو خبر ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جائیں گے تو وہ خوب گناہ کرے گا۔ سوچے گا کہ خوب گناہ کر لو، مرتے وقت توبہ کر لیں گے۔ (ستیارتھ پرکاش)

جواب:— توبہ کی امید ہی انسان کو گناہوں سے روکتی ہے۔ جب پکڑ کا اندیشہ اور معافی کی امید ہو تو انسان بہت احتیاط سے زندگی گذارتا ہے۔ اگر معافی سے ناامید کر دیا جائے تو اور زیادہ گناہ کرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ معافی تو ہونے کی نہیں، چلو دس بیس گناہ اور کر لو۔ جب تک قتل کے ملزم کو پھانسی کی سزا نہیں ملتی، اسے جیل میں آزاد رکھا جاتا ہے کیونکہ اسے چھوٹ جانے کی امید ہوتی ہے۔ مگر پھانسی کا حکم ہونے پر اسے علیحدہ کال کوٹھری میں رکھتے ہیں

اور اس کی بہت نگرانی کرتے ہیں کہ یہ رب اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہے۔ ممکن ہے دو چار اور بھی قتل کر دے، غرضیکہ مایوسی گناہ پر دلیر کرتی ہے۔ یوں ہی معافی کا یقین گناہ پر ابھارتا ہے مگر امید اور خوف انسانوں کو گناہوں سے بچاتا ہے۔ خیال رہے کہ آریہ اور ہندوؤں کے یہاں توبہ کوئی چیز نہیں، گناہ کی سزا بندے کو ضرور بھگتنی پڑتی ہے اور عیسائیوں کے یہاں توتوبہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی سولی تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ہو چکی۔ لہٰذا جو گناہ چاہو کرو یہ عیسائیوں کا نظریہ اور عقیدہ ہے۔ جو لوگ اسلام کے نظریۂ توبہ پر اعتراض کرتے ہیں وہ اپنے عقیدے پر غور وفکر کریں۔ آپ کے پاس زخم اچھا کرنے والا مرہم موجود ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اپنا زخم چاقو مار مار کر اور بڑھا لیں اور یہ کہیں کہ زخم اچھا کرنے والا مرہم میرے پاس موجود ہے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو ہر شخص آپ کو پاگل کہے گا۔ مرہم زخم کو مٹانے کے لیے ہے، بڑھانے کے لیے نہیں۔ اسی طرح توبہ اس لیے ہے کہ اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے ذریعہ اللہ سے معاف کرا لیا جائے نہ کہ توبہ کے بھروسے پر گناہ کرتے رہیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔ توبہ گناہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ گناہوں کی معافی اور شفا کے لیے ہے۔

سوال:۔۔۔ اسلام نے مسلمانوں کو ترقی سے روک دیا ہے اور کہا کہ تم دوسروں کی نعمت کی تمنا نہ کرو حالانکہ انسان کو چاہیے کہ دوسروں کے برابر بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ (آریہ اور بعض بے دین)

جواب:۔۔۔ اسلام نے دوسروں پر حسد کرنے سے روکا ہے نہ کہ ترقی کرنے سے۔ اسلام کہتا ہے کہ نیکی بھلائی کی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور ایک دوسرے پر سبقت کرو مگر حسد نہ کرو، حسد بری چیز ہے۔ ترقی کی کوششیں اچھی ہیں۔ صحابہ کرام آپس میں نیکیوں میں ایک دوسرے پر آگے نکلنا چاہتے تھے۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بڑھ جانے کی ہمیشہ کوشش فرماتے تھے مگر بڑھ نہ سکتے تھے۔ حضور فرماتے ہیں کہ جو کسی کو نیکیاں کرتے دیکھے اور تمنا کرے کہ میں بھی ایسی نیکی کرتا تو حشر میں دونوں

ساتھ اٹھیں گے۔ یہاں ان صفات کی تمنا کرنا مراد ہے جو اللہ نے دوسروں کے ساتھ خاص کر دی ہوں، جیسے نبوت، ولایت، قطبیت یا میراث میں دوگنا حصہ، غیر اہل کو اس کی تمنا کرنا حرام، یہ ناممکن تمنا ہے نہ کہ ترقی سے رکنے یا روکنے کی۔

سوال:— مردوں کو حاکم اور عورتوں کو محکوم قرار دینا ظلم ہے۔ مرد، عورت دونوں اللہ کے بندے ہیں، برابر ہونا چاہئے۔ (موجودہ آزاد خیال)

جواب:— اس سوال کا جواب دے دیا گیا ہے۔ یہاں بس اتنا ہی سمجھ لو کہ جسم کے اعضا برابر نہیں۔ آسمان کے تارے یکساں نہیں۔ درخت میں جڑ، شاخیں برابر نہیں۔ ملک میں بادشاہ اور رعایا برابر نہیں۔ امیر و غریب برابر نہیں۔ پھر مرد و عورت برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ فرق مراتب پر دنیا قائم ہے۔ عورت کو مرد کا وزیر بنایا گیا ہے اس میں اس کی عزت ہے۔ اسے ذلیل نہیں کیا گیا۔ اسلام نے دنیا کے ہر مذاہب سے زیادہ عورت کو عزت دی ہے۔ اسلام کے آنے سے پہلے عورت بے وقار تھی۔ بازاروں میں جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اسے زندہ زمین میں دفن کیا جاتا تھا۔ حیض و نفاس کے ایام میں اسے اچھوت سمجھا جاتا تھا۔ مرد کی چتا پر اسے زندہ جلا کر راکھ کر دینا ایک مذہبی فریضہ سمجھا جاتا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ اسلام نے اسے معاشرہ میں عزت کا مقام دیا۔ عورت اگر ماں ہے تو اس کے قدموں میں جنت ہے، بہن ہے تو باپ کی جائیداد مین اسے حصے دار بنایا، بیوی ہے تو اس کے ساتھ محبت پیار کا سلوک کرنے کا حکم دیا، بیٹی ہے تو اسلام نے فرمایا جب تم کھانے پینے کی کوئی چیز لاؤ تو سب سے پہلے بیٹی کو دو، بعد میں بیٹے کو۔ جو لوگ اسلام کی تعلیمات سے بے خبر ہیں وہ ایسے ہی بکواسیں کرتے رہتے ہیں۔

سوال:— اسلام میں مرد عورتوں سے افضل ہیں تو کیا ہم جیسے گنہگار مرد حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہما جیسی عورتوں سے افضل ہیں؟

جواب:— یہاں مردوں سے مراد خاوند ہیں۔ عورتوں سے مراد بیویاں ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ و خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہما جیسی ہستیوں کا تقابل اپنی ذات

سے نہ کرو بلکہ کہو کہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا سے باب العلم حضرت مولیٰ علی شیر خدا افضل ہیں کہ ان کے خاوند ہیں اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں۔

سوال:۔۔۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا مومنہ تھیں اور ان کا خاوند فرعون کافر تھا، تو کہا جا سکتا ہے کہ فرعون کافر حضرت بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا سے افضل تھا۔ اب بھی بعض بیویاں نیک ہوتی ہیں اور خاوند فاسق و بدکار تو کیا نیک بیویاں اپنے فاسق و فاجر بدکار خاوند سے افضل ہیں؟

جواب:۔۔۔ خاوند اگر چہ فاسق بلکہ کافر ہو، بیوی اگر چہ مومنہ صالحہ نیک متقی پرہیز گار ہو مگر دنیاوی احکام میں خاوند حاکم ہے۔ بیوی پر خاوند کی ہر جائز احکام ماننا لازم ہے۔ شریعت اسلامیہ میں تو کافر مرد کی عورت مومنہ ہو سکتی نہیں اگر مرد کافر ہو جائے تو اس کی مومنہ بیوی اس کی نکاح سے خود بخود خارج ہو جائے گی۔ جن شریعتوں میں کافر و مومن کے نکاح درست تھے ان میں بھی خاوند حاکم تھا اور بیوی محکومہ تھی۔ رہی اُخروی فضیلت تو یہ مسلمان بیوی ہی کو حاصل ہے نہ کہ کافر خاوند کو۔ اسی لیے اسلام نے دنیاوی برتری کا ذکر فرمایا ہے۔

سوال:۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے خاوند کو بیوی پر فضیلت و بزرگی کیوں دی؟ اس کے برعکس بیوی کو خاوند پر عظمت و فضیلت دی ہوتی اور خاوند کا خرچہ بیوی کے ذمہ رکھا ہوتا۔ (بعض لوگ)

جواب:۔۔۔ اس لیے کہ مرد اصل ہے، عورت شاخ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حضرت حوا پیدا ہوئیں۔ اصل اپنی فرع سے افضل ہونا چاہئے۔ نیز عورتوں پر ماہواری اور سال ایسے عوارض وارد ہوتے ہیں کہ اس وقت وہ کسی محنت و کاروبار کے لائق نہیں ہوتیں۔ ماہواری بچے کی پیدائش پر نفاس، پھر بچے کی پرورش، اسے دودھ پلانا وغیرہ عورت کو دوسرے کاموں کے لائق نہیں رہنے دیتے۔ اگر مرد کا خرچ بیوی کے ذمہ ہوتا تو بہت سی دشواریاں ہو جاتیں۔ نیز بچے کی پرورش ماں کے ذمہ ہوتی ہے اگر مال و دولت کمانا بیوی کے ذمہ ہوتا تو باپ بالکل آزاد رہتا۔ یہ بھی عورت پر ظلم ہوتا۔ اس لیے اللہ نے جانی پرورش ماں پر، مالی پرورش باپ پر رکھی۔

سوال:۔۔۔ بیوی کو مارنا اس پر ظلم ہے پھر اس کی اجازت کیوں دی گئی؟ (عیسائی)

جواب:— ظلم نہیں بلکہ اس کی اصلاح ہے جیسے کبھی اپنے بچوں اور شاگردوں کو مارنا اصلاح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر وہ اطاعت کرنے لگ جاویں تو ان پر مار پیٹ کی راہ نہ ڈھونڈھو۔ اسلام نے غلط حرکت پر بیوی کو مارنے کا حکم ضرور دیا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ تکلیف دہ مار نہ مارو۔ نافرمان عورت کو ایک دم طلاق دینے سے بہتر تو یہ ہے کہ آہستگی سے اس کی اصلاح کردی جائے۔ گھر نہ ٹوٹنے دیا جائے اس پر ظلم وستم نہ کرو کہ وہ خودکشی پر مجبور ہو۔ اسلام عورتوں کے ساتھ ہونے والی تمام زیادتیوں سے سختی سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ جس گھر میں عورت پر ظلم وستم، زیادتی ہوتی ہے اس گھر سے خیر وبرکت چلی جاتی ہے اور اس گھر کا دورِ زوال شروع ہو جاتا ہے۔ آج یورپ، امریکہ میں بات بات میں طلاقیں ہو رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے ملک میں خاوندوں کو عورتوں کی اصلاح کی اجازت نہیں۔ عورت آزاد ہے، مرد بھی آزاد۔

سوال:— آج کل مسلمان ولیوں، نبیوں کو پوجتے ہیں۔ ان کی قبروں پر چڑھاوے، قبریں چومنا، قبروں پر چادریں چڑھانا، ان کا احترام کرنا، یہ سب ان کی عبادت ہے۔ کفار ومشرکین بتوں کو پوجتے تھے اور یہ قبروں کو۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ صرف اللہ کو پوجو۔

(وہابی، نجدی)

جواب:—اس سوال کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر چڑھاوا چڑھانا، چومنا، ادب کرنا عبادت ہے تو کعبہ شریف پر غلاف چڑھانا کعبہ کی عبادت ہوئی۔ مقام ابراہیم پر بوسہ دینا اس پتھر کی عبادت ہوئی۔ سنگ اسود اور علمائے دیوبند کے ہاتھ چومنا، یہ سب عبادتیں ہوئیں اور سب غیر اللہ کے پجاری ہوئے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ عبادت ہر وقت وہ تعظیم ہے جو کسی کو خدا کی مثل مان کر کی جائے۔ جب تک کہ عقیدہ نہ ہو کوئی تعظیم عبادت نہیں ہوتی۔ عبادت میں اپنی عبدیت اور دوسرے کی معبودیت کا عقیدہ ضروری ہے۔

سوال:— تو پھر مشرکین عرب بھی مشرک نہ رہے کیونکہ وہ اپنے بتوں اور جھوٹے

معبودوں کو رب کا بندہ ہی مانتے تھے اور کہتے تھے خدایا تیرا کوئی شریک نہیں سوائے ایک شریک کے جو وہ بھی تیرا بندہ ہی ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اگر تم ان مشرکوں سے پوچھو کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیے تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ اگر تم پوچھو کہ بارش کون برساتا ہے، روزی کون دیتا ہے تو کہیں گے اللہ۔ جب وہ لوگ آسمان و زمین کا خالق و مالک اور روزی رساں صرف خدا کو مانتے تھے تو پھر مشرک کیوں ہوئے؟ اس وجہ سے کہ وہ اپنے بتوں کو غیب داں، فریادرس وغیرہ وغیرہ مانتے تھے؟ یہی عقیدہ تم سنی انبیا اولیا کے لیے رکھتے ہو لہٰذا تم بھی انہیں کی طرح مشرک ہو۔ (وہابی، اہلحدیث)

جواب:— مشرکین عرب اپنے بتوں کو خدا کی مثل مانتے تھے۔ چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ بعض بتوں کو مستقل بالذات خالق بے نیاز مانتے تھے جیسے مجوسی، اہرمن اور یزداں کو خیر و شر کا خالق مانتے ہیں۔ بعض مشرکین اپنے بتوں کو خدا کا بندہ، مملوک، مقبوض مان کر پھر انہیں خدا کی طرح مانتے تھے کہ پیدا ہونے میں یہ بت خدا کے محتاج ہیں اور دنیاوی انتظام میں خدا ان کا محتاج۔ حاجت مندی اور مشکل کشائی میں یہ بت اور خدا برابر ہیں۔ خدا سے برابری کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ بندہ کو اونچا کر کے خدا تک پہنچا دیا جائے، دوسرے یہ کہ خدا کو نیچا کر کے بندوں کے صف میں داخل کر دیا جائے۔ یہ مشرک بتوں کو خدا کا محتاج مان کر اسے بندوں کے برابر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مشرک ہیں۔ بہر حال شانِ بے نیازی خدا کی صفت ہے، نیازمندی بندے کی صفت۔ فرقِ الوہیت اور بندگی اسی سے ہے۔

سوال:— جب اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا تو کفار کی نیکیاں برباد کیوں کر دیتا ہے؟ انہیں ان کا ثواب کیوں نہیں دے گا؟ (آریہ)

جواب:— کفار کی نیکیاں دراصل نیکیاں ہی نہیں کیونکہ قبولیت نیکی کے لیے ایمان شرط ہے۔ بغیر ایمان کوئی عمل یا نیکی خدا کے یہاں قابل قبول نہیں۔ پھر انہیں ثواب کس چیز کا دیا جائے۔ بغیر وضو نماز نہیں ہوتی، بغیر ایمان نیکی قبول نہیں ہوتی۔ گھنا ہوا دانہ پودا نہیں اگاتا، زہریلا کھانا نفع نہیں پہنچاتا، بدمزہ آٹا روٹی پکانے کے لائق نہیں۔ کفار کی نیکیوں کا بدلہ دنیا کی

نعمتیں ہیں، وہ یہاں اللہ کی نعمت کھا پی لیتے ہیں۔ دنیا میں عیش و آرام کر لیتے ہیں۔ یہ انہیں دنیا ہی میں بدلہ مل گیا۔ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ مومن کے لیے معاملہ برعکس ہے۔

سوال:— دنیا میں جن قوموں پر عذاب آیا اس عذاب میں چھوٹے بچے، جانور بھی ہلاک کر دیئے گئے۔ انہوں نے کیا قصور کیا تھا؟ ان کو بغیر جرم ہلاک کرنا ظلم ہے حالانکہ قرآن میں ہے اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلعَبِید. بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرّہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ (آریہ)

جواب:— دنیاوی عذاب کفار کے لیے عذاب ہوتے ہیں اور بے قصور انسانوں کے لیے رحمت الٰہی کا ذریعہ کہ اس کے عوض انہیں آخرت میں اچھے بدلے دیئے جائیں گے۔ رہے جانور، تو ان کا وجود انسانوں کے لیے تھا۔ جب انسان ہی نہ رہے تو ان سامانوں کی کیا ضرورت تھی اس لیے وہ ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ہلاکت ان کے لیے عذاب نہیں۔

سوال:— دنیا میں چھوٹے، ناسمجھ بچوں اور دیوانوں پر بیماریاں، تکلیفیں کیوں آتی ہیں؟ انہوں نے کون سا قصور کیا ہے؟ بغیر قصور انہیں تکلیف دینا ظلم ہے اور خدا کبھی ظلم نہیں کرتا۔ (آریہ)

جواب:— دنیا کی تکلیف عذاب نہیں، یہ ملکی انتظام ہے۔ نظامِ عالم اسی سے قائم ہے کہ بعض امیر ہوں، بعض غریب ہوں۔ بعض آرام میں ہوں، بعض تکلیف میں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو قیامت تک پیدا ہونے والی ان کی ذریات کو دکھایا گیا تو آپ نے دیکھا کہ کوئی اندھا ہے، کوئی لنگڑا، کوئی بہرا ہے، کوئی لولا، کوئی تندرست ہے، کوئی بیمار، کوئی رو رہا ہے تو کوئی ہنس رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! تیرے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، تو نے سب کو تندرستی کیوں نہیں دیا؟ سب کو ہی مال و دولت سے نوازا ہوتا تو تیرے خزانے میں کچھ بھی کمی نہیں ہوتی۔ فرمایا: اے آدم، اگر میں سب کو تندرستی ہی دوں، بیماری کسی کو نہ دوں تو میرا نام کون لے گا۔ سب کو یکساں کر دوں، کوئی غریب نہ رہے تو میرا شکر کون ادا کرے گا، اور مزدوری کون

کرے گا۔اس لیے ہم نے امیری وغریبی، صحت اور بیماری پیدا کی ہے تاکہ دنیا کا یہ نظام چلتا رہے۔ پنڈت جی! اگر آپ خزانوں کے مالک ہوتے تو گھر باڑ چھوڑتے۔ مصیبتیں اور بیماریاں آنا یہ سب نظامِ قدرت میں سے ہیں۔ پنڈت جی! تم جو اپنے بچوں کو اسکول بھیجتے ہو، ان پر سختی پابندی کی قید لگاتے ہو۔انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ یہ پابندیاں، سختیاں عذاب نہیں، آئندہ ترقی کا ذریعہ ہیں۔دنیا کی ہر تکلیف کو عذاب سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

سوال:۔۔اس کی کیا وجہ ہے کہ کسی نبی پر سارے ایمان نہ لائے؟ بعض انبیائے کرام کے دو چار ہی امتی ہوئے؟ ہر نبی کے مقابلے میں کفار ضروری ہیں؟

جواب:۔۔اس میں نبی کی طاقت دکھانا مقصود ہے۔اگر پہلوان کا مقابل ہی کوئی نہ ہوتو اس کی طاقت کا پتہ کیسے چلے گا۔ظلمت سے نور، جہالت سے علم، کفر سے ایمان، باطل سے حق، مخالفین سے نبوت کی شان نظر آتی ہے۔آج حضور کا چرچہ زیادہ اس وجہ سے بھی ہے کہ آپ کے مخالف اور آپ کا ذکر روکنے والے، شانِ نبوت گھٹانے والے بہت ہیں۔کسی پیغمبر پر تمام لوگ ایمان نہ لائے، ہر نبی کے بعض منکر ضرور رہے۔آج بھی کسی عالم یا شیخ طریقت کو سب نہیں مان سکتے۔دنیا میں مخالفین کا ہونا بھی ضروری ہے۔اس سے بیداری رہتی ہے۔اعمال میں نکھار ہوتا ہے۔غفلتیں دور ہوتی ہیں۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

جس عالم یا شیخ کو سب لوگ مانیں اور اس کا کوئی مخالف نہ ہو تو سمجھو کہ ایسا آدمی منافق ہے۔جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ صحابہ کرام نے ایک آدمی کی بہت ہی تعریف کی اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص اتنا اچھا ہے کہ آج تک اس کا کوئی مخالف نہیں۔فرمایا ایسا شخص جہنمی ہے۔اگر وہ حق بات کہتا تو ضرور لوگ اس کی مخالفت کرتے۔اس نے سچائی اور حق کو چھپایا ہوگا۔لوگوں کے ہاں میں ہاں ملایا ہوگا۔اس لیے اس کا کوئی مخالف نہیں۔یہ حدیث ہم سب کے لیے باعث عبرت ہے۔نبیوں، ولیوں، صالحین اور علمائے حق کے مخالف اور دشمن

ہمیشہ رہے ہیں۔ جس عالم کا کوئی بے دین مخالف اور دشمن نہ ہو وہ عالم خود بے دین اور منافق ہے کہ اپنے منافقت اور پلپلے پن سے تمام بے دینوں کو راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اے لوگو! صرف اور صرف اللہ سے ڈرو اور حق بات کہو خواہ اس سے تمہارے عزیز و اقارب رشتہ دار کو تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔

سوال:— اللہ اور رسول کی اطاعت صرف مسلمانوں پر ہی ضروری ہے تو اسلامی حکومت میں کفار کو کھلی اجازت ہے کہ وہ چوریاں، ڈکیتیاں کرتے رہیں اور ان سے کچھ کہا نہ جائے اور وہ یہ کہہ دیا کریں کہ ہم مسلمان ہی نہیں اس لیے ہم پر قرآن و احادیث کے احکام جاری ہی نہیں۔ اس دنیا میں پھر امن و امان کیسے قائم ہو؟

جواب:— اسلامی عبادات کے مکلّف صرف مسلمان ہی ہیں۔ رہے معاملات اور ملکی قوانین تو وہ سارے انسانوں پر جاری ہوں گے، خواہ مومن ہو یا کافر جن کی خلاف ورزی کرنے پر سب کو سزا ملے گی۔ مگر ان قوانین پر پابندی کرنے میں آخرت کا ثواب صرف مسلمان ہی کو ہے، کفار کو نہیں۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول کی اطاعت کرو اور حاکموں کی۔ جس سے پتہ چلا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ سلطان حکام اور حکمرانِ وقت کی اطاعت واجب ہے تو جناب امام حسین نے یزید کی اطاعت کیوں نہ کی اور اپنی جان کیوں دے دی۔ یزید نے انہیں نماز روزہ سے نہیں روکا تھا صرف اپنی بیعت کا انہیں حکم دیا تھا۔ (خوارج وغیرہ)

جواب:— ایک ہے کسی کو اپنا حاکم اور سلطان بنانا، اور ایک ہے بنے ہوئے حاکم و سلطان کی اطاعت کرنا۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ہمیں بنے ہوئے سلطان و حکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں، نہ کہ بدکاروں اور فاسقوں کو اپنا بادشاہ یا حاکم بنانے کا۔ وہاں یزید پلید بے دین، بے شرع فاسق و فاجر کو خلیفہ (حاکم) بنانے کا سوال تھا اور آپ کی بیعت پر اس کا خلیفہ اور حاکم بننا موقوف تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

فاسق وفاجر بے شرع، بدعمل، بدکردار کو حاکم بنانا شرعی قانون کے خلاف ہے۔

استقامت پہ فدا ہیں تری اے دست حسین
نہ گیا ہاتھ میں بے دین کے بیعت کے لئے

سوال:۔۔۔ اگر ہر گنہگار مجرم کو ہر جرم اور گناہ کے بدلے حضور کے دربار میں حاضر ہونا ضروری ہوتا تو یہ تکلیف طاقت سے باہر ہوتی کیونکہ مدینہ ہزاروں میل ہم سے دور ہے۔ ہر گناہ کے بعد ہم وہاں کیسے پہنچیں؟

جواب:۔۔۔ یہاں حاضری سے عام حاضری مراد ہے۔ خواہ جسمانی ہو یا دلی یا روحانی۔ جوازِ نماز کے لیے کعبہ شریف تک پہنچ جانا ضروری نہیں، یہاں رہتے ہوئے بھی رخ ادھر کر دینے سے نماز ہو جاتی ہے۔ حضور قبلہ دعا ہیں کعبہ توبہ ہیں۔ دل کا رخ جہاں سے اس طرف کر دو گے کام بن جائے گا۔ سورج کا نور (روشنی) لینے کے لیے چوتھے آسمان پر جانا لازم نہیں۔ جہاں بھی اس کے سایہ روشنی میں آ جاؤ روشنی مل جائے گی۔ حضور آسمانِ قبولیت کے سورج ہیں۔ رب نے آپ کو سراجاً منیراً فرمایا یعنی چمکنے والا سورج۔ جہاں بھی رہو ان کے نگاہِ عنایت میں رہو، بیڑا پار ہو جائے گا۔ ان سے توسل ان کے دربار کی حاضری ہی تصور کیا جائے گا۔

اللہ کی رحمت ہر جگہ ہے مگر ہر جگہ نہیں ملتی۔ ریل گاڑی ساری لائن سے گذرتی ہے مگر ملتی اسٹیشن پر ہے۔ حضور کا آستانہ عالیہ رب کی رحمت پانے کا اسٹیشن ہے۔ امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ایک بار فرمایا تھا کہ اس دروازۂ شہر (بیت المقدس) سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور وہاں جا کر عرض کرو کہ مولیٰ ہم کو بخش دے، تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔ دیکھو وہاں اسٹیشن (بیت المقدس) ہی پر بھیجا گیا تھا۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

سوال:— قرآن میں ہے کہ تم موت کے ڈر سے بچنے کے لیے لو ہے کے ایک محفوظ قلعے میں بند ہو جاؤ تو بھی موت سے تم نہیں بچ سکتے ہو۔ معلوم ہوا کہ موت ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔ اس سے کہیں امان نہیں۔ تو حضرت عیسیٰ اور ادریس علیہما السلام موت سے کیسے بچ گئے کہ وہ تو چوتھے آسمان پر پہنچ گئے اور ادریس علیہ السلام جنت میں زندہ ہی داخل ہو گئے اور موت سے بچ گئے۔ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ (بعض ناداں)

جواب:— وہ دونوں حضرات بھی موت سے نہیں بچے۔ ادریس علیہ السلام تو موت پا کر پھر زندہ ہو کر جنت میں گئے اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لا کر زمین پر چالیس سال رہ کر وفات پائیں گے اور ہمارے حضور کے روضے میں دفن ہوں گے۔ وہ جگہ آج بھی روضۂ مطہرہ میں محفوظ و برقرار ہے۔ مسلمان کا ان دونوں بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ نہیں کہ انہیں موت نہیں۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام جنت میں رہے پھر وہاں سے آ کر دنیا میں رہ کر انہوں نے وفات پائی۔ کچھ تفسیر کے حوالوں سے قبر آدم کا پتہ چلتا ہے۔ بعض کہتے ہیں بوقیس کے پہاڑیوں میں ہے۔ بعض کہتے ہیں میدانِ منی میں مسجد خیف کے پاس ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب.**

سوال:— جسے خدا گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ان کا ایمان لانا ناممکن ہے۔ پھر انہیں تبلیغ احکام، تبلیغ اسلام کیوں دی جاتی ہے؟ (آریہ)

جواب:— اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ رکھنا چاہے تو تم رب تعالیٰ کا مقابلہ کر کے اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ لیکن اگر کسی گمراہ کو رب تعالیٰ ہماری تبلیغ سے ہدایت دے دے تو ہدایت تو رب تعالیٰ دے گا مگر ثواب ہم کو بھی مل جائے گا۔ مبلغ کو تبلیغ کا ثواب ضرور ملتا ہے۔ سامنے والا ہدایت پائے یا نہ پائے۔ حکیم مریض کا علاج مرتے دم تک کرتا ہے مریض اگر مر بھی گیا تو حکیم کی دوا کی قیمت اور فیس ضرور ملے گی۔

سوال:۔۔۔ حضرت علی شیرِ خدا صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے افضل ہیں کیونکہ مجاہد غیر مجاہد سے افضل ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بمقابلہ صدیق اکبر زیادہ جہاد کئے ہیں تو وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل ہوئے؟ (شیعہ حضرات)

جواب:۔۔۔ پھر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہونا چاہیے کہ حضرت علی نے حضور سے زیادہ جہاد کیے کہ حضور کے ساتھ بھی جہادوں میں جاتے تھے اور بہت دفعہ حضور آپ کو جہاد میں بھیج دیتے تھے، خود نہ جاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان جہادوں میں ضرور شریک ہوئے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور جن میں حضور تشریف نہ لے گئے ان میں خود حضور نے جناب ابوبکر صدیق کو اپنی صحبت و خدمت میں رکھا۔ یہ صحبت و خدمت ان کے لیے جہاد کی شرکت سے کہیں افضل و اعلیٰ تھی۔ افضلیت تو حضور کی رضا جوئی سے ملتی ہے۔ تیسرے یہ کہ خلافت صدیقی و فاروقی کے زمانے میں بہت جہاد ہوئے اور حضرت علی کے زمانے میں کفار سے کوئی جہاد نہ ہوا جیسا کہ تاریخ داں حضرات پر ظاہر ہے۔ لہٰذا پھر بھی وہ دونوں حضرات رہے۔ چوتھے کہ حضرت صدیق اکبر مدینہ پاک میں رہ کر بھی مجاہد رہتے تھے۔ تبلیغ دین کی خدمات برابر کرتے رہتے تھے۔ آپ کی تبلیغ سے حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عثمان بن مظعون رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ ایمان لائے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں ہی سے اسلام قبول کئے۔ خیال رہے عشرۂ مبشرہ (وہ دس افراد کا مقدس گروہ جن کو اللہ کے رسول نے دنیا میں جنت کی بشارت دی) یہ حضرات قطعی جنتی ہیں۔ اس مبارک جماعت کے اکثر و بیشتر حضرات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اسلام لائے۔ بے شک تمام صحابہ کا امت میں اونچا مقام ہے۔ کوئی ولی غوث قطب ان کے درجات و مراتب کو نہیں پہنچ سکتا مگر حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وہ شان عظیم ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل اور اونچا انہیں کا مقام ہے۔ افضل البشر بعد الانبیا انہیں کی شان میں حضور نے فرمایا ہے۔

کعبے کی زیارت کرنے سے حقدار جنت بنتے ہیں
بھلا ان کو ہم کیا سمجھیں جو یار کے گھر میں رہتے ہیں

سوال:— نماز اپنے وقت میں فرض ہے تو حجاجِ کرام حج کے دن عصر کی نماز ظہر کی وقت میں کیوں پڑھتے ہیں؟

جواب:—اس تاریخ میں حاجی کے لیے نماز ظہر پڑھتے ہی عصر کا وقت آجاتا ہے۔ آج اس کے لیے وقت عصر یہی ہے۔ جیسے نماز عشا پڑھتے ہی نمازِ وتر کا وقت ہو جاتا ہے اور جس نے ابھی عشا نہ پڑھی ہو اس کے لیے ابھی وتر کا وقت نہیں ہوا۔ یوں ہی عشا پڑھ کر سونے کے بعد جب آنکھ کھل جائے تو وقت تہجد اس کے لیے ہو جاتا ہے مگر جس نے ابھی عشا نہ پڑھی ہو وہ ابھی سویا نہ ہو اس کے لیے یہ وقت تہجد نہیں۔ اسی طرح غیر حجاج کے لیے یا جو حاجی ظہر بغیر جماعت ادا کرے اس کے لیے ابھی وقت عصر نہیں ہوا۔ مگر جو حاجی جماعت سے ظہر پڑھ لے اس کے لیے وقت عصر ظہر پڑھتے ہی آ گیا۔ یہ قاعدہ خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے۔

سوال:— ناک، کان مردوں کو چھدوانے میں کیا حرج ہے؟ ہم جانوروں کے ناک، کان چھید کر اس میں ناتھ ڈالتے ہیں، عورتوں کے ناک کان چھید کر اس میں زیور پہناتے ہیں۔ کیا یہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی ہے اور کیا یہ حرام ہے؟ (بعض فیشن پرست)

جواب:— یہاں وہ کان چھیدنا مراد ہے جو بتوں کے نام پر چھوڑے جانے کی علامت ہو۔ کفر کی علامت بھی کفر ہے۔ زنار (جنوئی) ایک دھاگہ ہے مگر اس کا باندھنا کفر ہے کہ یہ کفر کی علامت ہے۔ جانوروں کی ناک میں سوراخ کرنا یہ ضرورت کی علامت ہے۔ اس سے جانوروں کی رسی ڈال کر قابو میں کیا جاتا ہے۔ عورتوں کی ناک کان چھیدنا زینت کے لئے، اسے کفر سے کوئی نسبت نہیں۔ رہا آج کل ہمارے کچھ نوجوان ماڈرن بننے کے شوق میں ناک کان چھیدوا کر سونے چاندی کی بالیاں پہنتے ہیں، عورتوں کی طرح زیب و زینت کرتے ہیں۔ ایسے مردوں پر اللہ و رسول کی لعنت ہے جو مرد ہو کر عورتوں کی وضع قطع اختیار کرتے ہیں۔ اور ان عورتوں پر بھی اللہ و رسول نے لعنت برسائی ہے جو عورت ہو کر مردوں کی وضع قطع اختیار

کرتی ہیں۔ خیال رہے کہ ہمارے بعض نوجوان ہاتھوں میں کڑے یا دھاگہ وغیرہ باندھتے ہیں اور اس کو کسی مذہبی مقام سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ ہر وہ چیز جس سے ایک مسلمان کی پہچان ختم ہو جائے، اس کا استعمال جائز نہیں۔

ہائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

سوال:— اگر اللہ کی تخلیق کو تبدیل کرنا ممنوع ہے تو چاہیے کہ حجامت کرانا، ختنہ کرانا، بکرے یا بیل کو خصی کرنا، مہندی وغیرہ کا خضاب لگانا سبھی حرام ہو جائے کہ ان سب میں اللہ کی تخلیق کو بدلنا ہوا جس طرح اللہ نے پیدا کیا ہے اسی طرح رہنا چاہیے؟ (جہلا)

جواب:— ہم حکم کے بندے ہیں۔ جن تبدیلیوں کا رب نے حکم دیا ہے وہ تبدیلیاں کرنا عبادت ہے۔ جن تبدیلیوں سے منع فرمایا وہ تبدیلی حرام ہے۔ داڑھی کے بال منڈوانا حرام، زیر ناف کے بال نہ مونڈنا حرام۔ حالانکہ بظاہر یہ دونوں بال ہی ہیں۔ حلال جانوروں کو خصی کرنا گوشت اچھا ہونے کا ذریعہ ہے۔ یہ جائز ہے حتیٰ کہ خصی جانوروں کی قربانی جائز ہی نہیں بلکہ افضل ہے۔ بیل، بھینسے کو خصی کرنا انہیں فربہ اور طاقتور کرنے کا ذریعہ ہے۔ کتے وغیرہ حرام جانوروں کو خصی کرنا بلاوجہ ہے۔ لہٰذا حرام ہے۔ غرضیکہ تغیر خلق اللہ میں عقل کو دخل کم ہے۔ عبادت، عادت، کفر و اسلام میں فرق کرنے والی چیز زبانِ پاک مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اس زبانِ پاک نے جسے عبادت کہہ دیا وہ عبادت بن گیا، جسے کفر فرما دیا وہ کفر ہو گیا۔ داڑھی رکھنا سنت اور شعائرِ اسلام ہے اور سر پر چوٹی رکھنا کفر ہے اور اہلِ ہنود کی مذہبی علامت ہے۔ آبِ زم زم کی تعظیم عبادت و ثواب ہے، گنگا کے پانی کی تعظیم کفر اور عذاب ہے۔ یہ فرق ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

سوال:— جب اللہ تعالیٰ نے ہی کفار و مشرکین کے دلوں پر مہر لگا دی جس سے وہ ایمان لا سکتے ہی نہیں تو پھر وہ سزا کے مستحق کیوں ہوئے؟ وہ تو کافر رہے اس مہر کی وجہ سے جو رب نے ان کے دلوں پر لگا دی۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ وہ اس کے مجرم ہیں کہ انہوں نے کفر و شرک کر کے اپنے دلوں پر مہر لگوالی۔ مہر لگنے کے اسباب انہوں نے ہی جمع کئے جیسے ہم کسی کو تلوار ماریں اور رب تعالیٰ اسے موت دے دے تو موت تو رب نے دی مگر اسبابِ موت ہم نے جمع کئے۔ لہٰذا ہم مجرم ہیں۔ ایسے ہی یہاں ہے۔

سوال:۔۔۔ کسی انسان کا دوسرے کے ہم شکل ہونا قانونِ قدرت کے خلاف ہے، نیز بلاقصور کسی کو جنابِ عیسیٰ کے ہم شکل کر کے سولی دلوا دینا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ان دونوں عیبوں سے پاک ہے۔ (مرزائی)

جواب:۔۔۔ اس سوال کا جواب دیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف اتنا ہی سمجھ لو کہ رب تعالیٰ قانون کا پابند نہیں۔ وہ قادر مطلق بھی ہے۔ بہت جگہ ہم شکل اور تبدیلی شکل ہوتی رہتی ہے۔ ططیانوس منافق تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کا چھپا دشمن۔ یہ دو جرم اس سزا کے لائق تھے اس لیے اللہ نے اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا جسے لوگ عیسیٰ مسیح سمجھ کر سولی پہ لے جا کر چڑھا دیا۔

سوال:۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کے قصے قرآن مجید میں کیوں بیان نہ فرمائے؟ جب یہ کتاب کامل ہے تو یہ کام بھی کامل ہی ہونا چاہئے۔ (عیسائی، یہودی)

جواب:۔۔۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کا اظہار ہے کہ جن نبیوں کو حضور نے چمکا دیا وہ چمک گئے، جن کا ذکر نہ فرمایا ان کے نام و نشان دنیا سے غائب ہو گئے۔ آج حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے نام و کام اس لیے مشہور ہیں کہ انہیں حضور نے مشہور فرما دیا۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

سوال:۔۔۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی کے نبی ہیں تو قرآن میں صرف انسانوں ہی سے خطاب کیوں ہے اور صرف انہیں کو ایمان کا حکم کیوں ہے؟

جواب:۔۔۔ جس کے مطلب کی بات کہی جائے اس کو پکارا جاتا ہے۔ حکیم و طبیب بیماروں سے کہتا ہے اے بیمارو! یہ دوا بڑی مفید ہے۔ کوئی عالم کسی کتاب کا اعلان کرتا ہے،

اے طالب علمو! یہ کتاب بڑی شاندار ہے۔ چونکہ رب تعالیٰ یٰـاَیُّھَا النَّاس. یعنی اے لوگو! کہہ کر حضور کے میلاد پاک کا اعلان فرما رہا ہے اور آپ کی ولادتِ پاک تو سارے جہان کے سارے انسانوں کے لیے مفید ہے۔ لہٰذا کسی خاص جماعت کو نہیں پکارا بلکہ ''اے لوگو!'' کہہ کر سارے انسانوں کو پکارا۔ یہ ندا حضور کی نبوتِ عامہ کی دلیل ہے۔ جس طرح رب کی ربوبیت تمام مخلوق کے لیے عام ہے اسی طرح نبی کی نبوت تمام مخلوق کے لیے عام ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق، جن وانس، حیوانات، نباتات، چرند و پرند، ملائکہ، فرشتوں وغیرہ کے نبی ہیں۔ حتیٰ کہ تمام انبیائے کرام کے بھی آپ امام اور نبی ہیں۔ آپ اصل بالذات نبی ہیں اور تمام انبیائے کرام آپ کے صدقہ و طفیل میں۔ مگر چونکہ انسان آپ کے اصل مقصود ہیں، مخاطب ہیں اور تمام مخلوق انسان کے تابع ہے اسی لیے قیامت تک کے لیے سارے انسانوں سے خطاب ہے۔ کیونکہ حضور پر ایمان لانا سارے انسانوں پر لازم وضروری ہے۔ نیز انسان اشرف المخلوقات ہے۔ جب انسان پر حضور کی اطاعت واجب ہوگئی تو دوسری مخلوق پر بھی واجب ہوگئی۔ نیز تمام مخلوقات میں بڑے بڑے گناہ اور جرائم انسان ہی کرتا ہے۔ کبھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے، کبھی رب کے لیے بیوی، بچے تسلیم کرتا ہے، کبھی اس کی ذات میں مخلوق کو شریک کر کے بت پرستی کرتا ہے۔ جانور یہ حرکتیں نہیں کرتے۔ رب کی مرضی یہ تھی کہ اس مجرم جماعت کو ایک ایسی نعمت دے دی جائے جس سے وہ ملائکہ کا مخدوم بن جائے اور اشرف المخلوقات ہونا اسے سج جائے۔ جیسے رب نے بھینس کو دودھ، شہد کی مکھی کو شہد، ہرن کو مشک، سیپ کو موتی بخشا جس سے یہ چیزیں قابل قدر ہوگئیں۔ اسی طرح انسان کی عزت ووقار حضور کی برکت سے ہوئی۔ انسانیت کو جو بلندی ملی وہ آپ کے طفیل ملی۔ انسان اگر اشرف ہوا تو اس وجہ سے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم انسانِ کامل بن کر آئے اس لیے پوری نسل انسانیت باوقار ہوگیا۔

جب سے دیکھا ہے لباس بشری میں تجھ کو
ہر فرشتے کی تمنا ہے کہ انساں ہو جائے

سوال:—— یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک نبی عرب میں رہ کر ہر جگہ، ہر مومن کے پاس موجود ہو؟ ایک چیز کا بیک وقت ہر جگہ ہونا عقلاً ناممکن ہے۔ لہٰذا حاضر و ناظر کا عقیدہ کیونکر درست ہوا؟ (وہابی، غیر مقلد)

جواب:—— مادی چیزوں پر نوری چیزیوں کا قیاس کرنا درست نہیں۔ نور بیک وقت ہزار جگہ ہوسکتا ہے اور ہماری آنکھوں کا نور جب آسمان کی سیر کرتا ہوتا ہے تو آنکھوں میں بھی ہوتا ہے۔ سورج آسماج پر رہ کر زمین کے ہر ذرّے میں تجلی فگن ہوتا ہے۔ حضور نے مسجد نبوی میں کھڑے ہوکر ہاتھ بڑھایا تو جنت کے خوشے تک پہنچ گیا۔ ہر مردہ کو قبر میں حضور کا دیدار کرا کر آپ کے متعلق سوال ہوتا ہے اور آپ ہی کی ذات اس کے لیے باعث نجات ہوتی ہے۔ قبر میں نماز نہیں پوچھا جاتا، روزہ کے بارے میں سوال نہیں ہوتا، اعمال کے متعلق پوچھ پاچھ نہیں کی جاتی بلکہ عقیدہ کے بارے میں سوال ہوتا ہے اور اسی خوش عقیدگی پر نجات موقوف ہے۔ ہر مومن کا عقیدہ ہے کہ حضور حاضر و ناظر ہیں اور قبر میں بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں۔ لہٰذا ایک وقت میں ہر جگہ حاضر ہونا یہ عقیدہ درست ہے۔ نبی کی ذات تو بڑی اعلیٰ وارفع ہے تو تصرفات و اختیارات نبی کے طفیل ان کے غلاموں کو بھی حاصل ہے۔ سرکار غوث اعظم بیک وقت چالیس گھروں میں دعوت کھاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میرے پیر و مرشد سرکار مفتی اعظم ایام حج میں بریلی شریف میں بھی موجود ہیں اور عرفات، منیٰ، مزدلفہ اور خانہ کعبہ کا طواف بھی کررہے ہیں۔ بریلی میں بھی موجود ہیں اور مدینہ پاک میں حضور کے روضے کی جالی مبارک کے پاس کھڑے کھڑے سلام بھی پیش کررہے ہیں۔ سرکار مخدوم شاہ مینا لکھنوی رحمۃ اللہ جن کا مزار لکھنو میڈیکل کالج روڈ پر ہے، ایک ہی وقت میں نیم کے ہر پتے پر بیٹھے ہوئے تلاوتِ قرآنِ پاک کررہے ہیں۔ جب نبی کے غلاموں کا یہ عالم ہے تو سرکار کا کیا عالم ہوگا، اندازہ لگاؤ۔ ٹیلی ویژن کے سٹ پر ایک ہی آدمی خبریں دیتا ہے مگر دنیا اور ملک کے ہر ٹی وی کے اسکرین پر وہ دکھائی اور سنائی دیتا ہے۔ جب انسان کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی آلات و سسٹم کا یہ کمال ہے تو پھر جس کو خدا نے اپنے نور سے بنایا ہو وہ عظیم کمالات کا مالک کیوں کر نہ ہوگا۔

آنکھ والا تیری جلوؤں کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

سوال:۔۔۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے پاس موجود ہیں تو کوئی مسلمان نماز میں امام نہیں بن سکتا کیونکہ حضور کی موجودگی میں کسی کو امامت کا حق نہیں۔ (وہابی، دیوبندی)

جواب:۔۔۔ یہ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ حضور کی موجودگی میں امتی نماز نہیں پڑھا سکتا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کی موجودگی میں چالیس نمازیں پڑھائی ہیں اور میرے حضور نے اپنی موجودگی میں صدیق اکبر کا ہاتھ پکڑ کر مصلّی پر کھڑا کر کے اپنے امتیوں کا مقام بتا دیا۔ دوسری بات یہ کہ امامت کے لیے تین شرطیں ہیں۔ امام کا موجود ہونا، امام کا محسوس ہونا تاکہ مقتدی اس کی پیروی کرے۔ اس کے قیام پر قیام کرے۔ رکوع سجود پر رکوع سجود کرے۔ اور امام کا اپنی فرض نماز ادا نہ کر چکنا۔ جو امام فرض پڑھا چکا ہو وہ دوبارہ امامت نہیں کر سکتا ورنہ دو چار مسجدوں کے لیے ایک ہی امام کافی ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کے پاس موجود تو ہیں مگر ہم کو محسوس نہیں۔ نیز سرکار اپنے فرائض ادا فرما چکے ہیں۔ لہٰذا یہ سوال محض لغو اور باطل ہے۔ اس سلسلے میں **النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم** کی مزید تفسیر پڑھیے۔

سنا ہے رہتے ہیں دولہا فقط مدینے میں
غلط ہے رہتے ہیں وہ عاشقوں کے سینے میں

سوال:۔۔۔ اگر حضور کی ہر ادا حق ہے تو آپ کی نمازیں قضا بھی ہوئی ہیں، کیا وہ بھی حق ہے؟ (بعض جہلاء بے ادب)

جواب:۔۔۔ بے شک وہ بھی حق ہیں۔ نماز تو حضور کی پیاری پیاری اداؤں کا نام ہے۔ ہماری غلطیاں، بھول وغیرہ نفسانی و شیطانی ہوتی ہیں مگر انبیائے کرام کی خطائیں رحمانی ہوتی ہیں جن سے ہزارہا حکمتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی صرف ایک لغزش یعنی گندم کھانے پر سارے عالم کا ظہور ہوا۔ نبی کا قول و فعل تعلیم امت کے لیے ہوتا ہے اور قول و

فعل میں اگر تعارض پیدا ہو تو فعل پر نہیں بلکہ قول پر عمل کیا جائے گا۔ قضا نماز بھی حضور کی حق ہے تاکہ اگر کبھی ہماری قضا ہو جائے تو ہم اسے پڑھ لیا کریں۔

مجھے کیا غرض ہے قیام سے مجھے کیا غرض ہے سجود سے
ترے نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں

سوال:— حجۃ الوداع (حضور کی زندگی پاک کا آخری حج) کے موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کا پیغام یعنی آخری وحی لے کر آئے جس میں کہا گیا کہ میں نے تمہارا دین آج مکمل کر دیا تو کیا حجۃ الوداع سے پہلے دین ناقص اور ادھورا تھا۔ اگر ناقص تھا تو جو صحابہ اس زمانے میں وفات پا گئے وہ دین ناقص پر گئے؟ (آریہ)

جواب:— اس وقت کے لحاظ سے اسلام کامل تھا اور جو احکام اس وقت تھے ذریعہ نجات تھے مگر آج قیامت تک کے لیے دین کامل اور مکمل ہو گیا کہ اب کوئی حکم منسوخ نہ ہوگا۔ مثلاً جس زمانے میں نماز، روزہ، حج فرض نہیں ہوئے تھے اس وقت کلمہ پڑھ لینا ہی کامل تھا۔ اس پر نجات تھی اور اب ان احکام کے آجانے پر ان پر عمل کرنا کامل ہوا۔ شیرخوار بچے کے لیے ماں کا دودھ کامل غذا ہے، جوان ہونے پر روٹی چاول وغیرہ کامل غذا ہے۔ بیمار کے لیے صابودانہ کامل غذا ہے، تندرست کے لیے دوسری غذائیں کامل ہیں۔

سوال:— جب دین اسلام کامل ہو چکا تو اماموں کی تقلید اور چار مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کی کیا ضرورت ہے؟ اور بعد میں علم فقہ کیوں بنایا گیا؟ اسلام میں کون سی کمی تھی جو ان اماموں نے پوری کی؟ اور قرآن واحادیث میں کیا نقصان تھا جو فقہ سے دور کیا گیا؟ (وہابی، اہلحدیث، غیر مقلد)

جواب:— دین عقیدوں، کلی قانون اور اصول کا نام ہے اور یہ مکمل ہو چکے۔ رہے جزوی مسائل اور ضروریات زمانہ کے لحاظ سے فروعی احکام، وہ ہمیشہ نکالے جاتے رہیں گے۔ مگر انہیں قواعد واصول پر جو حضور کے زمانے میں مکمل ہو چکے تھے۔ آج ریڈیو، لاؤڈ اسپیکر، فوٹو گراف سے سجدے کی آیت سنی جائے تو سننے والے پر سجدہ واجب ہے کہ نہیں؟ یہ وہ مسئلہ ہے

جو صحابہ کے زمانے میں پیش نہ آیا تھا۔ مگر شرعی قاعدے ایسے مقرر ہیں کہ یہ احکام ان سے نکل سکتے ہیں۔ ہوائی جہاز چلتی ٹرین میں نماز کا حکم شرعی قواعد سے نکالا جا سکتا ہے۔ مجددین، ائمہ مجتہدین نے جو بھی مسائل استنباط کیا وہ قرآن واحادیث کی روشنی میں کیا۔ یہ غیر مقلدوں، وہابیوں کی خباثت ہے جو وہ امام اعظم پر کرتے رہتے ہیں۔

سوال:— قرآن میں نکاح سے متعلق صرف مردوں سے خطاب کیوں ہوتا ہے کہ تم پر فلاں فلاں عورتیں حرام ہیں، فلاں فلاں حلال؟ عورتوں سے خطاب کیوں نہیں ہوتا کہ تم پر فلاں فلاں مرد حلال ہیں، فلاں فلاں حرام؟ نکاح کا تعلق تو عورتوں مردوں دونوں سے ہے۔
(آریہ)

جواب:— اس لیے کہ یہ عورت نعمت ہے، دولت ہے، مرد نعمت والا، دولت والا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں میں وہاں کے پھل، پھول، دودھ، شہد کے ساتھ ساتھ پاک بیبیوں کا بھی ذکر فرمایا اور حلال وحرام نعمت کی صفت ہے۔ نعمت حلال یا حرام ہوتی ہے اور نعمت والے پر حلال یا حرام ہوتی ہے۔ گائے بکری ہم پر حلال ہے، ہم گائے بکری پر حلال نہیں۔

سوال:— حضرت عیسیٰ علیہ السلام توریت کے ناسخ ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو توریت کا مصدق (تصدیق کرنے والا) کیوں فرمایا؟ تصدیق تنسیخ کے خلاف ہے۔

جواب:— تنسیخ تصدیق کے خلاف نہیں۔ آپ نے توریت کو منسوخ بھی کیا اور اس کی تصدیق بھی کی۔ آپ کا یہ فرمانا کہ توریت سچی کتاب ہے۔ یہ اس کی تصدیق ہے۔ اور یہ فرمانا کہ توریت کے احکام اب قابل عمل نہیں، یہ اس کی تنسیخ ہے۔ دیکھو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ تمام کتب آسمانی کے مصدق بھی ہیں اور ناسخ بھی ہیں۔ تصدیق نسخ کے خلاف نہیں۔ یہاں پر ایک بات کی اور وضاحت کر دوں کہ بعض بیوقوفوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب حق ہیں۔ جو بھی اپنے مذہب میں رہ کر اچھا کام کرے گا نجات پا جائے گا۔ یہ خیال فاسد، باطل اور کفر ہے۔ ورنہ انبیائے کرام خصوصاً ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفارد

مشرکین کو اسلام کی دعوت کیوں دیتے بلکہ فرمادیتے کہ تم سب اپنے اپنے دین و مذاہب پر قائم رہ کر اچھے کام کرتے جاؤ۔ اللہ کا منشا یہ ہے کہ گذشتہ زمانوں میں ہر نبی کی امت کے لیے شریعت ہم نے بنائی تھی جو اپنے وقت میں حق تھی مگر اب تمام شریعتیں منسوخ ہیں۔ اب قابل عمل شریعت شریعت محمدی ہے۔ ہر شخص کو اس شریعت کی پیروی کرنی پڑے گی۔ بغیر شریعت محمدی کوئی بھی اب میری رضا اور قربیت حاصل نہیں کر سکتا۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ اللہ ہی کا ٹولہ غالب ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اللہ کے ٹولے میں تھے پھر یزید سے مغلوب کیوں ہو گئے؟ (خوارج)

جواب:— حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہرگز مغلوب نہیں ہوئے۔ کربلا میں جیت آپ کی ہی ہوئی، ہارا یزید۔ مسلمان مارے تو بھی جیت اسی کی ہے اور مرے تو بھی وہی جیتتا ہے۔ چند آدمیوں کو مار ڈالنا، بے تحاشہ بمباری کر کے شہروں کو ملبے کا ڈھیر بنا دینا، یہ جیت نہیں ہے بلکہ جیت تو یہ ہے کہ دشمن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جائے۔ جیت ہوتی ہے مقصد جنگ حاصل ہونے سے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جنگ کا مقصد بادشاہت حاصل کرنا نہ تھا بلکہ یزیدی بدعنوانیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا مقصود تھا، جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ مقصود تھا، وہ آپ نے شہید ہو کر حاصل کر لیا۔

سوال:— حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں خدائی صفات ہیں، یعنی مردوں کو زندہ کرنا، بیماروں کو اچھا کرنا، اندھوں کو نور دینا، علم غیب جاننا، وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام صفات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ خدا ہیں۔ (عیسائی)

جواب:— کسی بندے میں ان تمام خوبیوں کا ہونا اگر خدا ہونے کی دلیل ہے تو پھر سانپ بھی خدا ہوا کہ وہ دور سے قدموں کی آواز کو سنتا اور دیکھتا ہے، زندے کو مردہ کر دیتا ہے۔ حضرت اسرافیل بھی خدا ہوئے، وہ اپنی صور سے سب کو زندہ اور مردہ کر دیں گے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ کرتے تھے، اللہ کے حکم سے اور اس کی دی ہوئی طاقت و قدرت سے کرتے تھے۔ وہ ان کاموں میں مستقل نہ تھے۔ یہ ساری خوبیاں ان کی ذاتی نہیں بلکہ

عطائی ہیں۔ خدا کی دی ہوئی ہیں۔ جو رب کا محتاج ہو وہ بندہ ہے اگر چہ خدائی کام کر دکھائے جو غنی بے نیاز ہے۔ وہ صرف اور صرف خدا کی ذات ہے۔ جو دوڑائے وہ انجن ہے اور جو دوڑے وہ ریل کا ڈبہ۔

سوال: اللہ ستارالعیوب (گناہوں، عیبوں پر پردہ ڈالنے والا) ہے۔ سب کے عیب چھپاتا ہے۔ تو پھر ولید بن مغیرہ کے دس عیوب کیوں بیان فرمائے حتیٰ کہ اسے فرمایا کہ وہ حرام کی اولاد ہے۔ یہ تو شانِ ستاریت کے خلاف ہے۔ (جہلا)

جواب: اللہ اس کے عیوب چھپاتا ہے جو اس کے محبوب کی عزت و ناموس کے پیچھے نہ پڑیں اور جو اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالیں، شانِ رسالت میں گستاخیاں کریں اللہ انہیں ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ ولید بن مغیرہ حضور کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ شان رسالت میں گستاخی کے الفاظ بولتا تھا اس لیے اللہ نے اس کو ذلیل کرنے کے لیے اس کے عیوب بیان فرمائے۔ اللہ ہی عزت بھی دیتا ہے اور وہی ذلت بھی دیتا ہے۔ سب سے ذلیل ترین اس روئے زمین پر وہ لوگ ہیں جو پیغمبر کی شان میں بے ادبی کیے اور گستاخی کے مرتکب ہوئے۔ آج اسلام کی بڑھتے ہوئے اثرات اور اس کی مقبولیت کو دیکھ کر یورپ، امریکہ اور دنیا کی تمام اسلام دشمن قوتیں خوفزدہ ہیں۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے بنائے ہوئے سڑے گلے فارمولے اور شیطانی نظام کے لیے اسلام ہی سب سے بڑا خطرہ اور رکاوٹ ہے۔ اس لیے وہ پوری دنیا میں اپنے استنجائی اخبار اور شیطانی میڈیا کے ذریعہ اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ کبھی توہین آمیز مضامین اخباروں میں شائع کرتے ہیں، کبھی پیغمبر اسلام کے کارٹون بناتے ہیں، کبھی کتابیں لکھواتے ہیں اور توہین آمیز کتاب لکھنے والے، کارٹون بنانے والے زمین کے تہہ خانوں میں چھپ جاتے ہیں۔ پورا عالم کفران کو پناہ دیتا ہے۔ ایسے لوگ سامنے آ دیں تو پتہ چلے کہ پیغمبر کا کارٹون بنا کر یا توہین آمیز کتاب لکھ کر گستاخی کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ جو لوگ میرے حضور کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ان گستاخی کرنے والوں کا

صرف ذہن ہی بگڑا ہوا نہیں ہے بلکہ ان کا نطفہ بھی بگڑا ہوا ہے۔ یہ کسی عالم کی تحقیق نہیں بلکہ اللہ کی تحقیق ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نون والقلم میں فرماتا ہے کہ میرے محبوب کی توہین وہی کر سکتا ہے جو حرام کی اولاد ہوگا۔ ہر گستاخ رسول کو اپنے اپنے نطفے کی تحقیق کرنا چاہیے خواہ وہ یورپ کے اسلام دشمن مصنّفین ہوں یا دنیا کے اخبار کے ایڈیٹران، ڈنمارک کا کارٹونسٹ ہو یا دنیا کا کوئی گستاخ۔ اگر وہ سب اپنے اپنے نطفوں کی تحقیق کرائیں تو میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ سب کے سب حرام کی اولاد ہیں جو میرے پیغمبر کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ اللہ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اپنے محبوب کی شان میں گستاخی کرنے والے ان حرامیوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ ان کی اصلیت کو بتا دیا ہے۔ لہٰذا کسی گستاخِ رسول کی عیب کو یا اس کے باطل عقیدے کی نشاندہی کرنا غیبت نہیں ہے بلکہ یہ سنت الٰہیہ ہے۔

یاد رکھو! گستاخِ رسول کا انجام برا ہوتا ہے۔ جس قوم یا جس ملک میں کسی بھی پیغمبر کی توہین کی گئی تو اللہ نے اس قوم اور اس ملک پر کسی نہ کسی شکل میں اپنا عذاب نازل کیا۔ اللہ فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی شان میں نازیبا کلمات کہہ کے اللہ اور رسول کو تکلیف دیتے ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ لوگو! اللہ کے قہر و غضب سے ڈرو، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آؤ کہ حضور کو ماننا ہی ایمان ہے۔ یقین جانو دنیا کے تمام انسانوں کی نجات انہیں کی تعلیم پر عمل ہے۔ مقام مشکلات کا حل انہیں کی نظر کرم پر موقوف ہے۔ اگر نجات چاہتے ہو، عزت چاہتے ہو، اللہ کی رضا چاہتے ہو، جہنم سے آزادی کا پروانہ چاہتے ہو تو اے دنیا کے کفار و مشرکین! کلمہ پڑھ کر میرے نبی کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لو، اور اے مسلمانو! تم اپنے نبی کے سچے فرمانبردار امتی بن جاؤ۔ کامیابی تمہاری قدموں کا بوسہ لے گی۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ اللہ ظالم اور فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا حالانکہ ہدایت کی ضرورت تو اسی کو ہے۔ نیک، متقی تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں، انہیں ہدایت کی کیا ضرورت ہے؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔ اس سوال کے دو جواب ہیں۔ایک یہ کہ جو شخص کافر ہو کر مرا اسے اللہ قبر و حشر میں صحیح جواب دینے کی ہدایت نہ دے گا۔وہ یا تو جواب دے گا ہی نہیں یا اوندھا جواب دے گا۔مثلاً یہ کہ میں بدکار تھا ہی نہیں، فرشتوں نے میرے نامہ اعمال میں غلط لکھ دیا ہے۔ مومن کو جواب دینے کی ہدایت ملے گی۔یا دنیا میں اللہ تعالیٰ کافر کو نیک اعمال کی ہدایت نہیں دیتا کوئی شخص رب کو اپنی عقل سے راضی کرنے کی ہدایت نہیں پا سکتا۔یہ ہدایت انبیا ہی سے ملتی ہے۔عقل ہوائی جہاز بنا سکتی ہے، ایمان نہیں بنا سکتی۔وہ نبی کی اتباع سے بنتا ہے۔کوئی بڑے سے بڑا فلسفی بھی اجنبی شہر میں جا کر وہاں کے گلی کوچے معلوم نہیں کر سکتا۔کسی سے پوچھنے ہی پڑیں گے جو وہاں کا واقف ہو۔انبیائے کرام سے ہی رب کے یہاں کی ہدایتیں مل سکتی ہیں۔ بعض علما نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جب تک فاسق فاسق رہے، ہدایت نہیں پاتا۔جب فسق سے توبہ کرے پھر ہدایت پاتا ہے۔کافر کافر رہتے ہوئے مسلمان نہیں رہتا، کفر چھوڑ کر مسلمان ہوتا ہے۔یا بدمذہب اور فاسق اعتقادی کو اعمال کی ہدایت نہیں دیتا، پہلے مومن ہو پھر اعمال کی ہدایت دے گا۔یا کافر کو پل صراط سے گذر کر جنت کی ہدایت نہیں دے گا۔مومن کو یہ ہدایتیں ملیں گی کہ ہر مسلمان کسی سے پوچھے بغیر اپنے جنتی گھر میں پہنچ جائے گا۔

سوال:۔۔۔ جاندار کی تصویر اور مجسمہ بنانا حرام ہے پھر عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی کی چڑیا کیوں بناتے تھے؟ بت سازی (مجسمہ بنانا) بھی تو بری چیز ہے۔(بعض جہلا)

جواب:۔۔۔ تصویر بنانا، مجسمہ بنانا ہماری شریعت میں حرام ہے۔ان شریعتوں میں حرام نہ تھی۔دیکھو حضرتِ سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات مجسمہ اور تصویریں بناتے تھے مگر آپ کا یہ مجسمہ بنوانا بت پرستی کرانے کے لیے نہ تھا بلکہ اپنا معجزہ دکھانے کے لیے تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا حسن مصر کی عورتوں کو دکھایا جس سے انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔یہ حسن دکھانا معجزہ دکھانے، تبلیغ دین کے لیے تھا نہ کہ برے ارادے سے۔

سوال:۔۔۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری (ساتھی) نبی نہ تھے پھر ان پر وحی کیوں آئی؟ وحی (اللہ کا پیغام) تو صرف انبیائے کرام پر آتی ہے۔

جواب:۔۔۔وحی کے لغوی معنی ہیں الہام یا دل میں ڈالنا یا حکم کرنا۔اس سوال میں وہی معنی مراد ہیں۔شرعی وحی مراد نہیں۔شرعی وحی پیغام الٰہی، احکامِ خداوندی کو کہتے ہیں جو اللہ اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ بندوں تک پہنچتا ہے۔لفظ وحی کا استعمال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بلکہ شہد کی مکھیوں کے لیے بھی قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔حق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بیک وقت بہت سے نبی ہوئے تھے۔موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون، ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت لوط اور سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ایک ہزار نبی ہوئے مگر عیسیٰ علیہ السلام کے ہم زمانہ کوئی نبی نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے خاتم الانبیا ہیں۔یعنی بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی نبی نہیں آیا۔خاتم وہ جو سب کے بعد ہو۔اس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔دیکھو ہمارے حضور خاتم النبیین ہیں تو نہ آپ کے زمانے میں کوئی نبی تھا نہ بعد میں۔ہم سنی مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ صبح قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام حضور کے زمانے میں تھے مگر ان کی نبوت حضور کی نبوت سے منسوخ ہو گئی تھی اور وہ امتی ہو کر رہے۔عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت آئیں گے مگر نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ امتی کی حیثیت سے آئیں گے اور دین اسلام کی تبلیغ فرمائیں گے۔

سوال:۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دسترخوان کے اترنے کے دن کو اگلو پچھلوں کے لیے عید کیوں قرار دیا؟ جسے نعمت ملے وہی اس کی خوشی کرے بعد والے کیوں کریں؟

جواب:۔۔۔دسترخوان اترنا تمام اگلے پچھلے عیسائیوں کے لیے نعمت تھا کہ یہ ان کے نبی کا آسمانی معجزہ تھا۔نبی پر کرم ساری امت پر مہربانی ہوتی ہے اور نعمت پر خوشی منانا اس نعمت کا شکریہ ہے۔شکریہ سے رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت صرف صحابہ کے لیے نعمت نہیں بلکہ قیامت تک تمام مسلمانوں کے لیے نعمت ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے محبوب کی ولادت پر خوشیاں منانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا قل بفضل اللہ و برحمتہٖ فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون. آپ فرمادیجئے کہ

اے لوگو! اللہ کی فضل اور اس کی رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔ تمام محدثین اور مفسرین فرماتے ہیں کہ فضل اور نعمت سے مراد حضور کی ذات ہے۔ فتاویٰ نعیمیہ، جلد سوم، ص ۱۸ پر مفسر قرآن حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **فلیفرحو** یہ امر کا صیغہ ہے اور امر میں وجوب کا معنی پایا جاتا ہے جس سے پتہ چلا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد منانا، خوشی کرنا واجب ہے اور یہ امر جمع غائب ہے اس لیے قیامت تک کے لیے ہر مسلمان پر عید میلاد منانا واجب ہے۔

سوال:— یہ غیبی دستر خوان جنتی خوان تھا جس میں مچھلیاں اور گوشت، گھی وغیرہ تھے مگر جنت میں گوشت، مچھلی، گھی وغیرہ نہیں۔ وہاں تو پھل فروٹ وغیرہ ہیں۔ پھر اس دستر خوان میں یہ غذائیں کہاں سے آ گئیں۔ غذا بھوک دفع کرنے، پیٹ بھرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، میوے لذت کے لئے۔ جب جنت میں بھوک نہیں تو وہاں بھوک دفع کرنے کی غذائیں کیسی؟ (بعض نادان)

جواب:— یہ دستر خوان جنت سے نہیں آیا بلکہ آسمان سے آیا یا آسمان کی طرف سے آیا تھا۔ مچھلی وغیرہ امر الٰہی سے بنی اور حکم الٰہی سے وہ پختہ ہوئی جیسے بنی اسرائیل پر من وسلویٰ جنت سے نہیں بلکہ آسمان کی طرف سے آتا تھا۔ اب بھی بارش، اولا، شبنم وغیرہ ہوا میں بن کر برستے ہیں اس کی قدرت کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ خیال رہے کہ جنت میں درخت گندم کا ہونا یقینی نہیں۔ اولاً تو اس میں محققین وعلما کا اختلاف ہے کہ حضرت آدم نے جنت میں کیا چیز کھائی تھی۔ بعض کہتے ہیں گندم، بعض فرماتے ہیں انجیر، بعض کوئی اور پھل بتاتے ہیں۔ اور اگر مان لیا جائے کہ درخت گندم وہاں ہی تھا اور وہی آپ نے کھایا تو یہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے امتحان کے لیے تھا۔ پھر وہاں نہ گندم رہا نہ ہوگا جیسے شیطان پہلے جنت میں تھا مگر شیطان بننے کے بعد پھر وہاں رہا نہ رہے گا۔ جنت میں تبدیلی وغیرہ ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کا بہت سا علاقہ خالی ہے۔ وہاں مسلمانوں کے نیک اعمال سے باغ لگائے جائیں گے، اور فرماتے ہیں کہ جو شخص خالص اللہ کی رضا کے لیے اس دنیا میں مسجد

بنائے گا اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

سوال:— کوئی عیسائی حضرتِ مریم کو نہ تو خدا مانتا ہے اور نہ ہی ان کی پرستش کرتا ہے۔ تثلیث والے عیسائی بھی باپ، بیٹا روح القدس کی الوہیت کے قائل نہیں پھر یہ سوال کیوں کر درست ہوا کہ عیسیٰ اور ان کی ماں مریم کو ہم خدا مانتے ہیں؟ (عیسائی)

جواب:— عیسائیوں کے بہت فرقے ہیں۔ ان میں ایک فرقہ جناب مریم کو خدا مانتا ہے، باقی عیسائی فرقے عملاً انہیں خدا بھی مانتے ہیں اور ان کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ میں نے خود گرجا گھروں میں جا کر دیکھا ہے کہ سامنے والی دیوار میں حضرت مسیح کی تصویر کے ساتھ قد آدم تصویر مریم بھی ہوتی ہے۔ ادھر ہی یہ لوگ دعا کے وقت جھکتے ہیں۔ نیز جب انہوں نے جناب مریم کو خدا کی (صد بار معاذ اللہ) بیوی مان لیا تو انہیں خدا مان لیا۔ لہٰذا یہ سوال بالکل درست ہے۔ سورۂ اخلاص میں کہ قل ھو اللّٰہ احد. فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا۔ وہ بیوی، بچوں سے پاک و صاف ہے۔

سوال:— موت کا وقت مقرر ہے۔ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا، تو عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کیسے کرتے تھے؟ وہ مردے اپنی عمر پوری کر کے مر چکے تھے۔ یوں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی پکار پر ذبح شدہ جانور اور حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے فوت شدہ بستی والے، حضرت عزیر علیہ السلام کے سامنے مرا ہوا گدھا، یہ تمام زندہ کیوں کر ہوئے؟ حالانکہ ان سب واقعات کا ثبوت قرآن مجید سے ہے۔ (ملحدین، بے دین)

جواب:— ان واقعات میں اس رب کی قدرت کا ظہور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کی دعا یا معجزے سے ان مردوں کو دوبارہ عمر بخشی، وہ رب بجھے چراغ میں دوبارہ عمر کا تیل بتی ڈال سکتا ہے۔ ہاں کوئی شخص رب کا مقابلہ کر کے کسی مردے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ مقبولوں کی دعا سے تقدیر بدل جاتی ہیں۔

سوال:— کتب تفاسیر میں ہے کہ جن بستیوں پر عذابِ الٰہی آیا وہاں رہنا، بسنا بلکہ

ٹھہرنا بھی ممنوع ہے۔ قومِ نوح علیہ السلام کے زمانے میں ساری روئے زمین پر عذاب الٰہی پانی کی طوفان اور سیلاب کی شکل میں آیا تو چاہیے کہ زمین کے کسی حصے پر رہنا جائز نہ ہو۔ (آریہ)

جواب:— طوفانِ نوح کفار و مشرکین کے لیے عذاب تھا مگر حضرت نوحؑ اور ان کی کشتی میں سوار مومنوں کے لیے رحمت۔ وہ طوفان ہر طرف سے عذاب نہ تھا اس لیے حضرت نوح علیہ السلام زمین پر رہے اور طوفان آ گیا۔ اگر ہر طرح عذاب ہوتا تو حضرت نوح علیہ السلام اور مومنوں کو وہاں سے پہلے نکالا جاتا پھر عذاب آتا کیونکہ عذاب والی جگہ سے پہلے مومنین کو نکالا جاتا ہے پھر عذاب آتا ہے۔ دیکھو غزوۂ احزاب میں مدینہ منورہ میں ہوا کا طوفان آیا جس سے کفار بھگا دیئے گئے مگر یہ طوفان کفار کے لیے عذاب تھا اور مسلمانوں کے لیے رحمت۔ لہٰذا مدینہ منورہ میں رہنا درست رہا۔

سوال:— دیکھا گیا ہے کہ مشرکین ہند یعنی ہندو آریہ قیامت کے انکاری ہیں مگر صدقہ و خیرات بہت کرتے ہیں تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ منکرین قیامت نیکیاں نہیں کرتے؟ (رام چندر آریہ)

جواب:— ہاں کرتے ہیں، مگر آخرت کے ثواب کے لیے نہیں کہ وہ نہ آخرت کے قائل ہیں نہ وہاں کے ثواب کے لئے، بلکہ اپنی نام و نمود و شہرت کے لئے، خدمت خلق و خدمت دین کے لیے نہیں بلکہ خدمت ملک و خدمت قوم کے لیے کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا یہ سب کچھ کرنا کچھ بھی نہ کرنا ہے۔ کرنا تو وہ قبول ہے جو رب کو راضی رکھنے کے لیے کیا جاوے نہ کہ سب کو۔ نیز قبولیت اعمال کے لیے ایمان شرط اول ہے اور کوئی بھی ایمان والا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو سچے دل سے تصدیق زبان سے اقرار اور دل سے مان نہ لے۔

سوال:— قرآن مجید میں دنیا کو کبھی بھی ''دار'' (یعنی گھر) نہیں کہا گیا۔ آخرت یا برزخ ہی کو دار کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب:—— اس لیے کہ قرآن مجید دنیا کو انسان کا گھر نہیں مانتا، یہ تو مسافر کی منزل یا ریل گاڑی کے سیٹ کی طرح ایک عارضی قیام گاہ ہے جیسے پردیش میں کرایہ یا ریت کا گھر اور آخرت یعنی بعد قیامت جنت یا دوزخ اس کا اپنا اصلی گھر ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔اس لیے دنیاوی جسم نہایت کمزور بنایا گیا کہ اس میں ایک کانٹا، بلکہ ایک پھانس بھی برداشت نہیں۔ ہزار ہا بیماریوں کا مرکز۔ جیسے مسافر کا چند روزہ خیمہ نہایت کمزور ہوتا ہے۔ برزخ اور آخرت میں جو جسم ملے گا وہ مضبوط، توانا، تندرست اور تمام بیماریوں سے محفوظ ہوگا۔

سوال:—— قانونِ قدرت یہ کیوں مقرر ہوا کہ حضرات انبیائے کرام کے انکاری اور جھٹلانے والے پیدا کئے گئے جس سے انہیں صدمے اور ایذائیں پہنچیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کنکروں، پتھروں کو کلمہ پڑھا سکتے ہیں تو ابوجہل اور ابولہب کو کلمہ کیوں نہ پڑھایا؟

جواب:—— اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ اگر حضور معجزانہ طریقے سے کفار کو مسلمان کر لیتے تو آئندہ اولیا اور علما کی تبلیغ کے لیے مثال قائم نہ ہوتی۔ وہ لوگ کہہ سکتے تھے کہ حضور صاحب معجزات تھے، معجزانہ طریقے پر لوگوں کو مسلمان کر لیا۔ ہمارے پاس معجزہ نہیں، ہم تبلیغ کیسے کریں۔ نیز اس صورت میں مسلمانوں کو اسلام قبول کرنے کا ثواب نہ ملتا۔ اختیاری ایمان پر ثواب ہوتا ہے نہ کہ مجبوری ایمان پر۔

سوال:—— حدیث شریف میں ہے کہ قربِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور پر ساری دنیا میں مومن ہی ہوں گے، کافر کوئی نہ رہے گا تو کیا عیسیٰ علیہ السلام کی شان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی ہے کہ حضور نے سب کو ہدایت نہ دی اور حضرت عیسیٰ سب کو ہدایت دے دیں گے۔ (مرزائی)

جواب:—— اس زمانے میں سب کو ہدایت نہ ملے گی بلکہ کفار اور وہ جو دجال کو خدا مان چکے ہوں گے، ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ صرف مومن ہی باقی رکھے جائیں گے جیسے نوح علیہ السلام کے زمانے میں سارے کفار غرق کر دیئے گئے۔ صرف وہی مومن رہے جو آپ کے کشتی میں سوار تھے۔ نیز حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تمام کفار و مشرکین کے لیے

صرف دو ہی راستہ ہوگا، یا تو وہ اسلام قبول کریں یا قتل ہوں۔ کسی بھی کافر کو جزیہ دے کر رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ کفار کو ہلاک کر دینا اور ہے، ہدایت دینا کچھ اور ہے۔

سوال:— آخر اس میں کیا حکمت ہے کہ دنیا میں کفار ضرور رہیں اگر سارے انسان مسلمان ہو جاویں تو بہت ہی اچھا ہو کہ زمین اللہ کی اطاعت سے بھر جاوے۔

جواب:— اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ آخر اس میں کیا حکمت ہے کہ باغ میں پھول بھی ہوں، کانٹے بھی۔ زمین میں دودھ والے جانور بھی ہوں اور سانپ بچھو بھی۔ ہم میں بھوک پیاس بیماریاں بھی ہوں اور تندرستی وغیرہ بھی۔ اگر سارے ہی پھول ہوتے، ساری اچھی چیزیں ہی ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ شیطان کو پیدا کرنے کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ مسلمانوں کی بہت سی عبادت کفار کی وجہ سے ہیں۔ جہاد، شہادت، تبلیغ کفار کی ایذا اور تکلیفوں پر صبر، یہ سب عبادتیں ہیں جو کفار کی وجہ سے ادا ہو سکتی ہیں۔ نیز روشنی کی قدر اندھیرے سے، تندرستی کی قدر بیماری سے، پانی اور غذا کی قدر بھوک اور پیاس سے معلوم ہوتی ہے، ایمان، تقویٰ، ہدایت کی قدر بلکہ حضور کی شان کفار وغیرہ سے معلوم ہوتی ہے۔

سوال:— تم نے کہا کہ ''قل'' میں خطاب تا قیامت ہر جگہ کے لوگوں سے ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ خطاب اور کلام کے لیے دو شرطیں ہیں، ایک متکلم (کلام کرنے والے) کے زمانے میں مخاطب کا موجود ہونا، دوسرا اس کے سامنے ہونا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ متکلم وفات پا جائے اور کلام موجود رہے۔ لہٰذا 'قل' میں خطاب صرف مکہ مکرمہ کے ان لوگوں سے ہے جو حضور کے سامنے تھے۔

جواب:— لفظ ''قل'' میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن کافر انسانوں کی طرف ہے۔ خواہ وہ زمانۂ نبوی میں موجود ہوں یا تا قیامت ہوں گے۔ کبھی کبھی یہ فرمانا ڈرانے دھمکانے یا ان پر اتمام حجت کے لیے ہے۔ یہ فرمان ہے تو رب کا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ درمیان میں رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ:

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی
اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

(اعلیٰ حضرت محدث بریلوی)

ویسے 'قل' میں روئے سخن کبھی اللہ کی طرف بھی ہوتا ہے۔ جیسے قل اعوذ برب الناس وغیرہ۔ کبھی روئے سخن مومن بندوں کی طرف ہوتا ہے تاکہ بتایا جائے کہ تم ہمارے اور ہمارے بندوں کے درمیان برزخِ کبریٰ (حجاب، پردہ) ہو۔ ہم بندوں سے تمہاری معرفت کلام کرتے ہیں تو بندے بھی ہم سے تمہاری معرفت کلام کریں۔ کبھی روئے سخن کفار کی طرف ہوتا ہے تاکہ بتایا جائے کہ کفار تم سے سن کر ہماری طرف آویں تو ان کا آنا قبول ہوگا ورنہ نہیں۔ نیز یہ دونوں شرطیں اس کلام کے لیے ہیں جو محدود اور فانی ہو اور غیر فانی کلام کے لیے ان میں سے کوئی شرط نہیں۔ دیکھو حضرتِ ابراہیم نے کعبہ بنا کر صرف ایک بار پکارا تھا کہ اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طواف وزیارت کے لیے آؤ آج تک بلکہ تاقیامت اس کے جواب میں لبیک اللھم لبیک کا ایمان افروز نغمہ گونج رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ ندا قیامت تک باقی ہے۔ آج ریڈیو اور فون نے بتا دیا کہ دور والے سے بھی کلام ہوتا ہے۔ ٹیپ ریکارڈ نے بتایا کہ متکلم کے فنا ہونے سے کلام فنا نہیں ہوتا۔ سارا جہاں ٹیپ ریکارڈ ہے جس میں حضور کے کلام محفوظ ہیں جنہیں لوگوں کے دل اللہ والوں کے کان سن رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے ذریعہ ایک شخص بیک وقت ہر جگہ موجود ہے۔ ہر مومن کا دل اور ہر شخص کی قبر ٹیلی ویژن کی پیٹی ہے جس میں جلوۂ محبوب نظر آرہا ہے۔ جب نار کی قوت کا یہ حال ہے تو نور کی قوت تو اس سے کہیں زیادہ ہے۔ آصف بن برخیا (سلیمان علیہ السلام کے وزیر) کی قوت ناری جن سے زیادہ تھی کہ ایک آن میں تخت بالقیس ملک یمن سے فلسطین لے آئے۔ لہٰذا قل میں خطاب سب لوگوں سے ہے۔ حضور کا کلام ہر جگہ ہر وقت اپنا کام کر رہا ہے۔

سوال: — اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری طور پر خزانے کیوں نہ دیئے اور صحابۂ کرام کو امیر وکبیر کیوں نہ بنایا کہ یہ امیری ان لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی؟

جواب:۔۔۔اس صورت میں اسلام کی حقانیت ظاہر نہ ہوتی۔لوگ مال و دولت کے لیے اسلام قبول کرتے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کے خزانے دیئے، آپ پوری دنیا کے بادشاہ تھے مگر دولت سے اپنا دین نہ پھیلایا بلکہ ان کا دین چلا ہی نہیں۔جب مسلمانوں کے پاس یہ ظاہری سامان نہ تھا پھر اسلام پھیلایا تو پتہ لگا کہ اسلام میں خود اتنی کشش ہے جس سے لوگ ادھر کھنچے ہوئے چلے آئے۔مقناطیس خود لوہے کو کھینچتا ہے۔اسلام وہ روحانی مقناطیسی طاقت ہے جو لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اپنا راستہ لوگوں کے دلوں تک جانے کے لیے خود آپ بناتا ہے۔

سوال:۔۔۔اعمال لکھنے والے فرشتے دو کیوں ہیں؟ حفاظت کرنے والے تقریباً ساٹھ کیوں ہیں؟ صرف ایک فرشتہ ہی یہ کام کرسکتا ہے۔

جواب:۔۔۔اعمال لکھنے والے فرشتے کاتب بھی ہیں اور ان اعمال پر گواہ بھی۔گواہی کم از کم دو کی چاہئے۔قیامت میں یہ دونوں اس کی گواہی بھی دیں گے اور محافظین فرشتوں کی کثرت انسان کے احترام کے لیے ہے کہ ایک آدمی کے ساتھ فرشتوں کی جماعت رہے جو ہر موڑ پر اس کی حفاظت کرے۔دیکھو جنگ بدر میں اللہ نے پانچ ہزار فرشتوں سے مدد بھیجی حالانکہ کفار کو ہلاک کرنے کے لیے ایک ہی فرشتہ کافی تھا مگر صحابہ کی عظمت و توقیر کے لیے فرشتوں کی جماعت آئی۔

سوال:۔۔۔جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور قادر ہے تو اس نے روح نکالنے کے لیے فرشتوں کو کیوں مقرر فرمائے؟ کیا وہ خود جان نہیں نکال سکتا؟ (بعض لوگ)

جواب:۔۔۔اللہ کی قدرت پر بھی ایمان چاہیے اور اس کے قانون پر بھی۔قانونِ قدرت یہ ہے کہ تمام کام وسیلوں سے ہو۔رب تعالیٰ قادر ہے کہ آسمان سے گندم برسادے مگر برساتا نہیں، زمین، کسان، بیج، پانی وغیرہ کا واسطہ درمیان میں رکھا گیا ہے۔

سوال:۔۔۔اگر بدمذہبوں، بے دینوں، کافروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے تو موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے گھر میں کیوں رہے تھے؟

وہ حضرات برسوں کفار کے گھروں میں رہے۔ (صلح کلی)

جواب:— ان مقدس ہستیوں کا وہاں رہنا، بسنا اس حکم کے آنے سے پہلے تھا۔ نیز اب بھی کافر کے پاس رہنا سہنا، ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا دنیاوی ضرورت کے لیے جائز ہے۔ یہاں تو یہ مطلب ہے کہ جب وہ دین کا مذاق اڑا رہے ہوں، کفر بک رہے ہوں تب ان کے پاس نہ بیٹھو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو رب نے اپنی شان دکھادی کہ جس بچے کی روک تھام کے لیے فرعون نے بنی اسرائیل کے اسّی ہزار بچے ذبح کرادیئے اس فرزند کو اسی کی گود میں پرورش کرادیا۔ پھر موسیٰ نے باطل کی کبھی بھی تائید نہیں کی اور حق کے معاملے میں فرعون کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔ بچپن میں اس کی داڑھی پکڑ کر اس کے منہ پر زوردار طمانچہ ماردیا اور بتادیا کہ حق کے مقابل کسی کو بخشا نہیں جائے گا۔

سوال:— حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر ہے اور وہ مشرک و بت پرست تھا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب پاک نہیں۔ شرک و کفر سے محفوظ نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں آذر حضور کی نسل شریف میں داخل ہے اور وہ مشرک بت پرست ہے۔ (بعض نادان)

جواب:— آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے نہ کہ باپ۔ عربی میں "اَبٌ" سب کو کہہ سکتے ہیں باپ، چچا، دادا اور پرورش کرنے والا وغیرہ۔ یہاں چاچا کو اَبٌ کہا گیا ہے کیونکہ چچا بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ آپ کے والد ماجد تارُخ ہیں جو مومن موحد تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کل ۵۱ نام ہیں جن میں سے کوئی مشرک و کافر نہیں بلکہ سب مومن، موحد، متقی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضور کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت آدم تک سرکار کے تمام آبا و اجداد پاک ہیں اور فرمانِ الٰہی کے تحت مشرک، ناپاک ہیں تو اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ آذر جیسے بت پرست و بت گر کو پاک لوگوں میں کیسے جگہ مل سکتی ہے؟ قرآن واحادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ کوئی بھی نبی کسی مشرک و کافر

سے نہیں ہو سکتا۔

سوال:— تم نے یہ کہا کہ نبی کے ماں باپ مشرک نہیں ہوتے، حالانکہ حضرت لوط علیہ السلام کا دادا آذر مشرک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ مشرک تھے۔ یہ قاعدہ غلط ہے۔ (وہابی، اہلحدیث، غیر مقلد)

جواب:— ہم نے یہ قاعدہ صرف نبی کے والد کے لیے عرض کیا ہے کہ نبی کے ماں باپ مشرک نہیں ہو سکتے۔ لوط علیہ السلام کے والد ہاران موحد مومن تھے۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک آپ کے نسل شریف میں کوئی مرد عورت مشرک و کافر نہ ہوئے، سب مومن موحد تھے۔ جو حضرت عبداللہ یا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو مشرک یا کافر کہے وہ قرآن و احادیث کا منکر ہے اور کافر ہے۔

سوال:— حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کیوں کرایا گیا کہ ہم اس تبلیغ و دعوت پر تم سے اجرت نہیں مانگتے؟ کیا تبلیغ پر اجرت لینا گناہ ہے؟ اگر گناہ اور بری ہے تو خلفائے راشدین نے خلافت پر تنخواہیں کیوں لیں اور تا قیامت علما تبلیغ و تدریس پر تنخواہیں اور وعظ و تقریر پر نذرانے کیوں لیتے ہیں؟ (جہلا)

جواب:— تبلیغ پر اجرت لینا برا نہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے ماورا ہے چند وجھوں سے۔ ایک یہ کہ حضور انور مظہر ذاتِ الٰہی ہیں اور رب تعالیٰ اپنی ربوبیت پر ہم سے اجرت نہیں مانگتا۔ تمام نعمتیں بغیر معاوضہ دیتا ہے تو حضور بھی اپنی نبوت پر اجرت نہیں مانگتے۔ تمام رحمتیں بغیر معاوضہ عطا فرماتے ہیں۔ وہ رب العٰلمین ہے، حضور رحمۃ للعالمین ہیں۔ دوسرے یہ کہ مخلوق حضور کو اجرت نہیں دے سکتی۔ ہماری ساری عمر کی عبادت ان کے صرف کلمہ پڑھانے کی اجرت نہیں بن سکتی لہٰذا ہم انہیں دعائیں دے سکتے ہیں۔ ہم بھکاری انہیں اجرت کیا دے سکتے ہیں۔ ان کا نام ہی ہمارے سارے کاموں سے بھاری ہے کہ ان کا ایک نام ہمارے کروڑوں گناہوں پر غالب آئے گا تو ان کے کاموں کا کیا پوچھنا۔ تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دینے آئے، لینے نہ آئے۔ دینے والا لینے والے سے اجرت

کیا مانگے۔ سورج بادل زمین سے اپنا حق فیض نہیں مانگتے کہ وہ دینے کے لیے ہے۔ حضور امت سے اجرت طلب نہیں فرماتے کہ حضور دینے کے لیے ہیں۔ ہمارے پاس دست سوال ہے حضور کے پاس دست عطا۔ ہمارے ہاتھ پھیلانے کے لیے ہیں حضور کے ہاتھ بھرنے کے لیے ہیں۔

منگتے خالی ہاتھ نہ لوٹے ایسی ملی خیرات نہ پوچھو
ان کا کرم بس ان کا کرم ہے ان کے کرم کی بات نہ پوچھو

سوال:— حدیث نبوی ہے کہ چند مشرک جن اور انسان کے سوا سب مجھے اللہ کا رسول مانتے ہیں اور سب میرے فرمانبردار ہیں، کوئی مخلوق میری دشمن نہیں۔ مگر دوسری حدیث پاک میں ہے کہ عَیر پہاڑ مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔ دیکھو عَیر پہاڑ جو پتھر ہے حضور انور کا دشمن پھر یہ دونوں حدیثیں کیسے درست ہوئیں؟

جواب:— اس حدیث شریف میں عَیر پہاڑ کے پتھر مراد نہیں بلکہ وہاں کے باشندے یہودی مراد ہیں۔ محققین، محدثین، مفسرین کا یہی قول ہے اور یہودی انسان تھے لہٰذا قول درست ہے۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ جو اللہ کے فیصلے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی مگر حدیث شریف میں ہے کہ دعا موت کو روک دیتی ہے۔ حضرت آدم کی دعا (عرض ومعروض) پر حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر ۶۰ سال کے بجائے ۱۰۰ سال ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر امت محمدیہ پر پچاس نمازیں پانچ ہوگئیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرے ہوئے کو زندہ کردیتے تھے، یہ تبدیلیاں فیصلہ الٰہی میں کیوں ہوئیں؟ **لا تبدیل لکلمات اللّٰہ** کا مطلب کیا ہے؟

جواب:— کوئی دوسرا شخص اللہ کے کلمات اور اس کے فیصلے کو نہیں بدل سکتا لیکن اگر کسی کی دعا سے یا خود رب تعالیٰ کے کرم سے آپ ہی بدل دے تو یہ ہوسکتا ہے بلکہ ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن واحادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ نہ مذکورہ واقعات اس آیت کے خلاف ہیں۔ بیماری دوا کے ذریعہ دفع ہوگئی، یہ رب کے حکم میں۔ دوا نے تبدیلی نہیں کی خود رب تعالیٰ نے

رنگ بدل دیا۔ ہر چیز پر اللہ کا حکم غالب ہے۔ دوا بھی حکم الٰہی کی پابند ہے کہ مولیٰ اثر کروں یا نہ کروں۔ جب حکم الٰہی ہوتا ہے تو دوا کام کرتی ہے ورنہ نہیں۔

سوال: — قرآن کہتا ہے کہ کوئی گناہ کسی حال میں کسی مسلمان کو درست نہیں حالانکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ حالت مجبوری میں مسلمان حرام کھا کر بھی جان بچا سکتا ہے۔ حکیم کے مشورے پر حرام دوا استعمال کر سکتا ہے۔ دیکھو مجبور ہو کر یہ دونوں گناہ کرنا درست ہو گئے۔

جواب: — اگر جان جا رہی ہو تو ان حالات میں یہ چیزیں مجبور کے لیے نہ حرام رہتی ہیں نہ ان کا استعمال کرنا گناہ ہوتا ہے۔ گناہ وہ ہے جس کو شرع منع کرے۔ جب شریعت نے ہی اس کی اجازت دے دی پھر گناہ کیسے ہوئے۔

سوال: — حدیث شریف میں ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کا مقبول بن جاتا ہے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ دیکھو ایسے بندے کے لیے گناہ کی اجازت دے دی گئی۔ (بعض جاہل پیر)

جواب: — اس حدیث کا بھی مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ سے بچاتا ہے جب وہ بندہ گناہ تک اور گناہ اس تک پہنچتا ہی نہیں تو نقصان کیسے۔

سوال: — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عثمان تم جو چاہو کرو، تم جنتی ہو چکے۔ دیکھو حضور نے انہیں گناہ کی اجازت دے دی۔ (جہلا)

جواب: — اس سوال کا جواب دے دیا گیا ہے۔ یہاں بس اتنا ہی سمجھ لو کہ اس فرمانِ عالی میں گناہ کی اجازت نہیں بلکہ گناہ سے حفاظت ہے کہ اب عثمان کا میلانِ طبع گناہ کی طرف ہوگا ہی نہیں۔ جب بتی کی حفاظت چمنی سے کر دی گئی تو اسے ہوا کدھر سے پہنچے گا۔ جب چڑیا کے پر کاٹ دیئے گئے تو وہ مالک کے پاس سے کیسے اڑ کر بھاگے گا۔

سوال: — ہمیشہ عام مسلمان نیک، متقی، پرہیز گار، مسکین اور غریب کیوں ہوئے ہیں اور کفار، بدعمل، فساق و فجار لوگ مالدار کیوں ہیں؟ اب بھی عموماً یہی دیکھا جا رہا ہے۔

جواب: — اس سے نبی کا زور اور دین حق کی قوت دکھانا مقصود ہوتی ہے۔ نمرودی،

فرعونی طاقتیں جب نبوت سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئیں تب قوتِ خلیلی طاقتِ کلیمی کا پتہ لگا۔ اللہ نے فقرا و مساکین اور غریب لوگوں کے ذریعہ اسلام کو پھیلا کر دکھایا کہ دین میں خود اپنی قوت ہے جس سے وہ پھیل رہا ہے۔ کسی کے مالی قوت سے نہیں پھیلتا۔ مکہ کے سرداروں نے پیٹھ دکھائی تو مدینہ منورہ کے غریبوں کو توفیق دے دی انہوں نے پوری دنیا میں اسلام پھیلایا۔ نیز دولت کی چھاؤں میں فطرتاً نفس امارہ عیش میں غافل ہو جاتا ہے۔ تکلیف میں بیدار ہوتا ہے۔ آرام میں خدا کو بھول جاتا ہے۔ مصیبت میں یاد کرتا ہے۔ خلافت شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) میں مسلمان بڑے بیدار رہے۔ خلافت عثمانی میں عیش زیادہ ملا۔ آپس ہی میں لڑنے لگے۔ فرعون دولت کے نشے میں چور ہو کر خدا بنا۔ مختصر یہ کہ بڑے لوگ عیش و آرام میں زیادہ ہوتے ہیں اس لیے نبی کی اور حق بات کی مخالفت یہی لوگ زیادہ کرتے ہیں۔ موسیٰ کلیم اللہ، ابراہیم خلیل اللہ کے مقابل فرعون نمرود ہی آئے جو مالدار تھے۔ عیش و آرام میں تھے۔ نیز دنیا میں عیش و آرام، پردہ اور اندھیرا ہے جس میں ہر چیز صحیح نظر نہیں آتی۔ بندہ کہتا ہے کہ میں مالدار ہوں، خدا کا پیارا ہوں۔ یہ اندھیرا اور پردہ موت کے بعد محشر میں ہٹے گا تب اپنے اور نبی کے اہمیت معلوم ہوں گے۔ تب غربت اور غنیٰ کا پتہ چلے گا کہ کون مفلس ہے اور کون کنگال، کون سعادت مند ہے اور کون بد بخت۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

یعنی جس طرح ابراہیم کے زمانے میں نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور اللہ کے بندوں کو اپنی پرستش پر مجبور کیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا خاتمہ کیا تھا اسی طرح موجودہ زمانے میں کئی نمرود پیدا ہو گئے ہیں جو خدائی کا دعویٰ کر کے اللہ کے بندوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس لیے موجودہ زمانہ بھی اس بات کا متمنی ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا پیدا ہو جو عصر حاضر کے بتوں کو پاش پاش کر دے۔ عصر حاضر کے بتوں میں سب سے بڑا بت شخصیت پرستی ہے۔ داعی الی اللہ خود اللہ بنے ہوئے ہیں۔ اپنی پوجا پاٹ میں اللہ کے بندوں کو لگائے ہوئے ہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ یہ دنیا تو صنم کدہ ہے اور پرستش واطاعت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ تک رسائی عشق رسول اور اتباعِ رسول کے بغیر ناممکن ہے اور جب تک بندہ اتباعِ رسول اور عشق رسول کے ذریعہ مرتبہ کمال کو نہ پہنچے بندہ اپنا مقصد حیات حاصل نہیں کرسکتا اور اگر مقصد حیات حاصل نہ ہوا تو عدم اور وجود دونوں برابر ہو گئے۔ عشق رسول اتباعِ رسول کا فلسفہ قرآن کی اس آیت کریمہ سے ماخوذ ہے: **قل ان کنتم تحبون اللہ**... میری اتباع کرو اللہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔

سوال:— جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اسے اسلام کی توفیق دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے ذریعہ اسلام ملتا ہے حالانکہ اسلام سے ہدایت ملتی ہے۔ دونوں میں کون صحیح ہے؟

جواب:— ہدایت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بعض ہدایت اسلام سے ملتی ہے اور بعض ہدایتوں سے اسلام نصیب ہوتا ہے۔ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت مراد ہے جو اسلام ملنے کا ذریعہ ہے۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد نیک اعمال کی ہدایت، یہ وہ ہدایت ہے جو اسلام کے بعد ملتی ہے۔

سوال:— راستہ کے ذریعہ کسی مکان یا مکانی چیز تک پہنچا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ مکان اور مکانیات سے پاک ہے پھر اس تک پہنچنے کے لیے راہ کیسی؟

جواب:— یہاں بس اتنا سمجھ لو کہ جسمانی راستہ جسمانی مقصد تک پہنچاتا ہے اور نورانی و ایمانی راستہ نورانی مقصد تک پہنچاتا ہے۔ یہاں اچھے عقیدوں، نیک اعمال کو راستہ فرمایا گیا ہے کہ ان کو اختیار کر کے انسان رب کی رضا حاصل کرسکتا ہے۔ یہ مقصد بھی نورانی ہے اور اس کا یہ راستہ بھی نورانی۔ یہاں راستے سے اینٹ، کنکر والا راستہ مراد نہیں۔

سوال:— خدارسی کے لیے راستے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ راستہ تو دور والی چیز کو حاصل کرنے کے لیے طے کیا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

جواب:— ہونا اور چیز ہے، پانا کچھ اور۔ بے شک رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے مگر اس کا پانا بہت مشکل ہے۔ پانے کے لیے راستہ طے کرنا بہت ضروری ہے۔ روح جسم میں ہے مگر ہم اسے پا نہیں سکتے۔ نیز رب تعالیٰ تو ہم سے قریب ہے مگر ہم اس سے دور ہیں۔ ہم کو اس سے قرب حاصل کرنے کے لیے راستہ طے کرنا ضروری ہے۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ جب تمہارے اعمال خراب ہو جائیں گے تو اللہ تمہارے اوپر ظالم حاکموں کو مسلط کر دے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بداعمالی کا نتیجہ ظالم بادشاہ، ظالم حکام ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو امام حسین پر یزید کیوں مسلط ہوا؟ انہوں نے کون سے گناہ کیے تھے؟ (نادان لوگ)

جواب:— یہ غلط ہے۔ امام حسین پر یزید مسلط نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یزید پر امام حسین کو مسلط فرما دیا کہ آپ نے اس کی غیر اسلامی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اس کو اس کی ناپاک مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود پر مسلط فرما دیئے گئے۔ شہید ہو جانا شکست نہیں بلکہ اپنا مقصد اور مدعی حاصل نہ کر سکنا یہ شکست ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جس مقصد کے لیے اپنا سر دیا وہ پالیا۔ یزید نے جس مقصد کے لیے آپ کو شہید کیا وہ نہ پا سکا۔ مقصد کو نہ پانا سب سے بڑی ناکامی اور ہار ہے۔

سوال:— دنیا میں نبی سب کے پاس نہیں پہنچتے۔ بہت کم لوگ انہیں یا ان کا زمانہ پاتے ہیں۔ پھر یہ سوال سارے کافروں سے کیسے درست ہوا کہ اے جنوں اور آدمیوں کی گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں کے رسول نہ آئے تھے؟ مثلاً آج کے کفار و مشرکین جو حضور سے صدیوں بعد پیدا ہوئے وہ اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ خدایا ہمارے پاس تیرے نبی نہیں آئے، ہم نے ان کا زمانہ نہیں پایا۔

جواب:— کسی کے پاس نبی کے تشریف لانے کا یہ مطلب ہوتا ہے ان کی تعلیمات پہنچنا، ان کی امت کے علما اولیا اور نیک بندوں کا پہنچنا۔ الحمد للہ! حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعلیم علما، اولیا، صالحین اور علما کی تصانیف کے ذریعہ سب تک پہنچ گئی کوئی اس سے محروم نہیں رہا۔ نبی کا پیدا ہونا اور ہے، کہیں رہنا کچھ اور ہے اور آنا کچھ اور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے مکہ معظمہ میں، رہے مدینہ شریف میں مگر آئے عالم کے ذرے ذرے کے لئے۔ جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر چمکتا ہے سارے جہان پر۔

سوال:۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیت کا چار طرح ذکر قرآن میں کیا ہے، (۱) اے محبوب آپ کا رب، (۲) اے مسلمانوں! تمہارا رب، (۳) سب لوگوں کا رب، (۴) تمام جہانوں کا رب۔ معلوم ہوا کہ ہم اور نبی بلکہ ساری مخلوق بندہ ہونے میں برابر ہیں۔ ہم سب کا رب اللہ ہی ہے پھر تم نبیوں، ولیوں سے کیوں ڈرتے ہو اور ان سے کیوں آس وامید لگاتے ہو؟ کیا اللہ تمہارا رب نہیں ہے؟ (بے دین، وہابی)

جواب:۔۔۔ اس سوال کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ اگر بکرا یہ کہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور شیر بھی، پھر مجھ میں اور شیر میں کیا فرق ہے۔ تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ تو شیر کے سامنے جا کر دیکھ لے فرق معلوم ہو جائے گا۔ یہ فرق فرعون، نمرود، ابو جہل سے پوچھو کہ تم نے نبی کا مقابلہ کر کے کیا پایا، تمہاری اور ان کی بندگی میں کیا فرق ہے؟ تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم رب کے محض بندے ہیں۔ یہ حضرات رب کے فرمانبردار بندے ہیں اور بندوں کے مولیٰ ہیں۔ ان کی طرف بندوں کی نسبت ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب شیر آیا تو آپ نے اس سے یہ نہ کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں ورنہ شیر کہتا میں بھی اللہ کا بندہ ہوں۔ بکرا بھی اللہ کا بندہ۔ میں اللہ کے بندوں ہی کو کھایا کرتا ہوں بلکہ یہ کہا کہ اَنَا مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم. اے شیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، راستہ بھول گیا ہوں۔ یہ سنا تو دم ہلانے لگا اور قدموں میں لوٹ گیا۔ اب آپ ان سے پوچھو اے سفینہ تمہاری عبدیت (بندہ ہونا) اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت (بندہ ہونا) میں کیا فرق ہے؟ یہاں پر مزید ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ اگر حضرت سفینہ یہ کہتے کہ اے شیر میں اللہ کا بندہ ہوں تو یقیناً شیر آپ کو کھا جاتا۔ اس لیے

کہ سب انسان اللہ ہی کے بندے ہیں۔ حضرت سفینہ نے یہ کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جو صرف خدا کا بندہ ہونے کا دعویٰ کرے وہ بے خطر نہیں ہو سکتا بلکہ بے خطر وہ ہوگا جو بندہ خدا کا ہو اور غلام مصطفیٰ کا ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو ہے عبد مصطفیٰ

تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے

سوال:— آج کل مسلمان اپنی آمدنی یا پیداوار یا جانوروں میں سے کچھ حصہ گیارہویں شریف یا کسی بزرگ کے لیے نکالتے ہیں۔ یہ عمل حرام ہے اور وہ چیز بھی حرام ہے۔ یہ وہی طریقہ ہے جو کفار عرب کرتے تھے کہ کچھ حصہ اللہ کے لیے نکالتے تھے، کچھ بتوں کے لئے۔ یہ مسلمان بھی کچھ حصہ اللہ کے لیے نکالتے ہیں، کچھ غوث پاک یا خواجہ اجمیری کے لئے۔ دونوں عمل یکساں ہیں۔ (وہابی، اہلحدیث)

جواب:— مسلمانوں کے سارے صدقات خواہ اللہ کے نام کے ہوں، خواہ گیارہویں کے، سب اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں۔ خیرات، صدقات اللہ ہی کے لیے ہے۔ اسی خیرات کا ثواب ان بزرگوں کے روح کو ہے۔ اس کا ثبوت احادیث صحیحہ اور قرآن مجید سے ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایصال ثواب کے لیے اپنی ماں کے نام پر کنواں کھدوایا اور اس کنویں کا نام اپنی ماں کے نام پر رکھا۔ آج اگر کوئی شخص اپنے مال کا کچھ حصہ دینی مدرسہ کے لیے نکالے، اپنے استاذ کے نام کا نکالے تو درست ہے۔ مسلمانوں کے اس عمل کو کفار بت پرستوں کی ان حرکتوں سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال:— جو چیز غیر اللہ کے نام پر منسوب یا نامزد ہو جائے اس کا استعمال کرنا حرام ہے۔ لہٰذا گیارہویں کے نام کا کھانا، کپڑا غوثِ پاک کے نام کا توشہ۔ خواجہ اجمیری کا نیاز وغیرہ سب حرام ہیں۔ ان کا استعمال حرام۔ (وہابی، گستاخ رسول)

جواب:— یہ قاعدہ غلط ہے ورنہ لازم آئے گا کہ گنگا رام اسپتال میں علاج کرانا، سیتا پور رامپور میں رہنا حرام ہو، رام نارائن تیل استعمال کرنا حرام ہو، سیتا پھل، کاشی پھل کھانا

حرام ہو کہ ان سب کی نسبت بتوں کی طرف ہے۔ صرف اس جانور کا کھانا حرام ہے جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اس کا بھی صرف کھانا حرام ہوگا، دیگر استعمال درست ورنہ پھر تو دیو بند میں رہنا، دیو بند میں پڑھنا بھی حرام ہوگا کہ اس کی نسبت دیو بت کی طرف ہے۔ کفار عرب کا یہ دستور تھا کہ ان کے کھیتوں، باغوں میں جو پیداوار ہوتی یا ان کے اونٹ بکریاں جو بچے دیتیں اس کے تین حصے کرتے تھے۔ ایک حصہ اللہ کے نام کا جو غریبوں، مسکینوں اور مہمانوں کے لیے اور دوسرے اچھے کاموں میں خرچ کرنے، اور تیسرا حصہ بتوں کے نام کا نکالتے جو مندروں، وہاں کے پجاریوں اور بتوں کے چڑھاؤں پر خرچ کرتے۔ باقی اپنے کام میں لاتے۔ یوں ہی ان کے سانڈ، بیل، گائے وغیرہ بتوں کے نام پر بھی دیتے ہیں۔ اسے کھانا حرام ہے لیکن اگر کوئی مسلمان انہیں اللہ کے نام پر **بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر** کہہ کر ذبح کر دے تو کھایا جا سکتا ہے۔ بتوں کے نام کا ذبیحہ حرام ہے نہ کہ اولیا اللہ کے نام کی نذر و نیاز۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ اپنی اولاد کو مفلسی اور روٹی وروزی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر اولاد کا قتل اتنا ہی بڑا گناہ ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیوں کیا؟ وہ تو رب نے ان کی جان بچائی ورنہ وہ تو بے قصور بیٹے کو قتل کر ہی چکے تھے۔ (آریہ)

جواب:— نفسانی خواہش یا شیطانی اغوا سے قتل اولاد جرم ہے۔ اگر اس سے رب تعالیٰ راضی ہوتا ہو تو فرض ہے۔ جس عمل سے وہ راضی ہو وہی عمل اچھا۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کے حکم سے اپنے فرزند کو ذبح کیا، اس کا نام قتل نہیں قربانی ہے۔ نفس کے لیے لڑنا، بھڑنا، مارنا، مرنا فساد ہے۔ رب تعالیٰ کے لیے یہ کام جہاد اور ثواب ہے۔ مقصود تو اسے راضی کرنا ہے۔ جب کفار کا زور ان کا دباؤ جنگ میں بہت ہو جاوے اور مجاہد کا مارا جانا یقینی ہو جائے پھر بھی اس کا آگے بڑھنا، سینے پر گولی کھانا خودکشی نہیں بلکہ شہادت ہے کہ رضائے الٰہی کے لیے ہے۔ جب ملک کی سرحدوں پر اپنی جان دینے والے ایک فوجی کی یہ شان ہے کہ ملک کا حاکم اعلیٰ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اس کے بیوی بچوں کو انعام و اکرام سے نوازا جاتا ہے

تو جو شخص اللہ کے نام کی سربلندی کے لیے لڑکر شہید ہو جائے، سارے جہان کا خالق و مالک اللہ اسے اپنا دیدار عطا کرتا ہے جو تمام نعمتوں سے بہترین اور افضل و اعلیٰ ہے۔ جنت کے تمام انعامات سے اسے نوازہ جاتا ہے اور سب سے بڑا انعام تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو اپنی رضا و خوشنودی کا تمغہ عنایت فرماتا ہے۔

سوال:— اگر قتل اولاد کفار کا عمل تھا تو جناب عبدالمطلب نے اپنے فرزند عبداللہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیوں کیا۔ وہ تو مومن موحد تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کی تعریف کیوں فرمائی اور اپنے متعلق کیوں فرمایا کہ اَنَا ابنِ الذَّبِیْحَیْنَ یعنی میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ (آریہ)

جواب:— عار سے بچنے یا غربت و افلاس کی خوف سے بچوں کو قتل کرنا برا تھا۔ عبدالمطلب نے اس لیے یہ کوشش نہ کی تھی بلکہ وہ اپنی بے علمی اور دین ابراہیمی سے بے خبری کی وجہ سے یہ سمجھے کہ رب تعالیٰ ہمارے اس عمل سے راضی ہوگا۔ نیت بری نہ تھی، عمل میں غلطی نہ تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عبدالمطلب کے اس عمل کی تعریف نہ کی بلکہ رب تعالیٰ کے بچا لینے کی تعریف فرمائی۔

سوال:— اگر کفار مکہ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں میں پابندیاں لگاتے تھے کہ بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے ہونا چاہیے تو ان پر عتاب ہوا تو مسلمان حرم شریف کے شکار وہاں کی گھاس وغیرہ میں پابندیاں لگاتے ہیں کہ حرم کا شکار حرام، وہاں کی گھاس کا کاٹنا حرام۔ مسلمان کو بھی اسی عتاب کے شکار ہونا چاہئے۔ (رام چندر آریہ)

جواب:— کفار مکہ اپنی رائے سے یہ پابندیاں لگاتے تھے۔ اسلام کی یہ پابندیاں خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لگاتے ہیں۔ اللہ رسول مالک احکام شرعیہ ہیں لہٰذا کفار پر عتاب ہوا۔ مومنین ایسی پابندی سے رحمت کے مستحق ہیں۔ قاتل مجرم کو حاکم کے حکم سے قتل کرنا بالکل حق ہے اور کسی کا اپنے آپ سے قتل کر دینا جرم ہے۔ بیمار کا اپنے آپ دواخانہ سے دوا لے کر استعمال کرنا ہلاکت کا باعث ہے اور حکیم کی تجویز سے استعمال کرنا باعث شفا

ہے۔ اللہ اور رسول حاکم ہیں۔ حکیم ہیں۔ ان کی تجویز بالکل درست، ہماری تجویز غلط۔

سوال:— جب توریت اور انجیل شریف میں ہر چیز کی تفصیل بھی تھی، ہدایت بھی، رحمت بھی، تو اب اس کو ماننا، اس پر عمل کرنا ممنوع کیوں ہو گیا؟ اب بھی جو شخص توریت پر عمل کرے، ہدایت پر ہونا چاہیے کیونکہ جو چیز ہدایت و رحمت ہے وہ ہر زمانہ میں ہدایت ہے۔
(عیسائی، یہودی)

جواب:— توریت شریف، بلکہ تمام آسمانی کتابوں میں دو طرح کی ہدایت تھی اور ہے۔ ایک ہدایت ایمان، دوسرے ہدایت اعمال۔ ان سب کی ہدایت ایمان اب بھی باقی ہے اور تا قیامت باقی رہے گی۔ تمام کتابوں نے یہی فرمایا کہ اللہ ایک ہے، اس کی ہی عبادت کرو۔ اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ فرشتے، قیامت برحق ہیں۔ رہی ہدایت اعمال، وہ ان میں وقتی تھی۔ وہ وقت گذر گیا۔ ان کی ہدایت بھی ختم ہو گئی بلکہ گمراہی میں تبدیل ہو گئی۔ حضرتِ آدم علیہ السلام کے ان کی شریعت میں بہن سے نکاح کرنا ہدایت تھا مگر وہ دور گذر جانے پر یہ عمل حرام ہو گیا۔ اس کو حلال جاننا کفر ہو گیا۔ یوں ہی ان کتابوں کا ہدایت ہونا وقتی تھی، وہ بھی صرف بنی اسرائیل کے لئے۔ وہ وقت گذر گیا۔ ان کی رحمت ختم ہو گئی۔ چراغ کی روشنی سورج آنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ کھیت پک جانے پر بارش نقصان دیتی ہے۔

سوال:— اگر قرآن کی برکتوں اور تاثیر میں بالکل فرق نہیں پڑا تو جو برکتیں صحابہ کے زمانے میں قرآن میں تھیں وہ اب کیوں نہیں؟ وہ حضرات سورۂ فاتحہ دم کر کے زہر اتار دیتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید پارسیوں کی جماعت کے سامنے بسم اللہ کہہ کر زہر قاتل پی لیا تھا مگر آپ پر اس کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ ہم سارا قرآن پڑھ کر پی لیں یا دم کریں بھڑ کا زہر نہیں اترتا۔
(ملحد، بے دین)

جواب:— تار میں پاور یکساں آتا ہے مگر جس طاقت کا بلب ہو اتنی ہی روشنی ہوتی ہے۔ دینے میں فرق نہیں، لینے والے کے ظرف میں فرق ہے۔ ہم ہلکا بلب ہیں بلکہ جو بدنیتی سے قرآن پڑھے وہ گنہگار رہوتا ہے۔ الٹا نقصان اٹھاتا ہے۔ مسلمان قرآن پڑھے تو ہر حرف پر

دس نیکیاں پاتا ہے۔کافر بدنیتی سے قرآن پڑھے گا تو الٹا گنہگار رہتا ہے۔منافقین کفار گویا فیوز اڑا ہوا بلب ہیں۔وہاں روشنی کیسے آئے گی؟

سوال:— قرآن واحادیث میں ہے کہ یہود ونصاریٰ کے ۷۲ فرقے بنے۔ان میں سے ایک جنتی ہے۔باقی ۷۱ دوزخی ہیں اور میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے،ایک جنتی باقی دوزخی۔تو کیا اگر کوئی آج عیسائیت یا یہودیت کے جنتی فرقے میں داخل ہو جائے تو نجات پا جائے گا؟اگر پا جائے گا تو پھر اسلام لانے کی کیا ضرورت ہے؟(عیسائی،یہودی)

جواب:— ان لوگوں میں ایک ایک فرقہ جنتی جب تک ہو سکتا تھا جب تک وہ دین منسوخ نہیں ہوئے تھے۔اب منسوخ ہو چکنے کے بعد وہ سارے فرقے جہنمی ہیں۔اگر کوئی شخص آج اصل توریت وانجیل حاصل کر کے اس پر عمل کرے تب بھی وہ جہنمی ہے۔اسلام چونکہ کبھی نہ منسوخ ہوگا لہٰذا اس کا فرقہ ہمیشہ جنتی رہے گا۔اس فرقے میں رہنا چاہئے۔وہ وہی فرقہ ہے اہل سنت والجماعت جس میں حضرات اولیا اللہ ہیں،صالحین ہیں،شہدا ہیں،علما ربانین ہیں۔

سوال:— گذشتہ دین یعنی یہودیت،عیسائیت کو ملت ابراہیمی کیوں نہیں کہا جاتا وہ سبھی حضرت ابراہیم کی اولاد ہی کے دین تھے؟ حضرت عیسیٰ،موسیٰ،داوٗد،سلیمان،یحییٰ،زکریا علیہم السلام سب اولاد ابراہیمی ہیں۔ان کے دین کو دین ابراہیم کیوں نہیں کہا گیا؟ صرف اسلام ہی کو دین ابراہیم کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب:— اولاد اسحاق میں بہت نبی آئے۔الگ الگ دین لائے۔اگلے نبی کا دین منسوخ کیا۔پھر اس سلسلہ اولاد میں دین ابراہیمی کیسے باقی رہ سکتا تھا۔اولادِ اسمٰعیل میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی نہ آیا۔صرف حضور آئے اور آپ نے دین ابراہیمی کو منسوخ نہیں کیا بلکہ اس کی تائید کر کے مع اضافہ باقی رکھا۔نیز اکثر ابراہیمی سنتیں حجاز میں رائج رہیں۔فلسطین میں نہ رہیں۔قربانی،تعمیر کعبہ،مقام ابراہیم کا اہتمام،صفا ومروہ کی سعی،عرفات ومنیٰ میں قیام،جمروں کو کنکر مارنا،ختنہ وغیرہ،سب چیزیں حجاز مقدس میں رائج

ہوئیں۔ حضور انور نے ان سب کو باقی رکھا بلکہ انہیں فروغ دیا۔ لہٰذا اسلام اور صرف اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے۔ حضور سے پہلے صرف حجاز کے لوگ حج کعبہ کرتے تھے۔ اب ساری دنیا کے لوگ کعبہ کا حج کرتے ہیں۔ کعبہ تو وہی ہے مگر راجہ دوسرا ہے جس کا راج سارے جہان میں ہے۔ جہاں تک راج وہاں تک سکہ اور قانون۔ جہاں تک جنابِ مصطفیٰ کا راج وہاں تک قرآن اور کعبہ کی دھوم۔

سوال:— قیامت میں حساب کے بعد وزن اعمال کیوں ہوگا، حساب کافی نہیں؟

جواب:— اعمال کا حساب تو ان کی تعداد ظاہر کرنے کے لیے ہوگا اور اعمال کا وزن ان کی کیفیت بتانے کے لیے ہوگا۔ حساب میں یہ بتایا جائے گا کہ اعمال کتنے ہیں، وزن سے یہ ظاہر کیا جائے گا کہ اعمال کیسے ہیں؟ جیسے کراچی یا دلّی سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ جاؤ تو کراچی یا دلی میں اسباب تولا جاتا ہے کرایہ کے لیے کہ اگر چالیس کلو سے زیادہ ہو تو کرایہ وصول کیا جاوے اور جدہ میں اسباب دیکھا جاتا ہے کہ کیسا ہے، کیا ہے، نشہ آور ہے یا تجارتی کسٹم کے لائق ہے کہ نہیں۔ غرضیکہ وزن کراچی اور دہلی میں دیکھا گیا اور نوعیت جدہ میں۔

سوال:— یہاں وزن سے مراد یہ مروجہ تولنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے عدل و انصاف اور رب تعالیٰ کا فیصلہ کیونکہ انسان کے اعمال جوہر نہیں بلکہ عرض ہیں جو کرتے ہی فنا ہو جاتے ہیں اور معدوم فنا شدہ چیز کا وزن ناممکن اعمال میں بوجھ ہونا عقل کے خلاف ہے۔ (معتزلہ)

جواب:— قرآنی آیات میں بلاشرعی ضرورت تاویلیں، تحریفیں کرنا ہرگز درست نہیں ورنہ پھر آیاتِ قرآنیہ معتبر نہ رہیں گی۔ لوگ صوم وصلوٰۃ، زکوٰۃ میں ایسی واہیات تاویلیں شروع کر دیں گے۔ قیامت کے ترازو کو اپنے دنیا کی ترازو پر قیاس نہ کرو۔ کل وہاں ہماری صفات کی شکلیں بھی ہوں گی۔ ان میں وزن بھی۔ دنیا میں علم و دولت، قحط ارزانی خواب میں مختلف شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ بادشاہِ مصر نے قحط اور ارزانی کے برسوں کو سات گایوں سات بالیوں کی شکل میں دیکھا۔ آج سائنسی آلات بخار کا ٹمپریچر ناپ لیتے ہیں سوڈگری ہے یا ایک

سوپانچ۔ بجلی کا پاور میٹر کے ذریعہ ناپ لیا جاتا ہے کہ کتنے یونٹ خرچ ہوا۔ ہومیو پیتھک والے دوا کی طاقت، بیماری کی قوت ناپ لیتے ہیں۔ دوا بیماری سے زیادہ طاقتور استعمال کراتے ہیں۔ ہوا کی رفتار ناپ لی جاتی ہے کہ اتنے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان آیا۔ اگر وہاں یہ چیزیں وزن میں آ جاویں تو کیوں انکار ہے؟ اعمال کے وزن کے متعلق آیات و احادیث بہت ہیں۔

سوال:— تم نے جو وزن کے متعلق حدیث پیش کی ایک شخص کی نیکیاں ہلکی ہو جانے کی وجہ سے دوزخ میں لے جایا جا رہا ہوگا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پلے میں درود شریف یا اس کی علمی خدمات رکھ کر اس کا وزن بڑھا دیں گے تو رب تعالیٰ نے اس کی یہ نیکیاں پہلے ہی اس کی نیکیوں والے پلے میں کیوں نہیں رکھ دیں؟ کیا وہاں اعمال میں کتر بیونت کی جاوے گی؟

جواب:— منشاءِ الٰہی یہ ہوگا کہ اس کی اس نیکی کا وزن بڑھ جاوے۔ روٹی میں پانی لگ جاوے تو بھاری ہو جاتی ہے۔ ہم گنہگاروں کے ہلکے اعمال میں حضور انور کی نظر کرم یا دست کرم لگ جاوے تو بھاری وزن ہو جاتے ہیں۔ حضور کا ہاتھ لگوانا اس گنہگار کی قسمت جگانے، مشکل حل کرنے کے لیے ہوگا اور اس میں حضور کی شان دکھائی جائے گی کہ پکڑے ہوؤں کو چھڑا لیتے ہیں، بگڑے ہوئے کو بنا دیتے ہیں، ڈوبتے ہوؤں کو ترا دیتے ہیں، دوزخ میں جاتے ہوؤں کی لائن بدل کر جنت کی لائن پر لگا دیتے ہیں۔ اللّٰھم صل وسلم و بارك علیہ۔

سوال:— رب تعالیٰ سے ہم کلامی بڑی عزت ہے۔ حضرت موسیٰ اس وجہ سے ممتاز ہوئے۔ ان کا لقب کلیم اللہ ہوا تو چاہیے کہ ابلیس بھی بڑی عظمت والا ہو کہ اس سے بلا واسطہ رب نے کلام فرمایا؟

جواب:— پہلی بات یہ کہ ابلیس سے کلام خود رب تعالیٰ نے فرمایا یا فرشتوں کے ذریعہ اس کو کہلوایا۔ اگر فرشتے کے ذریعہ کہلوایا گیا ہو تو پھر کوئی سوال ہی نہیں اور اگر بلا واسطہ رب

تعالیٰ نے ہی کلام فرمایا ہو تو یہ کلام اظہار قہر وغضب کا ہے۔ رب سے ہم کلامی وہ عزت کا باعث ہے جو احترام واکرام کے ساتھ ہو۔ حاکم جس کو اپنے یہاں مہمان بلا کر اس سے محبت کا کلام کرے وہ معزز ہے اور جس مجرم کو بذریعہ پولس پکڑوا کر اسے سزا کا حکم سنائے وہ مجرم بدترین ذلیل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے کلام محبت کا تھا اور ابلیس سے غضب کا۔ ایک میں محبت ہے، دوسرے میں لعنت اور غضب ہے۔

سوال:— شیطان دوزخ کی طرف انسان کو بلاتا ہے تو چاہیے کہ وہ ٹیڑھے راستے پر بیٹھے، سیدھے راستے پر کیوں بیٹھتا ہے؟ یہ تو جنتیوں اور نیک لوگوں کا راستہ ہے۔

جواب:— تین وجہوں سے۔ ایک یہ کہ ادھر آنے والوں کو وہ یہاں سے ہٹانے اور ٹیڑھے راستے پر پہنچانے کی کوشش کرنا ہے۔ دوزخیوں کو صرف ٹیڑھے راستے پر جماتا ہے۔ جمانا آسان ہے، ہٹانا مشکل ہے۔ اس لیے وہ مشکل مقام پر بیٹھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسی راستے پر اللہ کی قائم کردہ حفاظتی چوکیاں ہیں جہاں پر محافظین بندے رہتے ہیں۔ حضرات انبیائے کرام اولیا کرام ہیں کیونکہ یہ رب تعالیٰ کا قائم کردہ راستہ ہے۔ ٹیڑھے راستوں پر ہی کچھ نہیں اس لیے یہ بھی وہاں ہی رہتا ہے۔ مگر لوگوں کو صراط مستقیم پر چلانے کے لیے بلکہ چلنے والوں کو سیدھے راستے سے ہٹانے اور ان کو گمراہ کرنے کے لئے۔ تیسرے یہ کہ شیطان گویا ڈاکو ہے، ڈاکو وہاں ہی رہتا ہے جہاں سے مال والے لوگ گزرتے ہوں۔ ایمان والے، اعمال والے، عرفان والے، تقویٰ والے لوگ یہاں سے ہی گزرتے ہیں اس لیے وہ یہاں ہی رہتا ہے۔ ٹیڑھے راستے والوں کے پاس ہوتا ہی کچھ نہیں۔ ان کے پاس کیا لینے آئے گا۔

سوال:— ابلیس اور اس کی ذریت کو اللہ تعالیٰ نے اتنی قوت کیوں دی کہ وہ سب بیک وقت سارے انسانوں کو دیکھتے ہیں اور ان کے ارادوں، خطرات سے خبردار ہیں؟ یہ تو بڑا ظلم ہے، نعوذ باللہ۔ (آریہ)

جواب:— وہ رب کریم کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس نے جہاں اتنے طاقتور، قوی ابلیس پیدا کیا ہے تو اس سے بڑھ کر قوت والے انبیا، اولیا پیدا فرمائے جو شیطان کا توڑ ہیں اور

اس سے زیادہ طاقتور ہیں۔ اگر اس رحیم نے نہایت تیز دھوپ پیدا فرمائی تو اس کے توڑ کے لیے تیز بارش بھی پیدا کی ہے۔ اگر اس نے سخت بھوک، پیاس اور بیماریاں پیدا کی ہیں تو ان کے توڑ کے لیے غذائیں، پانی، شربت اور دوائیں بھی پیدا فرمائیں۔ پنڈت جی! اس جوڑ توڑ سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ نظام قدرت پر غور کرو۔

سوال:۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے والے شیطان کو لمبی عمر عطا فرمادی مگر کسی نبی ولی کو اتنی عمر نہ دی۔ یہ تو انصاف کے خلاف ہے کہ بیماری کو موت نہیں اور علاج کو موت دے دی۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ اس کی وجہ یہ کہ رب تعالیٰ جانتا ہے کہ مقبول بندوں کے وفات کے بعد ان کے فیوض و برکات ختم نہیں ہوتے بلکہ اور زیادہ ہو جاتے ہیں۔ پھر انہیں دنیا کی تکالیف میں زیادہ کیوں رکھا جاوے۔ ابلیس اگر مر جاتا تو اس کے تصرفات وغیرہ سب ختم ہو جاتے۔ مقصود یہ تھا کہ اس مردود کی گمراہی گری باقی رہے تا کہ مسلمانوں کو ان کے اعمال کے ثواب ملتے رہیں۔ اِدھر شیطان باقی اُدھر اللہ والوں کے فیضان غیر فانی۔ پنڈت جی! اللہ کے کاموں میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ اس کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

سوال:۔۔۔ حدیث شریف میں ہے کہ فساق و فجار، سرکش نافرمان اور کفار کی جان نکالنے کے لیے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو ڈراؤنی شکل میں جاتے ہیں اور مومنین کی روح نکالنے کے لیے نہایت حسین وجمیل، خوب صورت شکل میں آتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ شکلیں تبدیل نہیں ہو سکتیں۔

جواب:۔۔۔ فرشتے تو پر نور مخلوق ہیں۔ انسان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ غصے کی شکل اور ہوتی ہے، خوشی و مسرت کی شکل اور، بیماری اور تندرستی کی صورت اور۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب قافلے والوں نے کنویں سے نکالا تو آپ اتنے ہلکے تھے کہ انہیں پانی کا ڈول معلوم ہوا مگر چند روز کے بعد جب عزیز مصر نے سونے وغیرہ سے وزن کر کے خریدا تو آپ تقریباً پانچ من تھے۔ کنویں پر آپ کا حسن اور وزن کچھ اور تھا اور بازار مصر میں کچھ اور۔ مگر

جب مصری عورتوں نے دیکھا تو ایسا حسن تھا کہ انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

حسن یوسف پہ کٹی مصر میں انگشت زناں

سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

سوال:۔۔۔ جنتیوں کی زبان تو عربی ہوگی اور دوزخیوں کی زبان پختو یا فارسی ہوگی پھر وہ ایک دوسرے کی بات کیسے سمجھ لیں گے اور سوال و جواب کیوں کر ہوں گے؟

جواب:۔۔۔ یہ زبانیں ان دونوں جماعتوں کی آپس میں بولنے کی ہوں گی مگر وہ دونوں ایک دوسرے کی بولی سمجھا کریں گے۔ بولنے کی زبان اور ہوسکتی ہے سمجھنے کی دوسری۔ آج حرمین طیبین کے دوکاندار عربی میں بات کرتے ہیں، عربی بولتے اور سمجھتے ہیں۔ وہ ہر ملک کی زبان سمجھتے ہیں اور با آسانی ہر ایک سے تجارت بھی کر لیتے ہیں۔ حضرت سلیمان اپنی زبان بولتے تھے مگر تمام جانوروں کی زبان سمجھتے تھے۔

سوال:۔۔۔ گزشتہ پیغمبروں کی امتوں نے اپنے نبیوں سے عذاب مانگے اور آ گئے مگر کفار مکہ نے حضور انور سے عذاب مانگا تو حضور نے فرمایا، میرے پاس تمہارا منہ مانگا عذاب نہیں، یا فرمایا کہ اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا تو فیصلہ ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ حضور بالکل مالک ومختار نہیں بلکہ مجبور و معذور ہیں۔ (وہابی، دیوبندی)

جواب:۔۔۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ تمہاری پیش کردہ حدیث کے یہ معنی نہیں کہ میں عذاب لانے سے مجبور ہوں بلکہ یہ معنی ہیں کہ میں رحمت والا نبی ہوں، میرے پاس رحم وکرم ہے، عذاب نہیں۔ اگر عذاب ہوتا تو تم ہلاک ہو جاتے۔ میری منشا یہ ہے کہ نہ مکہ اجڑے نہ کعبہ چاہ زمزم وغیرہ برباد ہوں نہ کفار مکہ ہلاک ہوں بلکہ مکہ وغیرہ آباد رہے اور یہی کفار مسلمان ہوکر اسلام کی خدمت انجام دیں۔

سوال:۔۔۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی ہوا قوم عاد کے لیے مقام احقاف میں عذاب ہو اور اس کے قریب ہی غار ہو وہیں رحمت؟ اگر ہوا رحمت ہے تو سب کے لیے ہے اور اگر عذاب

ہے تو سب کے لیے ہے۔

جواب:— اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال ہمارے حضور کو دکھا دی تھی۔ غزوۂ احزاب میں ہوا ایک تھی مگر خندق کے اس پار جانب مدینہ رحمت کی تھی اور خندق کے دوسری طرف عذاب۔ ہیٹر اور فریز دونوں ایک میز پر رکھ دو اور دونوں ایک ہی میز پر رکھ دو اور دونوں میں بجلی کا پور چھوڑ و، ہیٹر گرم ہوگا، فریز ٹھنڈا ہوگا حالانکہ پاور دونوں میں ایک ہی ہے۔ دو شخص ایک چارپائی، ایک بستر میں سو رہے ہیں، ایک دل خوش خواب دیکھ رہا ہے خوش ہو رہا ہے، دوسرا خطرناک خواب دیکھ کر ڈر رہا ہے۔ ایک قبر میں مومن و کافر دفن ہو گئے، مومن کے لیے وہ قبر جنت کا باغ ہے اور کافر کے لیے وہی قبر دوزخ کی بھٹی۔

سوال:— علما، مفسرین، محدثین فرماتے ہیں کہ کائنات عالم کے ہر چیز پر حضور انور کا نام لکھا ہوا ہے۔ اگر حضور کا نام کائنات کے ہر چیز پر کندہ ہے تو وہ ہمیں دکھائی کیوں نہیں دیتا؟

جواب:— جس طرح دریا، پہاڑ، چاند، سورج، ستارے، شجر و حجر غرضیکہ کائنات کی ہر شئی اپنی اپنی زبان میں اپنے اپنے انداز میں اللہ کی تسبیح اور ذکر کرتی ہے مگر وہ سب کو سنائی نہیں دیتی۔ بعینہٖ کائنات کے ہر شئے پر حضور کا نام پاک لکھا ہوا ہے مگر وہ ہم کو دکھائی نہیں دیتا۔ عرش اعظم کے پایوں پر محمد کا نام، لوحِ محفوظ پہ محمد کا نام، جنت کی ہر چیز پہ محمد کا نام، حوروں کی آنکھوں کی پتلیوں پر محمد کا نام، غلمانِ جنت کی پیشانی پہ محمد کا نام، آسمانی کتابوں میں محمد کا نام، قدیم پتھروں پر محمد کا نام، سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر محمد کا نام، موسیٰ کلیم اللہ کی پیشانی پہ محمد کا نام، کشتی نوح میں محمد کا نام، انبیا کے مقدس شانوں کے بیچ محمد کا نام، فرشتوں کی نورانی زلفوں پر محمد کا نام، موذن کے اذان میں، خطیب کے خطبوں میں، مفسر کی تفسیر میں، مقرر کی تقریر میں، ادیب کی ادب میں، محرر کی تحریر میں، نمازی کی نمازوں میں، غرضیکہ ہر جگہ اللہ کے نام کے ساتھ نام محمد موجود ہے۔ ہمارا عینی مشاہدہ ہے درختوں کے پتوں پر، پتھروں پر، پھل پھول اور سبزیوں پر قلم قدرت سے لکھا ہے ”محمد رسول اللہ“۔

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

کائنات کا خالق اللہ ہے مگر کائنات کے ہر شئے پر نام پاک محمد لکھ کر اللہ نے اعلان فرمادیا کہ اے دنیا والو! میں دونوں جہان کا خالق ہوں، تو میرا محبوب۔ دونوں جہان کا مالک ومختار ہے اسی لیے عاشقوں کے امام سرکار اعلیٰ حضرت مجدد دین ملت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

سوال:— تم نے کہا کہ شاندار کوٹھیاں، اعلیٰ محل، خوشنما بنگلے بنانا بالکل جائز ہے مگر حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے اونچا مکان بنالیا تھا تو جب تک اسے خود اپنے ہاتھ سے نہ ڈھادیا حضور نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ ایک صاحب اپنے مکان کی مرمت کر رہے تھے حضور نے فرمایا کہ موت تو اس سے بھی قریب ہے۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ پکا مکان بنانا شاندار محل اور کوٹھی بنگلہ بنانا حضور کے لیے باعث ایذا ہے۔

جواب:— وہ حدیث ہنگامی حالات کی ہیں جب کہ مسلمانوں کو دفاعی تیاریوں، جہادوں کی سخت ضرورت تھی ایسے حالات میں ایسے احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ہنگامی حالات میں رات کو شہروں اور بستیوں میں روشنی تک نہیں کی جاتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتی باڑی کرنے والے آلات وسامان ملاحظہ فرمائے تو فرمایا کہ جس گھر میں یہ چیزیں ہوں گی وہاں ذلت وخواری ہوگی۔ حالانکہ زراعت اور کھیتی باڑی پر زندگی کا دارومدار ہے۔ وہ فرمانِ عالی بھی انہیں ہنگامی حالات میں تھا کہ اگر تم لوگوں نے آج کے حالات میں جہاد چھوڑ دیا، کھیتی باڑی اور مکان بنانے سنوارنے میں مصروف ہو گئے تو دشمن تم کو تباہ وبرباد کردیں گے۔ جب حالات نارمل ہو گئے تو یہ احکام بھی

ختم ہو گئے۔ حضرات صحابہ کرام نے بڑی بڑی عمارتیں اور شاندار محل بنائے لہٰذا اچھا مکان، شاندار محل اور خوب صورت بنگلہ بنانا درست ہے البتہ اس پر غرور و گھمنڈ کرنا یہ جائز نہیں۔ اس سے اللہ اور رسول کی ناراضگی ہوتی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ایک دور ایسا بھی آئے گا کہ لوگ اچھے اچھے مکان بنائیں گے، اس کو سنواریں گے مگر قبر کو بھول جائیں گے۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے اور پاک و نیک عورتیں پاک لوگوں کے لئے۔ حالانکہ حضرت نبی لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی اور کفر یا کافر ناپاک ہے تو ایسی ناپاک کافرہ عورت پاک نبی کی نکاح میں کیوں؟

جواب:— تمہاری پیش کردہ آیت کا حوالہ میں خبیثات سے مراد کافرہ عورتیں نہیں بلکہ فاحشہ، زانیہ، بدکار عورتیں مراد ہیں۔ واقعی کسی نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوئی۔ نبی کی بیوی کافرہ ہوسکتی ہے بلکہ ہوئی بھی ہے مگر بدکار، زانیہ نہیں ہوسکتی۔ یہ قرآن و احادیث کا اعلان ہے۔

سوال:— اللہ نے لوط علیہ السلام کی بیوی واہلہ کو ہدایت کیوں نہ دے دی، اسے ایمان کی توفیق نہ ملنے سے نبوت کے دامن پر دھبہ لگتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی ہدایت نہ دے سکے؟ (نادان لوگ)

جواب:— اس واقعہ میں اللہ کی شانِ بے نیازی کا اظہار ہے کہ اگر وہ کرم کرے تو غیروں، اجنبیوں کو بھی ہدایت دے دے اور اگر وہ کرم نہ کرے تو خاص نبی کے گھر والے کو بھی ہدایت نہ ملے۔ نیز قیامت تک نبی کی اولاد کو سبق ہے کہ کوئی اپنی پیغمبر زادگی پر فخر نہ کرے، غرور حسب و نسب میں مبتلا نہ ہو۔ اللہ سے رحمت و ہدایت مانگے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض پڑھے لکھے سید زادے قادیانی، بہائی ہو کر مرے۔ اس بہائی فرقے کا پیشوا سید محفوظ الحق علمی ہے میں نے خود اس کی کتاب دیکھی ہے بہائی فرقے کی تبلیغ کے سلسلے میں۔ یہ پہلے اہل سنت کا بڑا عالم تھا۔ ہر شخص کو ہمیشہ بری صحبتوں، بری کتابوں کے مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ایمان ایک دولت ہے اس کی حفاظت کرو۔ واہلہ اپنی کافر قوم میں گھلی ملی رہتی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کے خلاف جاسوسی میں بھی ملوث تھی۔

سوال:۔۔۔ بعض بزرگوں سے بسا اوقات خلاف شرع افعال صادر ہو جاتے ہیں جیسے کہ اللہ کے عشق میں خود کو بلندی سے گرا دینا اور دم توڑ دینا۔ یہ خودکشی ہوئی اور خودکشی شریعت میں حرام ہے۔ (عام لوگ)

جواب:۔۔۔ فنائیت، محویت اور استغراقی کیفیت جب بندے پر طاری ہوتی ہے تو بندہ شریعت کا مکلّف (پابند) نہیں رہتا۔ جن بزرگوں سے استغراقی کیفیت میں ایسا فعل سرزد ہوا اسے خودکشی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ جب مجمع عام میں تقریر یا خطاب فرماتے تھے تو آپ کی تقریر سن کر بعض صوفیائے کرام اور اہل دل پر فنائیت، محویت اور استغراق طاری ہو جاتا تھا اور وہ مجمع ہی میں چیخ مار کر بیہوش ہو جاتے اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی۔ لہٰذا ان کے اس فعل کو خودکشی نہیں کہا جائے گا جنہوں نے اللہ سے دل لگا لیا وہ اپنی مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

سوال:۔۔۔ اگر عذاب کی جگہ رہنا منع ہے تو لوگ مکہ معظّمہ میں کیوں رہتے ہیں؟ وہاں پر بھی تو اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔

جواب:۔۔۔ یہ عذاب مکہ معظّمہ سے باہر آیا۔ یہ جگہ منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں طرف پڑتی ہے جو شہر مکہ سے دور ہے۔ وہاں رہنا تو کیا، ٹھہرنا بھی منع ہے۔ حتیٰ کہ حجاج کرام کو وہاں سے تیزی سے گذر جانے کا حکم ہے۔ لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے کہ ہم کفار و مشرکین کے دلوں پر مہر کر دیں تو وہ سن نہ سکیں۔ سننا دل کا کام نہیں، کانوں کا کام ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مہر دل پر لگے اور کان سننے سے محروم ہو جاویں؟ یہ بات عقل میں نہیں آتی۔

جواب:۔۔۔ جیسے ظاہری حالات میں دیکھا جاتا ہے کہ جب سونے یا بیہوشی یا دیوانگی کی حالت میں دل پر اثر پڑتا ہے تو کان، آنکھیں دیکھنا اور سننا چھوڑ دیتے ہیں ایسے ہی روحانیت میں ہے کہ جب دل پر بد دینی اور کفر و شرک کی مہر لگ جاتی ہے تو کان حق بات سنتے ہی نہیں۔ آنکھیں حق دیکھتی ہی نہیں۔ بظاہر سننا دیکھنا معلوم ہوتا ہے مگر دل چونکہ اسے قبول نہیں کرتا اس

لیے یہ سننا دیکھنا بے کار رہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سننا نہ سننے کی طرح ہے، دیکھنا نہ دیکھنے کی طرح ہے۔ اسی کو تو قرآن نے کفار و مشرکین کو اندھا، بہرہ، مردہ فرمایا ہے کہ جو دل رکھتے ہوئے بھی حق قبول نہ کرے وہ مردہ ہے، جو کان رکھتے ہوئے بھی حق نہ سنے وہ بہرہ ہے، جو آنکھ رکھتے ہوئے حق نہ دیکھے وہ اندھا ہے، جو زبان رکھتے ہوئے حق نہ بولے وہ گونگا ہے۔

سوال:۔۔۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا تھا پھر بعد میں لاٹھی ہو جاتا تھا تو آریوں کا مسئلہ تناسخ (آواگون) درست ہوا کہ انسان مرنے کے بعد کتا، بلا بن کر دنیا میں آتا ہے حالانکہ مسلمان اس عقیدے کو کفر کہتے ہیں؟

جواب:۔۔۔ اس سوال کا جواب دیا جا چکا ہے کہ جسموں کا تناسخ رات و دن ہوتا رہتا ہے۔ جسم انسانی قبر میں گل کر مٹی، آگ میں جل کر راکھ بن جاتا ہے۔ سر کا میل جوں اور چار پائی کا میل کھٹمل بن جاتا ہے۔ البتہ ارواح کا تناسخ ناممکن ہے کہ روح انسان ناطق گھوڑے، گدھے کی روح بن جاوے۔ آریہ روحوں کا تناسخ مانتے ہیں، یہ کفر ہے۔ پانی بھاپ یعنی ہوا بن جاتا ہے، ہوا پانی بن جاتا ہے، کیمیا سے تانبا سونا بن جاتا ہے، رانگ، چاندی کان کی نمک میں جو چیز جا کے نمک بن جاتی ہے، یہ سب تناسخ ابدان ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے مٹی کا پرندہ بن جانا، لاٹھی کا سانپ ہو جانا بالکل برحق ہے۔ معلوم ہوا کہ تناسخ روح کا نام آواگون ہے نہ کہ تناسخ ابدان۔

سوال:۔۔۔ یہ تبدیلی حقیقت آپ کے ہاتھ کا معجزہ تھا یا عصا کا۔ اگر آپ کے ہاتھ کا معجزہ تھا تو چاہیے تھا کہ آپ ہر لاٹھی کو سانپ بنا دیا کرتے اور اگر لاٹھی کا معجزہ تھا تو چاہیے تھا کہ یہ لاٹھی ہر ایک کے ہاتھ میں سانپ بن جایا کرتی۔ (مادہ پرست)

جواب:۔۔۔ معجزہ آپ کے ہاتھ شریف کا تھا مگر اس کا مظہر یہ خاص لاٹھی تھی۔ جیسے بجلی کا پور روشنی دیتا ہے مگر اس کا مظہر بلب ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر پاور کا تعلق بلب کے بجائے تیل کے چراغ سے کر دیا جائے تو وہ روشنی نہ دے گا۔ یہ بات خیال میں رہے کہ فرعونی جادوگروں نے بھی رسیوں، بلیوں، بانسوں کو سانپ بنا کر دکھایا مگر وہاں صرف نظر بندی تھی، حقیقت نہ بدلی

تھی۔اسی کو جادو کہتے ہیں۔نبی کے ذریعہ جیسے چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے ویسے ہی چیز کی صفات بھی بدل جاتی ہے۔جب نبی کی برکت سے چیزوں کی ذات وصفات بدل جاتی ہے تو ایسے ہی ان کی برکت سے انسانوں کی ذات وصفات بدل جاتی ہے۔حضورانور نے اپنے کمبل شریف میں حبشی کو لے کر حسین بنادیا۔ظاہر و باطن سب بدل دیا۔نقشہ بدل دیا،رنگ وروپ بدل دیا۔کافر کو مومن،فاسق کو نیک،متقی،غافل کو عارف بنادیا۔

سوال:—— اللہ تعالیٰ نے فرعونی جادوگروں کے اس جادو کو عظیم کیوں فرمایا۔رب کی شان تو یہ ہے کہ اس دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں کو حقیر وقلیل فرمایا اور رب کی شان تو یہ ہے کہ اس دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں کو حقیر وقلیل فرمایا اور کہا قل متاع الدنیا قلیل. اے میرے محبوب فرمادو کہ دنیا کی پونجی تھوڑی اور کم ہے مگر یہاں فرعونی جادوگروں کے چند سانپوں کو عظیم فرمانا اس کی شان کے خلاف ہے۔

جواب:—— اس سوال کے دو جواب ہیں،ایک یہ کہ وہ جادو دیکھنے والوں کی نظر میں عظیم ہے یا جادوگروں کے نزدیک بڑا تھا یا جادو کے فن کے لحاظ سے بڑا تھا نہ کہ اللہ کے نزدیک۔ بہت چیزیں دنیا والوں کی نظر میں معمولی ہوتی ہیں مگر اللہ کے نزدیک عظیم ہوتی ہیں۔دیکھو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا اس وقت کے منافقوں کی نظر میں معمولی بات تھی مگر اللہ کے نزدیک وہ گناہِ عظیم تھا اور بعض چیزیں اس کے برعکس دنیا والوں کی نظر میں بہت ہی عظیم اور بڑی ہوتی ہیں مگر رب تعالیٰ کے نزدیک معمولی،حقیر۔جیسے یہ دنیا اور اس کی تمام چیزیں اور جیسے یہ مذکورہ جادو۔دوسرے یہ کہ جادو اللہ کے نزدیک بھی عظیم الشان تھا کہ اسی کے ذریعہ اتنے بہت سے جادوگروں کو ایمان ملا۔چونکہ اس جادو کو نسبت تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور موسیٰ علیہ السلام تو عظیم ہیں لہٰذا یہ جادو بھی عظیم ہوا۔دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیہ والے دنبے کو عظیم فرمایا حالانکہ وہ دنبہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ من کا ہوگا مگر چونکہ اسے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نسبت تھی لہٰذا عظیم ہوا۔

سوال:—— فرعونی جادوگر نہ تو اسرائیلی تھی نہ تو مصری،پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان

کیوں لائے۔ موسیٰ علیہ السلام نہ ان کے نبی تھی نہ یہ لوگ آپ کے امتی کہ آپ صرف اسرائیلیوں اور مصریوں کے نبی تھے۔

جواب:— ہر نبی پر ایمان لانا چاہئے۔ دیکھو ہم لوگ محمدی مسلمان ہیں مگر سارے نبیوں پر ہمارا ایمان ہے۔ امت نہ ہونے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان کے شریعت کے احکام ان لوگوں پر جاری نہیں ہو سکتے۔ گذشتہ انبیائے کرام اگر چہ خاص خاص جماعتوں کے نبی ہوئے مگر انہوں نے ایمان کی دعوت سب کو دی۔ ہاں اپنے احکام صرف انہیں پر جاری کئے جن کے وہ نبی تھے۔ یہ فرق خیال میں رہنا چاہئے۔

سوال:— بدلہ لینا رب تعالیٰ کے شان کے خلاف ہے۔ معافی دینا اس کی شان ہے۔ پھر اس نے قرآن میں یہ کیوں فرمایا کہ ہم نے فرعونیوں سے بدلہ لیا؟

جواب:— ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینا عین انصاف ہے۔ اسے چھوڑ دینا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں سے اسرائیلی مظلوم بچوں، مومن جادوگروں کا بدلہ لیا۔ یہ عین انصاف تھا۔ نیز موذی کو سزا دینا ضروری ہے۔ سانپ کو مار دینا ضروری، زندہ چھوڑ دینا لوگوں پر ظلم ہے کہ وہ کسی اور کو ڈسے گا۔

سوال:— اللہ کے یہاں حسب نسب کوئی چیز نہیں۔ فضیلت اعمال اور تقویٰ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ. لہٰذا ثابت ہوا کہ بدعمل سید سے نیک اعمال والا غیر سید افضل ہے۔

جواب:— یہ غلط ہے۔ اولاد نبی ہونا اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ تمہاری پیش کردہ یہ آیت میں خطاب کفار عرب سے ہے کہ کفر کے ہوتے ہوئے حسب ونسب سے شرافت نہیں ملتی۔ یا اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اولاد رسول اپنے کو اعمال سے بے نیاز نہ جانے بلکہ دوسروں سے زیادہ نیکیاں کرے۔ ورنہ بتاؤ بنی اسرائیل کو عالمین سے افضل کیوں فرمایا گیا جب کہ وہ بت پرستی کی خواہش بھی کر چکے تھے۔ اس کی تحقیق کے لیے ہماری کتاب الکلام المقبول فی طہارت نسب الرسول کا مطالعہ کرو۔

سوال:۔۔۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ کسی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو حضور نے فرمایا، وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھوں؟ معلوم ہوا کہ حضور نے رب کا دیدار نہیں کیا۔ (گمراہ، بدمذہب)

جواب:۔۔۔ اس حدیث کی اصل عبارت معترض نے نہیں پڑھی۔ ترجمہ پڑھا۔ مگر وہ بھی غلط کیا۔ حدیث شریف کی اصل عبارت یہ ہے نُوْرٌ اَنّی اَرَاہُ. میں نے اسے دیکھا ہے وہ نور ہے۔ دوسری مقام پہ فرمایا رَأَیْتُ اَحْسَنَ رَبِّی. میں نے اپنے رب کو ایک حسین وجمیل روپ میں دیکھا جیسا کہ اس کی شان ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ان حدیث کے خلاف نہیں جو ہم نے ابھی دیدار الٰہی کی ثبوت میں پیش کی۔ خیال رہے کہ حالت ظاہری اور حالت بیداری میں رب کا دیدار صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ البتہ حالت نوم میں غیر نبی کے لیے دیدار ممکن ہے جیسا کہ علمائے جمہور کا اتفاق ہے۔

سوال:۔۔۔ اللہ تعالیٰ نور ہے اور ہماری آنکھیں نور کو نہیں دیکھ سکتی۔ دیکھو فرشتے نور ہیں جو آنکھ کو نظر نہیں آتے تو خدائے تعالیٰ کیسے نظر آسکتا ہے؟

جواب:۔۔۔ اس سوال کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نور نہیں، وہ خالق نور ہے کیونکہ نور یا تو وہ جسم ہے یا وہ عرض جو خود ظاہر ہو، دوسروں کو ظاہر کرے اور رب تعالیٰ جسم ہونے، عرض ہونے دونوں سے پاک ہے۔ تفسیر بیضاوی نے نور کی تفسیر میں فرمایا کہ نور ایک کیفیت ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی ذات نور نہیں۔ آیت کریمہ میں نور السمٰوات والارض میں نور بمعنی منور ہے یعنی وہ آسمانوں اور زمینوں کو روشن کرنے والا ہے۔

سوال:۔۔۔ تم سنی بریلوی لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شرعی احکام کا مالک مانتے ہو، یہ تو شرک ہے۔ شرعی احکام کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (وہابی، دیوبندی)

جواب:۔۔۔ تم لوگ دنیاوی بادشاہوں اور حکام کو دنیاوی قوانین کا مالک ومختار مانتے ہو کہ انہیں پھانسی دینے، عمر قید دینے، جرمانہ کرنے کا اختیار ہے۔ ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ

وسلم دینی سلطان ہیں۔ وہ دینی قوانین کے مالک ہیں مگر رب کے مالک کرنے سے ہیں۔ پورا مالک وہی ہوتا ہے جو دوسرے کو مالک کر سکے۔ جمہور علما کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریعی اختیار حاصل ہے۔ شرعی قانون کو جیسا چاہیں بدل دیں۔ چاہیں تو سراقہ کے لیے سونا حلال کر دیں، چاہیں تو ابو خزیمہ انصاری کی گواہی دو مردوں کے برابر کر دیں، چاہیں تو کسی کو ایک ہی وقت کی نماز پڑھنے کی شرط پر مسلمان کر دیں۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی کہتے یا کرتے نہیں بلکہ جو خدا کی مرضی ہوتی ہے وہی مصطفیٰ کی مرضی۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِلَّا وَحیٌ یُوْحٰی. ان کی شانِ عظیم ہے۔

سوال:— حدیث شریف میں ہے کہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ یہ ساری کی ساری گمراہ نہ ہوں گی۔ اس میں ایک فرقہ حق پر رہے گا مگر قرآن میں سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۵۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں بھی سارے گمراہ نہ ہوئے۔ ان میں بھی ایک جماعت حق پر رہی۔ یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ (عیسائی، یہودی)

جواب:— بنی اسرائیل موسوی رہ کر ہدایت پر نہیں رہے کہ وہ دین منسوخ ہو گیا۔ ان میں جو حق پر قائم رہے وہی تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لائے۔ جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور سارے وہ اسرائیلی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لائے، جناب موسیٰ کلیم اللہ کی اولاد ہیں اور جناب حبیب اللہ کے صحابی جانباز۔ امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں ایک جماعت محمدی رہتے ہوئے حق پر ہوں گے کہ دین منسوخ نہیں۔ لہٰذا آیت و احادیث میں کوئی تعارض نہیں اور اگر قرآن کے فرمان کے معنی یہ ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اسرائیلیوں کی ایک جماعت حق پر تھی تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں کہ ان کی ہدایت ایک خاص وقت میں تھی۔ حضور کی امت کا ہدایت پر قائم رہنا تا قیامت ہے۔

سوال:— موسیٰ علیہ السلام کے معجزات حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معجزات سے افضل اور اعلیٰ تھے۔ دیکھو ہمارے حضور کے لاٹھی سے کبھی پانی کے چشمے نہ نکلے، عصائے موسوی نے یہ کرشمہ کر کے دکھایا۔ (بعض نیچری)

جواب:۔۔۔ عصائے موسوی نے پتھر سے پانی نکالا، پانی پتھروں ہی سے نکلا کرتا ہے کیونکہ یہ پانی کے منبع اور مرکز ہیں۔ زمین اور پتھروں سے پانی کے چشمے پھوٹنا باعث تعجب و کمال نہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے حدیبیہ کے مقام پر پانی نکالا جس سے پندرہ سو صحابہ کرام نے پیاس بجھائی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو خدا کی قسم یہ پانی سب کے لیے کافی ہوتا۔ اسی طرح لعاب مبارک ہانڈی میں ڈالا تو اس میں گوشت، شوربے وغیرہ کے چشمے پھوٹ پڑے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے بھی عظیم تر معجزہ ہے۔ عصائے موسوی سے جو بارہ چشمے جاری ہوئے وہ آپ کے زندگی میں خشک بھی ہو گئے لیکن کلیم اللہ کے نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب انسانی پر جب نبوت والی نگاہوں سے ضرب لگائی تو دلوں پر پڑے ہوئے کفر و شرک کے پتھر پگھل گئے اور اس میں ایمان کے چشمے جاری ہو گئے۔ میرے نبی نے اپنی نگاہ پاک سے لوہے اور پتھر سے زیادہ سخت دل پر نگاہ ڈالی تو انوار وایمان اور علم وحکمت کے چشمے بہادیئے اور دل کو اللہ کا عرش بنا دیا۔ خوفِ الٰہی سے پتھروں سے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں لیکن کفر و شرک کرنے والوں کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ ایسے سخت دل کو میرے نبی نے اپنی نگاہِ نبوت سے موم بنا دیا۔ یہ میرے نبی کا عظیم معجزہ نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ علمائے کرام ومحدثین عظام فرماتے ہیں کہ حضور کے دست حق پرست پر دو لاکھ ۸۴ ہزار معجزات کا ظہور ہوئے۔

دیئے معجزے انبیا کو خدا نے
ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

سوال:۔۔۔ جب اللہ جانتا تھا کہ بلعم بن باعورہ کا انجام خراب ہوگا تو پہلے اسے علم، تصرف، ولی، عالم، صوفی، مستجاب الدعوات اور اپنا قرب عطا کیوں فرمایا؟ اسے پہلے ہی سے مردود کیا ہوتا۔

جواب:۔۔۔ ابلیس اور بلعم بن باعورہ دونوں کے واقعات میں قیامت تک لوگوں کے

لیے مثال فرمانا ہے تا کہ تاقیامت مولوی، صوفی، پیر، مشائخ غور کریں کہ نبی کی مخالفت سے سب کچھ برباد ہو جاتا ہے اس لیے دونوں کو عالم اور صوفی بنا کر مارا۔ اگر انسان ٹھیک رہے تو فرشتوں سے بھی افضل و اعلیٰ ہو جائے اور اگر بگڑے تو شیطان کا بھی استاد ہو جائے۔ خیال رہے کہ شیطان مختلف لوگوں کے پاس مختلف شکلوں میں جاتا ہے۔ نفسانی لوگوں کے پاس نفسانی شکل میں گناہوں اور برائیوں پر خوب صورت رنگ کی پالش کرتا ہے۔ ناچنا، گانا، کھیل کود، تماشہ وغیرہ کی پالش نفسانی لوگوں کے لیے کرتا ہے مگر روحانی لوگوں کے پاس روحانی لباس پہن کر پہنچتا ہے۔ گمراہ کن مولوی، بے دین پیر بن کر آتا ہے۔ بدعملیاں، بدعقیدگیاں آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کرتا ہے۔ ہم نے بعض بے دین مولویوں کو دیکھا کہ ممبر پر کھڑے ہو کر ہاتھ میں قرآن لے کر علم غیب مصطفیٰ، اختیاراتِ رسول اور شان رسالت گھٹاتے ہوئے نظر آئے۔ یاد رکھو جس کے دل میں نبی سے عداوت ہو وہ بحکم قرآن شیطان ہے۔ اگرچہ عالم کی شکل میں ہو یا پیر و مرشد کی صورت میں۔ اس کی محفل شیطانی ہے۔ ایسوں کی محفل میں بیٹھنا، ان کی باتوں کو سننا، ان سے مرید ہونا قطعی حرام ہے۔ اس کے برعکس جس کے دل میں نبی کی الفت و محبت ہو وہ محبوب رحمان ہے اگرچہ گدڑی میں ہو، اس کی محفل رحمانی ہے، اس کا کلام اس کے سب کام رحمانی۔ جس کاغذ میں قرآن لکھ دیا جائے اہل ایمان اسے چومتے ہیں، جس دل میں الفت رسول عشق نبی نقش ہو اس دل کو فرشتے بوسے دیتے ہیں، جن لبوں و زبانوں سے نعت رسول اور عظمت مصطفیٰ بیان ہو وہ بوسہ گاہِ ملائکہ ہیں، دشمن رسول اور گستاخ نبی کے زبان پر شیطان بولتا ہے۔ غلامِ رسول اور عاشق رسول کی زبان پر رحمان بولتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

سوال: — کسی کو کتا، گدھا وغیرہ کہنا تہذیب کے خلاف ہے، اس سے اپنا ہی منہ گندہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے، جو کہ اعلیٰ درجے کی مہذب کتاب ہے، یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا

کہ بلعم بن باعورہ کو کتے کی طرح فرمایا؟

جواب:—— جی ہاں، یہ آج کل کی فرنگی تہذیب کے خلاف ہوگا مگر یہ مہذب لوگ جب اپنی ذات کا معاملہ آپڑے تو یہ تعلیم بھول جاتے ہیں۔ اپنی ذاتی معاملات میں برداشت کرو مگر اللہ رسول کے دشمنوں کو اچھی طرح برا کہو۔ ہم تو نماز میں پہلے ہی شیطان کو برا کہتے ہیں پھر تلاوت شروع کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی پوری ایک سورۃ ابولہب اور اس کی بیوی جمیلہ کی برائی میں آئی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھاتی تھی اور ابولہب جو شانِ رسالت میں بکواس کرتا تھا۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کے دشمنوں کا عیب بیان کرنا، ان کی برائی کرنا، ان کی توہین کرنا، ان کے فاسد عقائد اور نظریات کی تردید کرنا سنت الٰہیہ ہے۔

سوال:—— وَلَقَدْ ذرأنا لِجَهنَّمَ كثيراً مِّنَ الجِنِّ وَالْإِنْسِ. اور بے شک ہم نے جہنم کے لیے پیدا کئے بہت سے جن اور انسان۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اکثر جن و انس دوزخ کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ مگر دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالانسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ. سارے جن اور انسان اللہ کی عبادت کے لیے پیدا ہوئے۔ یہاں دونوں آیات میں تعارض ہے۔

جواب:—— دونوں آیتیں صحیح ہیں۔ یہاں اس آیت (لِجَهَنَّمَ) میں لام عاقبت اور انجام کا ہے اور دوسری والی آیت میں لام مقصد اور حکمت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سارے جن و انس کو اس مقصد اور حکمت سے پیدا فرمایا کہ سب اللہ کی عبادت کریں مگر اکثر لوگوں نے اس مقصد کو پورا نہ کیا۔ اکثر کا انجام دوزخ ہے کہ انہوں نے بدکاریاں کر کے اپنے آپ کو دوزخ کا مستحق کر لیا۔ جیسے کارخانہ جوتا بناتا ہے پاؤں میں پہننے کے لئے، ٹوپی سر پر اوڑھنے کے لئے۔ یہ ہے بنانے کا مقصد۔ کوئی پاگل جوتا سر پر باندھ لے اور ٹوپی پاؤں میں پہن لے تو یہ ہوا ان دونوں کا غلط انجام اور استعمال جو خود پہننے والے کی اپنی غلطی کا نتیجہ ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو مال دیا تھا نیکیاں کرنے کے لیے مگر انہوں نے مال کو بندوں کی گمراہی کے لیے استعمال کیا۔ یہ ہوا ان کا اپنا غلط استعمال اور مال کا انجام۔

سوال:۔۔۔اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام ہیں۔سارے نام اچھے ہیں۔مگر اس کے نام قہار و جبار بھی ہیں۔یہ دونوں نام معنی کے لحاظ سے اچھے نہیں۔کسی پر جبر یا قہر کرنا تو برا ہے پھر اس کے یہ نام کیوں؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔جبار،قہار کے معنی ظالم نہیں بلکہ جبار کے معنی ہیں جبر،نقصان یا تلافی کر دینے والا کہ ایک نیکی کی برکت سے صدہا گناہ معاف فرما دیتا ہے۔قہار کے معنی غالب کے ہیں کہ ساری مخلوق اس کے زیر فرمان ہے اور وہ ساری مخلوق پر غالب ہے لہٰذا یہ نام بہت ہی پیارے،گنہگاروں کے سہارے اور شاندار ہیں۔

سوال:۔۔۔تم نے جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا. الخ سے ثابت کیا کہ انسان کا نکاح انسانی عورت سے ہی ہو سکتا ہے،دوسری مخلوق سے نہیں۔مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جنتی انسانوں کا نکاح حوروں سے کر دیا حالانکہ حوریں انسان نہیں۔یعنی اولادِ آدم نہیں۔پھر یہ نکاح درست کیسے ہوا؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔اس سوال کا جواب بس اتنا ہی سمجھ لو کہ یہ احکام اس دنیا کے ہیں۔جنت دوسری دنیا ہے۔وہاں کے احکام دوسرے ہیں۔وہاں غیر جنس سے نکاح درست ہوگا۔یہاں ذکر اس دنیا کا ہے۔

سوال:۔۔۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس (جو اس وقت ملک صبا کی حکمراں تھی) سے نکاح کیا جو جناتنی تھی۔یوں ہی حضرت علی کا نکاح ایک جناتنی سے ہوا جس کے پیٹ میں محمد حنیف پیدا ہوئے۔پھر تمہارا یہ قاعدہ درست کیسے ہوا؟ (عام جاہل)

جواب:۔۔۔یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔بلقیس انسانی عورت تھی جس کا ثبوت قرآن کی تفاسیر میں موجود ہے اور حضرت علی کا نکاح کسی جناتنی سے نہیں ہوا۔یہ بھی غلط ہے اور نہ آپ کے کسی بیٹے کا نام محمد حنیف ہے۔عہد صدیقی میں قبیلہ بنی حنیفہ سے جنگ ہوئی جو مسلمہ کذاب کی قوم تھی۔اس جنگ میں ایک عورت خولہ بنت جعفر قید ہو کر آئی۔اس کے شکم سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام محمد بن حنیفہ ہوا کہ ان کی ماں حنیفہ تھی۔

سوال:۔۔۔ کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ نے بالکل ہلاک کیوں نہ فرمایا۔ان کے جرم تو قوم فرعون وغیرہ سے کسی طرح کم نہ تھے؟ بدر میں فرشتے آئے مگر کافروں کو ہلاک کیا۔

جواب:۔۔۔اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔آپ کے آنے سے دنیا میں کفار پر غیبی عذاب آنا بند ہو گیا۔ بدر میں جو مارے گئے وہ تو مارے گئے مگر جو باقی بچے وہ سارے کفار بعد میں ایمان لے آئے اور انہوں نے اسلام کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں۔ حضور نے کفر کو مٹایا، کافروں کو ہلاک نہ فرمایا کہ وہی دعوتِ اسلامی کے لیے اصل زمین ہیں۔ آج مسلمانوں میں بڑی خرابیاں اور بگاڑ ہیں جس کی وجہ سے علما اپنی دعوت کا رخ کفار و مشرکین کے بجائے مسلمین کی طرف کئے ہوئے ہیں۔

سوال:۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو زندگی کیسے دے سکتے ہیں، وہ تو خود زندہ نہ رہے، وفات پا گئے؟ لہٰذا یہ عقیدہ غلط ہے کہ رسول جسے چاہیں زندگی بخش دیں۔(بے ادب، گستاخ رسول، وہابی)

جواب:۔۔۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ کہے اس کا اپنا دل و دماغ اور ایمان مردہ ہے۔ہم تمام سنی مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ تھے، زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے بلکہ جس پر ان کی نگاہ پڑ جائے وہ نہیں مرتا۔رب تعالیٰ قرآن میں شہدا کے لیے فرماتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اللہ والوں کی موت ان کی زندگی کو فنا نہیں کر سکتی۔سورج ڈوب کر چھپ جاتا ہے، مٹ نہیں جاتا۔حضور وفات پا کر ہم سے چھپ گئے ہیں، مٹ نہیں گئے۔سورج چھپ کر بھی دنیا کے کام بناتا ہے، رات بناتا ہے، تارے چمکاتا ہے، نماز مغرب، عشا اور تہجد کے اوقات بتاتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قبر انور میں ہم سب سے چھپ کر ہمارے سارے دینی کام بنا رہے ہیں، ایمان، عرفان، تقویٰ بلکہ عالم کا بقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔عاشقوں کے امام اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو ہیں تو سب کچھ ہے
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

سوال:۔۔۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت ہم میں موجود ہیں اور دنیا میں عذاب الٰہی نہیں آسکتے ہیں تو دنوں رات قتل و غارت گری، زلزلے، تباہ کن سیلاب وغیرہ دنیا میں کیوں آتے ہیں۔ لہٰذا یا تو حضور رحمت عالم نہیں اور یا آپ ہم میں موجود نہیں۔ (گمراہ لوگ)

جواب:۔۔۔ اس صورت میں عذاب سے مراد غیبی عام تباہ کن عذاب ہے۔ یہ واقعی تا قیامت نہ آئے گا جس سے پوری قوم ہلاک ہو۔ یہاں عذاب سے مراد غیبی عذاب ہیں جیسے آسمان سے پتھر یا آگ کا برسنا، صورتیں مسخ ہو جانا، زمین کا تختہ الٹ جانا۔ ایسے عام عذاب نہ آئیں گے۔

سوال:۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کو روشن دلیل کیوں فرمایا؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے معجزات روشن دلیل تھے جو بھی انہیں دیکھ کر کافر رہا وہ روشن دلیل دیکھ کر ہی مرا اور جو روشن اور واضح دلیل دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے پھر اس روشن دلیل کا کیا مطلب؟

جواب:۔۔۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے معجزات میں کفار و مشرکین غور کرتے ہی نہ تھے اور انہیں دیکھتے ہی نہ تھے۔ مگر فتح بدر وہ معجزہ ہے جو انہیں دیکھنا پڑ گیا۔ اس بدر کی وجہ سے حضرت عباس جیسے لوگ ایمان لائے۔ اس کے بعد بھی جو کافر رہا واقعی وہ بڑا بد بخت تھا۔ خیال رہے کہ ۷۰ کفار جو بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر فدیہ لے کر چھوڑے گئے وہ سارے ہی مسلمان ہو گئے، بلکہ بعد میں انہوں نے شاندار خدمت اسلام انجام دیں۔ یہ ہوا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کھلی کرامت۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ فتح بدر روشن دلیل کہلائی۔

سوال:۔۔۔ ریا کاری، دکھاوا بری چیز ہے مگر اسلام میں بہت سی نیکیوں کا اعلان ہے جیسے نماز پنج گانہ، جمعہ، عیدین، اعلانیہ جماعت سے نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، حج بیت اللہ کو اعلانیہ جاؤ، لبیک اللھم لبیک کا شور کرتے جاؤ، یہ اعلان برا کیوں نہ ہوا؟ یہ بھی تو ایک طرح سے دکھاوا ہے۔ (جہلا)

جواب:۔۔۔ ایک ہے اعلان اور ایک ہے دکھاوا۔ اعلان اور دکھاوا (ریا کاری) میں

بہت بڑا فرق ہے۔ ریاکاری یہ ہے کہ نیکی کی جائے لوگوں کو خوش کرنے اور ان میں اپنی ناموری حاصل کرنے کے لئے، یہ برا ہے۔ عبادت کا اعلان کبھی دعوت و تبلیغ کے لیے ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی اس کام کی رغبت ہو جیسے کہ حج اور زکوٰۃ کا اعلانیہ حکم ہے تاکہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں اور ان کو زکوٰۃ دینے کا جذبہ پیدا ہو۔

سوال:— یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شیطان شکل انسانی میں آوے اور پھر شیطان بھی رہے؟ یہ تو اجتماعِ ضدین ہے۔ شیطانیت اور انسانیت علیحدہ جنس ہیں اور ہر جنس دوسرے جنس کی ضد ہے، الپوژٹ ہے۔ (عام گمراہ)

جواب:— اللہ تعالیٰ نے نوری فرشتوں اور ناری جنات میں تبدیلی شکل کی طاقت دی ہے۔ بارہا حضرت جبرئیل شکل انسانی میں دیکھے گئے۔ لباس و جسم بھی انسان جیسا ہو گیا۔ بخاری شریف وغیرہ کی احادیث میں ہے کہ بارہا صحابہ کرام نے حضرت جبرئیل کو انسانی شکل میں دیکھا ہے۔ اس صورت میں ان کی صورت انسانی ہو جاتی ہے۔ سیرت و حقیقت وہی رہتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا تھا۔ لہٰذا یہ دونوں اجتماعِ ضدین نہیں۔

سوال:— جب اللہ تعالیٰ شیطان کو قیامت تک زندگی دے چکا ہے تو جنگ بدر میں اسے فرشتوں کو دیکھ کر خوف کس چیز کا ہوا؟ اسے مرنے کا خطرہ تو تھا ہی نہیں۔

جواب:— اس اعتراض کے جواب میں لوگوں نے بہت دھوکے کھائے ہیں۔ کسی نے کہا کہ وہ فرشتوں کو دیکھ کر سمجھا کہ قیامت آج ہی ہے، کسی نے کہا کہ رب نے اسے قیامت تک کی مہلت دی ہے شاید وہ دن آج ہی ہے۔ مگر یہ سب جواب کمزور ہیں۔ قوی جواب یہ ہے کہ اسے موت کا خوف نہ ہوا تھا، مار کا خوف تھا کہ آج ان کفار کی شامت آرہی ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ رہا تو میری بھی خیر نہیں۔

سوال:— جنگ بدر میں شیطان فرشتوں کو دیکھ کر بھاگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہمارے ساتھ ہر وقت فرشتے رہتے ہیں۔ ۶۰ تو ہماری حفاظت کے لیے اور دو ہمارے اچھے برے اعمال کو تحریر کے لئے۔ تو ہمارے پاس شیطان کیسے آسکتا ہے؟ ان فرشتوں سے کیوں

نہیں بھاگتا؟

جواب:۔۔۔جنگ بدر میں فرشتے مسلمانوں کی مدد میں اور کفار و مشرکین کو شکست دینے آئے تھے۔ان کی یہ ڈیوٹی دیکھ کر شیطان بھاگا۔ہمارے ساتھ کے فرشتے ان کی ڈیوٹی صرف حفاظت یا اعمال کی تحریر ہے اس لیے اسے ان سے کوئی خطرہ نہیں۔اس وجہ سے وہ بے خطر ہمارے پاس آجاتا ہے جیسے کہ وہ جنت میں حضرت آدم کے پاس دھوکہ دینے کے لیے پہنچ گیا۔حالانکہ وہاں فرشتے بھی تھے۔

سوال:۔۔۔آگ اور جلنے کا عذاب تو بعد قیامت ہوگا تو پھر فرشتے کافر سے مرتے وقت کیوں کہتے ہیں کہ عذاب اور آگ کا مزہ چکھو؟ یہ کیوں کر درست ہے؟(آریہ)

جواب:۔۔۔اگر یہاں دوزخ میں داخلہ مراد ہے تو معنی یہ ہے کہ آئندہ دوزخ کا عذاب چکھنا ہے۔مومن کو مرتے وقت جنت کی بشارت دی جاتی ہے جو بعد قیامت ملے گی۔یوں ہی کافر کو یہ ڈرانا مرتے وقت ہوتا ہے۔اور اگر اس سے مراد گرز اور کوڑوں کی مار ہے یا قبر کا عذاب ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں ہے۔خیال رہے کہ قبر میں دوزخ کی آگ سے عذاب قبر مراد ہے۔اس طرح کہ آگ وہاں پہنچتی ہے۔بعد قیامت دوزخ میں جاکر عذاب پائے گا۔آگ کا عذاب اور آگ میں عذاب ان دونوں میں فرق ہے۔

سوال:۔۔۔تم نے کہا کہ قبر کا عذاب صرف کافروں کو ہوگا مگر حدیث شریف میں ہے کہ بعض مسلمانوں کو بھی عذاب قبر ہوگا جیسے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے والا،غیبت اور چغلی کھانے والا۔تمہارا یہ قول کیوں کر درست ہوا؟(آریہ)

جواب:۔۔۔ہاں! بے شک بعض مسلمانوں کو عذاب قبر ہوتا ہے مگر ان کے عذاب اور کافر کے عذاب میں چند طرح کا فرق ہے۔اس مومن کو یہ عذاب عارضی ہوتا ہے جو کچھ دنوں کے بعد کسی نہ کسی ذریعے سے ختم ہو جاتا ہے۔جیسے قبر پر کسی بزرگ اللہ والے کا گذر یا کسی عالم دین کا گذر یا زندوں کی طرف سے ایصال ثواب وغیرہ۔دوسرے یہ کہ مومن کو خاص عذاب اندھیرے اور قبر کی تنگی کا ہوتا ہے مگر قبر میں دوزخ کی کھڑکیاں کھلنا،وہاں آگ کی لو کا عذاب

ہونا، یہ کفار و مشرکین کے لیے خاص ہے۔ اللہ ہر مومن کے قبر کو منور و کشادہ فرمائے۔ (آمین)

سوال:— کفار پر جب شرعی احکام جاری ہی نہیں، ان پر نماز روزہ فرض ہی نہیں، جوا، شراب حرام ہی نہیں، غرضیکہ جب وہ شرعی احکام کے مکلّف ہی نہیں تو ان پر پکڑ کیسی؟ (آریہ)

جواب:— کفار و مشرکین کی پکڑ چھوٹے بڑے سب گناہوں پر ہوگی اگر چہ اس پر عبادت فرض نہیں مگر چونکہ اس نے آیات، معجزات اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا انکار کیا اس لیے وہ عدالت الٰہیہ کا مجرم ہے۔ کفار پر روزہ نماز وغیرہ فرض نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بحالت کفران پر شرعی عبادات ادائے فرض نہیں اور مسلمان ہو جانے پر قضا فرض نہیں۔ یہ حکم شرعی ہے۔ مگر اللہ کے نزدیک ان کو حکم ہے کہ ایمان لاؤ، نماز روزہ وغیرہ ادا کرو، جوا، سود، شراب سے بچو۔ اس احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر سب جرموں کی سزا اور عذاب ہوگا۔ شریعت کا فرض اور چیز ہے اور حرام اور چیز ہے۔ حکومت اسلامیہ میں اگر کوئی غیر مسلم چوری کرے یا شراب پئے یا زنا کرے تو اس کو بھی سزا دی جائے گی۔ اس پر شریعت کے حدود نافذ ہوں گے۔ ایسا نہیں کہ وہ شریعت کے احکام کا مکلّف نہیں۔ جسمانی گناہ اور دنیاوی معاملات وغیرہ کی خرابی پر کافر کی بھی پکڑ ہوگی اور اسے بھی سزا دی جائے گی کیونکہ اسلام کے بعض احکام معاشرتی ہیں جس میں بسنے والے تمام پر نافذ ہوتا ہے خواہ وہ کسی بھی قوم و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ کفار و مشرکین جانوروں سے بدتر ہیں۔ مگر دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ ہم نے حضرتِ انسان کے سر پر فضیلت اور بزرگی کا تاج رکھا۔ اسے تمام مخلوقات میں اشرف بنایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً انسان عزت والا ہے اگر چہ وہ کافر ہے مگر ہے تو انسان۔ (آریہ، غیر مسلم حضرات)

جواب:— انسانیت اور افرادِ انسان میں بڑا فرق ہے۔ انسانیت یعنی حقیقت انسان (نسل انسان) ملوکیت سے بھی افضل ہے۔ قرآن پاک میں اسی کا ذکر ہے۔ مگر افرادِ انسان ان کے حالات مختلف ہیں۔ بعض انسان فرشتوں سے بھی افضل ہیں اور بعض انسان جانورو ں

سے بھی بدتر بلکہ کتے سے بھی زیادہ حقیر۔ اس لیے کہ کتا جس کے یہاں روٹی کا ٹکڑا کھالیتا ہے رات بھر اس کی نگرانی کرتا ہے۔ اس کے چوکھٹ کو نہیں چھوڑتا۔ مگر یہ انسان خدا کی بنائی ہوئی کروڑوں ٹن پانی اور اناج، پھل فروٹ اور لاکھوں کروڑوں نعمتیں کھاتا ہے۔ اس کی بچھائی ہوئی زمین پر چلتا پھرتا اور رہتا ہے۔ اس کی بنائی ہوئی ہواؤں اور فضاؤں میں سانس لیتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ مگر پھر بھی یہ اپنے خالق و مالک کو چھوڑ کر غیروں کی پوجا پاٹ میں لگا ہوا ہے۔ اپنے خالق و مالک کے احکام سے منہ موڑے ہوئے ہے، تو یہ جانور اور کتے سے بدتر نہیں تو اور کیا ہے۔

گھٹے تو ذرّهٔ ناچیز سے ہے کم انسان
بڑھے تو وسعت کونین میں سما نہ سکے

سوال:— قرآن میں ہے کہ تمام صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت و محبت تھی مگر جیسا کہ صحابہ میں آپس میں بغض تھا اس کی مثال نہیں ملے گی۔ دیکھو قتل عثمان غنی، حضرت علی و امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ کی خونریز جنگیں اس کا ثبوت ہیں۔ ان جنگوں میں پچاس ہزار مسلمان دونوں طرف سے مارے گئے۔ کیا الفت و محبت میں خونریز جنگ ہوتی ہے؟ کیا رحماء بینھم کے یہی معنی ہیں؟ (گمراہ، بے دین، جاہل لوگ)

جواب:— اس سوال کا تفصیلی جواب حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''امیر معاویہ'' میں دیکھو۔ یہاں مختصراً اتنا ہی سمجھ ہو کہ جنگ و جدال کی تین وجہیں ہوتی ہیں، (۱) اختلافِ دین، (۲) عداوتِ نفسانی، (۳) اختلافِ رائے یا کچھ غلط فہمیاں۔ صحابہ کرام کی آپس کی لڑائیاں اختلافِ دین یا عداوت کی نہ تھیں، صرف اختلاف رائے کی تھیں۔ اور اگر صحابہ میں بغض و عداوت ہوتی تو جس وقت روم کے بادشاہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سلطنت پر حملہ کرنا چاہا تھا تو اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملک شام کے حکمراں تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق کے حکمراں تھے، جب حضرت معاویہ کو

پتہ چلا کہ روم کا بادشاہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سلطنت عراق کے شمالی حصے پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو آپ نے اسی وقت رومی بادشاہ کے نام پر ایک خط لکھا جس میں صاف صاف لفظوں میں لکھا کہ اے رومی کتے! اگر تو ہمارے اختلافِ رائے کو اختلافِ نفس سمجھ کر ایک اسلامی مملکت پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جس لشکر کے علی کمانڈر ہوں گے اس لشکر کا معاویہ ایک ادنیٰ سپاہی ہوگا۔ اس خط کو پاتے ہی رومی بادشاہ نے حملہ کا ارادہ ترک کر دیا اور خوفزدہ ہو گیا۔ کاش! عالم اسلام کے وہ حکمراں جو اسلام کے دشمنوں کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں وہ متحد ہو جائیں، آپسی تمام جھگڑوں کو مٹا دیں تو عالم اسلام کا نقشہ کچھ اور ہی ہوگا۔ مگر شرط ہے کہ عالم اسلام کی باگ ڈور خالد بن ولید کے سچے جانشین کے ہاتھ میں ہو۔

سوال:— کیا اللہ و رسول صرف مشرکوں سے بے زار ہیں، دوسرے کافروں سے راضی ہیں؟ بَرِیءٌ من المشرکین کیوں فرمایا گیا؟

جواب:— یہاں مشرکین سے مراد تا قیامت سارے کفار ہیں کیونکہ اللہ و رسول ہر کافر سے بے زار و ناراض ہیں خواہ کسی قسم کا کافر ہو۔ قرآن مجید میں اکثر مشرک بمعنی کافر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف مشرکوں سے تو ناراض ہے باقی مجوسی، یہودی، ہنودی، عیسائی سارے کافروں سے راضی ہے۔ لہٰذا مشرکین سے مراد سارے کافر ہوتے ہیں۔ چونکہ عرب میں مشرکین بہت تھے، دوسرے کافر تھوڑے تھے اس لیے اکثر مشرکین کہا جاتا ہے۔

سوال:— کہتے ہیں الکفار لا اعتبار یعنی کفار اور مشرکین کے وعدوں کا اعتبار نہیں مگر آج دیکھا جا رہا ہے کہ بمقابلہ مسلمان کفار زبان کے زیادہ پابند ہوتے ہیں پھر یہ قول کیوں کر درست ہوا؟ (آریہ، غیر مسلم)

جواب:— اس کی وجہ صحبت ہے یعنی کفار کی صحبت میں رہ کر غدار، بدعہد بن گئے اور کفار ہماری صحبت میں رہ کر وفادار بن گئے۔ ہماری خوبیاں انہوں نے لے لیں، ان کی برائیاں ہم نے اختیار کر لیں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ کفار کی یہ عہد پابندیاں اللہ کے خوف سے نہیں ہیں بلکہ سیاسی اور دنیاوی اغراض و مقاصد سے اپنے نفع کے لیے ہوتی ہیں۔ مومن کو

چاہیے کہ ایک سوراخ سے دوبارہ نہ کاٹا جاوے جہاں سے بے وفائی کا تجربہ ہو چکا ہے اس پر آئندہ اعتماد نہ کرے۔ دیکھو کفار و مشرکین کی حکومتوں نے مسلمانوں سے کتنے وعدے کئے مگر سب سے پھر گئے۔ فسادات کے وقت ہم نوالہ و ہم پیالہ دوستوں نے ہی اپنے مسلمان دوست کے گھر کو جلایا اور لوٹا۔ اکثر کفار زبان کے میٹھے دل کے کڑوے زہر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت خطرناک ہیں۔ کالا سانپ شور نہیں مچاتا چپکے سے کاٹتا اور سلا دیتا ہے۔

سوال:۔۔۔ تم نے کہا کہ کفار و مشرکین مسجد میں نہ آئیں حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ثقیب کو مسجد میں ٹھہرایا، ثمامہ کو مسجد کے ستون سے باندھا حالانکہ وہ مشرک تھے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اگر تمہارا یہ مسئلہ دوست ہے تو ہندو معمار مزدوروں سے مسجد تعمیر نہ کرائی جائے حالانکہ رات دن یہ کام ہوتا ہے۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ مجبوراً یا ضرورتاً کفار کو مسجد میں آنے کی اجازت دینا جائز ہے۔ وہ مسلمانوں کی اجازت لے کر آ سکتے ہیں۔ لہٰذا مشرکین، مزدور، انجینئر، معمار مسجد میں بلائے جا سکتے ہیں بشرطیکہ ان کے جوتے، بدن، کپڑے وغیرہ ناپاک نہ ہوں۔ ہاں کفار و مشرکین کو مسجدوں میں بلانا وہاں منبر پر بیٹھ کر تقریر کرانا، ان کی تعریفیں کرنا، یہ سب حرام ہے۔ قبیلہ بنی ثقیف اور ثمامہ حضور کے اجازت سے آئے تھے۔

سوال:۔۔۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے کہ کفار و مشرکین ہماری مسجدوں میں بے تکلف آیا جایا کریں اس سے منع کیوں فرمایا گیا ہے؟ ہماری مسجد میں وہ اپنی عبادت کریں ان کی مندروں میں گرجاؤں میں ہم عبادت کریں۔ (صلح کلی)

جواب:۔۔۔ اس کی بہت سی حکمتیں علمائے اسلام اور مفسرین نے فرمائی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مسجد اللہ کی خالص توحیدی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے نا کہ شرکیہ عبادت کے لئے۔ مسجد میں عبادت کا حق صرف اور صرف اہل ایمان ہی کو ہے کفار و مشرکین کو قطعی نہیں۔ ان کا ہماری مسجدوں میں آنا ایسا ہے جیسے ہم باورچی خانے میں کتے، گدھے پالیں۔ ہمارا ان کی مندروں اور گرجا گھروں میں عبادت کے لیے جانا ایسا ہی ہے جیسے ہم پاخانہ میں

بیٹھ کر روٹی پکائیں۔ دوسرے یہ کہ یہ اجتماع فساد و خونریزی کا ذریعہ ہے۔ ہم نماز پڑھ رہے ہیں وہ مسجد کے اندر باجے اور گھنٹے بجا رہے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مسجد کے سامنے باجا، ڈھول، تاشہ بجانے پر قومی فساد ہو جاتے ہیں تو اگر مسجد کے اندر بجیں تو کیا حال ہوگا؟ بہت سے صلح کلی وزیر، پردھان، سرپنچ کو قومی ایکتا سمیلن میں کفریہ، شرکیہ الفاظ واشعار بکتے ہوئے دیکھا گیا۔ جو لوگ ہندو مسلم کی اتحاد کی بات کرتے ہیں جب وقت آتا ہے تو وہی مسلمانوں کے خلاف ناپاک منصوبے بناتے ہیں۔ کوئی قومی اتحاد کے اصول پر عمل نہیں کرتا۔ نیز ہندو مسلم اتحاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ان کے مندر میں جا کر نماز یا قرآن پڑھیں یا وہ ہماری مسجد میں آ کر بھجن کیرتن کریں۔ قومی اتحاد بڑی اچھی بات ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب خلوص، ہمدردی، انسانی بھائی چارہ، پیار و محبت، انسانیت و شرافت، سماننتہ و مانوتہ سے ہی رہنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر تمام لوگ اپنے اپنے مذہب کے اصولوں پر عمل کریں تو دنیا میں امن و امان قائم ہو جائے مگر ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور۔ اے مرد مومن دھیان سے میری بات سن

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیش ہے تو مصطفوی ہے

سوال:— قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا مگر قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کے لیے ہدایت ہیں تو کیا کفار و مشرکین جہانوں سے الگ ہیں۔

جواب:— ہدایت کے معنی ہوتے ہیں راہ دکھانا یہ سب کو ہے مگر ہدایت بمعنی قبول کی توفیق دینا، منزل پر پہنچانا کسی نصیب والے کو میسر ہے۔ قرآن و احادیث کا ہدایت دینا عام ہے مگر ہدایت لینا عام نہیں اللہ کی توفیق سے ہے۔

سوال:— اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سارے عزیزوں اور ماں، اولاد ،بیوی، ماں باپ حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ ہونا ایمان کے لیے ضروری ہے تو آج کوئی بھی مسلمان نہیں۔ بڑے بڑے لوگ بیوی بچوں اور مالِ دنیا کی محبت میں پھنس کر حضور کی بہت نافرمانیاں کر لیتے ہیں۔ ایک طرف بیوی بچوں کی ضد ہوتی ہے دوسری طرف حضور کا فرمان۔ وہ بچوں کی ضد پوری کرنے کے لیے چوری بھی کر لیتے ہیں، سود بیاز رشوت وغیرہ بھی لے لیتے ہیں (بعض حضرات)

جواب:— تم نے مقابلہ غلط کیا۔ محبتوں کا مقابلہ کفر وایمان کے موقع پر ہوتا ہے۔ ہم نے جاہل ماں باپ کو دیکھا ہے کہ اگر ان کا اکلوتا بیٹا کافر ہو جائے تو اس پر تھوک دیتے ہیں۔۔ اس کی شکل نہیں دیکھنا پسند کرتے۔ اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جنگ احد کے موقع پر شیطان نے جب یہ خبر اڑادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے جب یہ خبر مدینہ تک پہنچی تو قبیلہ بنو دینار کی ایک عورت نے اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر گھر سے نکل پڑی اور میدانِ جنگ کی طرف چل پڑی۔ راستے میں اس کو باپ بھائی شوہر اور بیٹے کی شہادت کی خبر ملی مگر اس نے کوئی پرواہ نہیں کی اور لوگوں سے صرف یہی پوچھتی رہی کہ مجھے یہ تو بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ میری آقا و مولیٰ کی حالت کیسی ہے۔ جب اسے بتایا گیا کہ الحمد للہ ! آپ ہر طرح سے ٹھیک ہیں تو اس سے بھی اس بوڑھی عورت کو تسلی نہ ہوئی اور کہنے لگی تم لوگ مجھے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرادو۔ مجھے ان کے پاس لے چلو، جب لوگوں نے ان کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا اور اس صحابیہ نے جمالِ نبوت کو دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھی کُلُّ مصیبة بَعدُ كَ جَلَل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہوتے ہوئے میری ہر مصیبت ہیچ ہے۔

مسلمان قوم بے عمل سہی مگر آج بھی مسلمان اپنے نبی کی عظمتوں کے خاطر اپنی جان، اپنا مال، اپنی اولاد قربان کر دینا باعث فخر و سعادت سمجھتا ہے۔ یہ ہے غلبۂ محبت رسول ہزاروں بداعمالیوں کے باوجود جو عشق و محبت اس کو اپنے نبی سے ہے وہ کسی سے نہیں۔

بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی
اے کہ وہ کیسا ہی سہی، ہوں تو کریما تیرا (کلامِ رضا)

سوال:۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد سے بھاگنے کو گناہِ کبیرہ فرمایا۔ صحابہ نے غزوۂ حنین سے بھاگ گئے۔ انہوں نے گناہِ کبیرہ کیا یہ فسق ہے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ فاسق تھے۔ (بدتمیز، بےادب، گستاخ لوگ)

جواب:۔۔۔ غزوۂ حنین میں جن صحابہ کے قدم اکھڑ گئے وہ سب متقی ہیں۔ اس گھبراہٹ سے نہ وہ ایمان سے نکلے اور نہ ہی تقویٰ سے۔ ہاں! ان کا بھاگنا ضرور گناہ ہوا مگر اس گناہ کے معافی کا اعلان بھی ہو گیا اور انہوں نے اس جنگ میں فتح حاصل کر کے کفارہ ادا کر دیا۔ معافی کے بعد اس گناہ کا طعنہ دینا گناہ ہے۔ ہم صحابہ کرام کو معصوم نہیں مانتے عادل مانتے ہیں۔ عادل وہ جو گناہ پر قائم نہ رہے۔ معصوم صرف حضرات انبیائے کرام اور فرشتے ہیں۔

سوال:۔۔۔ تم بھی عیسائیوں کی طرح حضور سے گناہ معاف کرواتے ہو اور کہتے ہو کہ بخش دو میری خطائیں، بھیج دو اپنی عطائیں، یا نبی سلام علیک پڑھا کرتے ہو تم بھی انہیں کی طرح مشرک ہو۔ (وہابی، غیر مقلد)

جواب:۔۔۔ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے رب کے گناہ نہیں بخشواتے بلکہ حضور انور کے مارے ہوئے حقوق بخشواتے ہیں۔ ہر گناہ میں رب تعالیٰ کا بھی حق مارا جاتا ہے اور حضور انور کا بھی مثلاً ہمارا نماز نہ پڑھنا اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا سبب اور حق حقدار ہی معاف کرتا ہے۔

سوال:۔۔۔ رب نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا اسلام کو تمام دینوں پر غالب کرے گا مگر دیکھا جا رہا ہے کہ ہر جگہ ہر ملک میں مسلمان پستی میں ہیں بعض جگہ سے تو مسلمانوں کا نام و نشان مٹ چکا ہے پھر یہ وعدہ کیسے صحیح ہوا۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا دین اسلام کے غلبے کا ذکر ہے نا کہ مسلمانوں کے ہمیشہ دوسری قوموں پر غالب رہنے کا۔ مسلمان خواہ غالب رہیں یا مغلوب مسلمانوں کا

دین تمام دینوں پر مسلمانوں کا نبی تمام دینی پیشواؤں پر غالب ہیں اور رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمن ہمیشہ سے نبی پاک کی عظمت وشان گھٹانے اور اسلام کو دبانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے مگر ان میں کوئی بھی اپنے اس ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہوگا۔ اگرچہ کسی جگہ کسی وقت مسلمان کفار سے دب جائیں مگر دینی غلبہ اسلام ہی کو حاصل رہے گا۔ دیکھ لو قرآنِ مجید آج بھی تمام مذہبی کتابوں پر غالب ہے۔ اسلام کی مسجدیں تمام مذاہب کے عبادت خانوں پر غالب ہیں۔ اسلام کا مکہ اور مدینہ سارے مذہبی مقامات پر غالب ہیں کہ اس کا حج وزیارت ہر سال ہوتا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تمام دینوں کے پیشواؤں پر غالب ہیں۔ آج بھی جتنا چرچہ اسلام اور اسلام کے پیغمبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں اتنی کسی کی نہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ حضور کی سریتِ مقدسہ پر کتابیں لکھی گئیں۔ اتنی کسی قوم کے مذہبی پیشوا کی نہیں۔ یہودی اور عیسائی ابھی تک حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی سوانح حیات نہ لکھ سکے۔ امت محمدیہ کے علما نے حضور کی سیرت کے موضوع پر لاکھوں کتابیں لکھ ڈالیں حتیٰ کہ مدینہ پاک کے گلی کوچوں اور وہاں کی ہر چیز کی تواریخ لکھی گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور اور دین اسلام کو سب پر غلبہ عطا فرمایا مگر مسلمان اپنی بداعمالی سے مغلوب اور زوال پذیر ہے۔

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یعنی خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں بھیانک دردناک عذاب ملے گا اور ان کے مال سے ان کی جسموں کو داغا جائے گا تو چاہیے کہ آج کل کے بخیلوں کو یہ سزا نہ ملے کیونکہ اب تو لوگ کاغذ کے نوٹ جمع کرتے ہیں کاغذ دوزخ کی آگ میں تپ نہیں سکتا بلکہ وہ جل جائے گا۔ (بعض نادان)

جواب:۔۔۔ نوٹ اگرچہ کاغذ ہے مگر سونے کا کام دیتا ہے کہ اس سے تجارت قائم ہے۔

اس سے سونا چاندی بھی خریدا جا سکتا ہے لہٰذا ان کا احکام ان کا انجام بھی سونے کی طرح ہے۔ چنانچہ چاندی مان کران پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ دنیا میں انہیں چاندی مانا جاتا ہے حتیٰ کہ روپیہ کہا جاتا ہے تو آخرت میں انہیں چاندی سونا بنا دیا جائے گا اور اسی سے ان کے جسموں کو داغا جائے گا۔

سوال:۔۔۔ منافقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی بکواس کر جاتے تھے جو بے ادبی اور گستاخی پر محمول ہوتا تھا مگر صحابہ کرام ان کو کچھ نہ کہتے تھے ان کی غیرت کو کیا ہوا تھا۔ آج کوئی شخص حضور انور کے متعلق ایسی بکواس کرے تو مسلمان اس کی جان لے لیں۔

جواب:۔۔۔ اس سوال کے تین جواب ہیں۔ دو الزامی ایک تحقیقی۔ پہلا الزامی جواب تو یہ ہے کہ ابلیس نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی بکواس کی مگر فرشتے سنتے رہے کچھ نہ بولے اس کی کیا وجہ تھی؟ دوسرا الزامی جواب یہ کہ اس وقت رب تعالیٰ نے بھی کچھ نہ کہا نہ انہیں عذاب دیا۔ دربار غیرت الٰہی جوش میں کیوں نہ آیا؟ تحقیقی جواب یہ ہے کہ اس وقت حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ان باتوں پر تحمل کیا جاوے ورنہ دوسرے ممالک میں خبر اڑتی کہ مسلمان تو مسلمانوں ہی کو قتل کرتے ہیں۔ ان میں آپس میں جنگ ہے تو دوسری قوموں پر سے مسلمانوں کا رعب و دبدبہ بھی جاتا رہتا اور لوگ مسلمان ہونے کی ہمت نہ کرتے۔ بہت دفعہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایسے گستاخوں کے قتل کی اجازت بھی مانگی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع بھی فرما دیا۔ حضرت عمر کے زمانے میں اعلان کیا گیا کہ نفاق حضور انور کے وقت ہی تھا۔ اب یا کفر ہے یا اسلام یعنی کسی بھی منافق اور شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والے کو معاف نہ کیا جائے گا کیونکہ اب حالات بدل گئے تھے اس لیے مرتد یا گستاخِ نبی کی سزا قتل تجویز کی گئی۔

کفار و مشرکین کے مال و متاع ان کی نیکیوں کا دنیاوی ثواب اور بدلہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے تاکہ اور زیادہ گناہ کر لیں یا یوں کہو کہ کفار کے مال و متاع رب کا دنیاوی عذاب ہے جس سے ان کی غفلت اور شرکشی میں اور بھی زیادتی ہوتی ہے اور ان کا کفری اعتقاد

اور قوی ہوتا ہے وہ سوچتے ہیں کہ اگر میں حق پر نہ ہوتا تو خدا مجھے یہ سب مال و دولت کی فراوانی اور خوشحالی کیوں دیتا۔ اس طرح شیطان ان کی خوب مدد کرتا ہے تاکہ وہ اپنے کفریات میں خوب پختہ ہو جائیں۔

سوال:—— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کوئی فائدہ نہیں۔ حضور کی دعا سے رب تعالیٰ نہیں بخشتا دیکھو قرآن میں فرمایا گیا کہ اگر آپ منافقین و کفار کے لیے ستر بار بھی دعا کریں جب بھی ہم انہیں نہیں بخشیں گے۔ پھر تم لوگ ان کی دعا کی آس کیوں لگائے بیٹھے ہو (گستاخ لوگ)۔

جواب:—— جی ہاں! حضور کی دعا کافرین منافقین کے لیے فائدے مند نہیں اس لیے کہ وہ بخشش کے لائق ہی نہیں۔ چمگادڑ کی آنکھ سورج سے روشنی حاصل نہیں کرسکتی۔ اگر معترض بھی انہیں میں سے ہے تو واقعی اسے حضور اکرم نبی دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفع نہیں پہنچے گا۔ ہم گنہگاروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے میرے محبوب! اپنے غلاموں کے لیے دعائے رحمت کرو اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرکے تمہارے پاس آجاویں اور آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کو توّاب (توبہ قبول کرنے والا) و رحیم پائیں گے۔ یعنی اے محبوب! جب تک تو نہ چاہے جب تک تو ان کی بخشش کی سفارش نہ کرے میں انہیں نہیں بخشوں گا۔ میرے حضور وکیل امت ہیں اگر کوئی شخص حکومت کے کسی قانون یا ضابطے کی خلاف ورزی کرے تو اسے کسی وکیل یا مختار علامت کے پاس جانا پڑتا ہے۔ ڈائریکٹ وہ جج کے پاس پیش نہیں ہوتا بلکہ وکیل کے ذریعے و وسیلے وہ جاتا ہے اور جج کے پاس جانے کے پہلے اس کا وکیل اسے سمجھا دیتا ہے کہ جب تو عدالت میں جج کے سامنے پیش ہو اور جج تجھ سے یہ سوال کرے تو تو یہ جواب دے دینا گھبرانا نہیں میں تیرے پاس کھڑا رہوں گا۔ میں تجھے کچھ نہیں ہونے دونگا۔ اسی طرح عدالتِ الٰہیہ میں حضور کے بغیر کوئی سنوائی نہ ہوگی۔ اے میرے امتی فکر مت کرنا قبر میں تیرا نبی تیرے ساتھ ہوگا اگر وہ پوچھیں گے کہ تمہارا رب کون ہے تو کہہ دینا کہ میرا رب اللہ ہے۔ اگر وہ پوچھیں گے

کہ تیرا دین کیا ہے تو بول دینا میرا دین اسلام ہے۔ پوچھیں گے تیرا وکیل کون ہے تو میرا نام لینا۔ پھر دیکھنا

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی
وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

(کلام رضا)

سوال:— تم کہتے ہو کہ اللہ کے ولی کو راضی کر لو تو حضور راضی ہو جاتے ہیں اور حضور راضی ہو جائیں تو خدا راضی ہو جاتا ہے مگر قرآن میں صحابہ کرام سے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے جو تمام ولیوں کے سرتاج ہیں کہ اے جماعتِ صحابہ اگر تم ان منافقوں سے راضی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ نبی ولی کی رضا سے خدا کی رضا حاصل نہیں ہوتی۔ (وہابی، اہلحدیث)

جواب:— اللہ کے مقبول بندوں کو راضی کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو ان کی خدمت کر کے راضی کرنا دوسرے انہیں دھوکہ فریب دے کر راضی کر لینا۔ اس دوسری قسم کی رضا سے اللہ اور زیادہ ناراض ہوتا ہے۔ پہلی قسم کی رضا وہ ہے جو اللہ کو راضی کرتی ہے وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ مومنین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائے مغفرت کراتے تھے اور منافقین بھی اپنی چالاکیوں سے دعائے مغفرت کراتے تھے۔ ان کے لیے ارشاد ہوا کہ: اے میرے محبوب! اگر ستر بار بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کریں تو بھی ہم انہیں نہیں بخشیں گے کیونکہ وہ آپ سے بغض و کینہ رکھتے ہیں۔ وہ بے ادب اور گستاخ ہیں۔ دعا کرانے اور دعا لینے میں بڑا فرق ہے ایسے ہی راضی کر لینے اور دھوکہ دینے میں بڑا فرق ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں

کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہیں سے پناہ
تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

سوال:— حدیث شریف میں ہے کہ ہمارا مدینہ بھٹی ہے خبیث لوگوں کو نکال دیتا ہے تو مدینہ کے منافقوں کو زمین مدینہ سے کیوں نہیں نکالا۔(وہابی)

جواب:— واقعی زمین مدینہ خبیث لوگوں کو نکال پھینکتی ہے مگر کسی کو جلد کسی کو دیر سے حتیٰ کہ بعض کو مرنے کے بعد کہ اس کی لاش کو مرنے کے بعد فرشتے زمین سے نکال کر باہر ڈال دیتے ہیں۔ روایت میں ہے کہ اللہ کے ایک ولی تھے ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ جنت البقیع (مدینہ منورہ) کے قبرستانوں سے کچھ لاشیں نکال کر دوسری جگہ پہنچایا جارہا ہے اور باہر سے کچھ لاشیں لاکر جنت البقیع میں دفن کیا جارہا ہے۔ آپ نے ان نکالنے والوں سے پوچھا کہ یہ کس کی لاشیں ہیں جو جنت البقیع کی قبرستان سے نکال کر باہر پہنچائی جارہی ہیں اور وہ کن خوش نصیب لوگوں کی لاشیں ہیں جو جنت البقیع میں لاکر دفنائی جارہی ہیں۔ جواب دیا گیا کہ جن لوگوں کی لاشیں نکال کر مدینہ سے باہر پہنچائی جارہی ہیں یہ منافقین اور ان بدبخت لوگوں کی لاشیں ہیں جو مدینے میں رہ کر بھی نبی پر درود سلام نہیں پڑھتے تھے۔ نبی کے شانِ عظمت کے منکر تھے اور جن خوش نصیبوں کی لاشوں کو باہر سے لاکر جنت البقیع میں دفن کیا جارہا ہے یہ ان عاشقوں کی لاشیں ہیں جو مدینے سے دور دوسرے ملکوں میں رہتے تھے مگر زندگی بھر مدینے کی یاد میں تڑپتے تھے کہ کاش مدینہ دیکھنا نصیب ہوجائے۔ سنہرے جالیوں کے روبرو کھڑے ہوکر سلام پڑھوں لیکن غربت وافلاس نے انہیں پہنچنے نہ دیا اور وہ اپنے ملک میں رہ کر آقا پر سلام پیش کرتے تھے۔ مدینے کی یاد اور تڑپ لے کر وہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان کی عشقِ رسول اور درود وسلام کی برکت سے اللہ نے انہیں اپنے پیارے محبوب کی جوار رحمت میں جگہ نصیب کیا ہے۔ یہ انہیں عاشقوں کی لاشیں ہیں جو جنت البقیع میں دفنائی جارہی ہیں۔

کاش طیبہ میں اے میرے ماہِ بیں
دفن ہونے کو مل جائے دو گز زمیں
کوئی اس کے سوا آرزو ہی نہیں
تم پہ ہر دم کروڑوں درود و سلام

سوال:۔۔۔ مسجد ضرار حضور نے کیوں اسے گروا دیا۔ اسے قائم رکھتے وہاں سے منافقوں کونکال دیا ہوتا۔ مسجد تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے اس پر عمارت رہے یا نہ رہے وہ قابلِ احترام ہے۔ حضور نے اسے گروادیا اس میں مسجد کی توہین ہے۔ (گمراہ لوگ)

جواب:۔۔۔ جب مسجد بنے تو قیامت تک رہے گی وہ جگہ مسجد بنی ہی نہیں تھی۔ اس کے باقی رکھنے میں دو خرابیاں ہوتیں۔ ایک یہ کہ اس مسجد کا وقف درست ماننا پڑتا یہ غلط تھا کیونکہ منافقین کفار کا وقف شرعاً درست نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے جرم کی جڑ نہ کٹتی کبھی یہی منافقین یا دوسرے اسے اسلام کے خلاف اڈہ بنا لیتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کا بچھڑا آگ میں جلوا دیا اس کا سونا بھی جس سے کہ وہ بنا تھا باقی نہ رکھا، نہ کسی کو اس سونے کی استعمال کی اجازت دی تا کہ جرم کی جڑ کٹ جائے۔ مسجد ضرار کو منافقین مدینہ نے اس نیت سے تعمیر کی تھی اور اس کی دیواریں نہایت کمزور رکھی تھیں کہ جب حضور اس مسجد میں آئیں گے تو ہم ان دیواروں کو ان پر گرادیں گے اور وہ اسی کے نیچے دب کر ہلاک ہوجائیں گے۔ منافقین کی اس سازش سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا۔ حضور نے صحابہ کو حکم دیا جاؤ اس مسجد کو گرادو کیونکہ اس کی بنیاد نیک نیتی پر نہیں بلکہ اسلام کے خلاف سازش پر رکھی گئی ہے۔ اللہ اور رسول کے نزدیک وہ مسجد ہے ہی نہیں۔ اگر وہ برقرار رہی تو دوسرے اسلام کے خلاف اسے اپنا اڈہ بنالیں گے۔

سوال:۔۔۔ تو چاہیے کہ اولیا اللہ کے قبور پر بنے ہوئے گنبد بلکہ ان کی قبریں ڈھا دی جائیں کہ یہ شرک وکفر کا مرکز اور ہزار ہا گناہوں کا اڈا ہیں۔ یہ مسجد ضرار سے بڑھ کر نقصان دہ ہیں۔ (وہابی، دیوبندی)

جواب:۔۔۔ مسجد ضرار اصل میں مسجد بنی ہی نہیں اس کا وقف درست ہی نہیں ہوا اس کی خرابی اصل تھی جس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے محبوب یہ جو منافقوں نے مسجد بنائی ہے اس کی بنیاد تقویٰ اور نیک نیتی پر نہیں ہے بلکہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے ہے اس لیے آپ اسے گرادیں یہ مسجد نہیں بلکہ اسلام کے خلاف ایک تخریب خانہ ہے۔ رہی بات مزاراتِ اولیا پر گنبد بنانے کی تو ان کی اصل صحیح ہے۔ اگر چند جہلا اور مجاور وہاں خرابیاں

پیدا کر دیں ناچ گانا، قوالی، طبلہ، سارنگی ہارمونیم، ڈھول باجہ اور تماشہ لادیں تو یہ خرابی عارضی ہے اس خرابی کو مٹا دو اصل عمارت باقی رکھو۔ دانش مندی یہ نہیں ہے کہ اگر آپ کے ناک پر مکھی بیٹھی ہو تو آپ ناک ہی کاٹ کر پھینک دیں بلکہ دانش مندی یہ ہے کہ آپ مکھی کو اڑا دو ناک کو سلامت رکھو۔ دیکھو خانۂ کعبہ میں بت رکھے گئے۔ حضور انور نے ان بتوں کی وجہ سے کعبہ نہیں ڈھایا بلکہ موقع ملنے پر وہاں سے بت نکال دیئے۔ اصل اور عارضی خرابی کا فرق دھیان میں رہے۔ آج کل نکاح کے وقت بہت گناہ کئے جاتے ہیں۔ شریعت کے خلاف کھلے عام حرکتیں ہوتی ہیں۔ ان خلاف شرع رسموں ورواجوں کو ختم کرو۔ حرام کام نہ کرو۔ اصل نکاح ہے بند نہ کرو۔ علمائے کرام بزرگانِ دین کے مزاروں پر گنبد اور عمارت بنانا سُنّت صحابہ سے ثابت ہے۔ زیارتِ قبور بھی سنت ہے۔ زیارتِ قبور کا شرعی طریقہ سیکھو۔ کسی عارضی خرابی اور اپنی جہالت سے سنت نہ مٹاؤ۔

سوال:— کفار و مشرکین کے لیے دعائے مغفرت منع کیوں ہے جب کافر ماں باپ کی خدمت کرنا اچھا ہے تو چاہیے کہ ان کے لیے دعا کرنا بھی اچھا ہو۔ خدمت تو دعا سے بھی اعلیٰ ہے۔ (آریہ)

جواب:— اس لئے کہ اس دُعا میں رب تعالیٰ سے در پردہ عرض کیا جاتا ہے کہ تو اپنے کلام کو جھوٹا کر دے کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ **اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرِكَ بِهٖ** اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا۔ تم کہتے ہو کہ خدایا اسے بخش دے تو اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ وہ اپنا کلام غلط کر دے لہٰذا یہ دُعا رب تعالیٰ کی تکذیب (جھٹلانے) کی دُعا ہے۔ کسی ناممکن چیز کی دُعا جائز نہیں۔ آج یہ دُعا کرنا کہ خدایا مجھے نبی کر دے نبی کرنے کی دُعا مانگنا صرف حرام ہی نہیں بلکہ کفر ہے۔

سوال:— ہوسکتا ہے کہ جسے ہم کافر سمجھتے ہیں وہ مومن ہو کر مرا ہو اس احتمال سے اس کے لیے دعائے مغفرت میں کیا حرج ہے۔ (عام بے دین)

جواب:— اس سوال کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ

ہے کہ پھر مسلمان مردہ کو بھی جلا دینا جائز ہونا چاہیے کہ شاید وہ کافر ہو کر مرا ہو۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ کسی شخص کا مرتے وقت تک کافر رہنا اس کا اسلام ظاہر نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ کافر مرا۔ ایسے ہی کسی کا مرتے وقت مومن رہنا اس کا کفر ظاہر نہ ہونا اس کے مومن ہو کر مرنے کی علامت ہے۔ لہٰذا یہ احتمال کہ شاید فلاں کافر مومن مرا ہو یا شاید فلاں مومن کافر ہو کر مرا ہے محض باطل ہے۔ کفر و اسلام کے احکام ظاہر ہیں لہٰذا کسی مشرک کا کفن دفن نماز جنازہ پڑھنا اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا کہ شاید وہ مسلمان ہو کر مرا ہو یا کسی مسلمان کا دفن کفن نماز جنازہ نہ پڑھنا کہ شاید وہ کافر مرا ہو محض باطل ہے۔ خیال رہے کہ عام مردہ کافروں پر نام لے کر لعنت نہ کی جائے ہاں یہ کہا جائے کہ وہ زندگی میں لعنتی تھا۔ ہاں جن کے کفر پر مرنے کی وحی آ چکی ہے جیسے فرعون، ہامان، نمرود، قارون، ابو جہل، ابولہب وغیرہ ان پر نام لے کر لعنت جائز ہے۔

سوال: — حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کافر و مشرک آذر کے لیے دعائے مغفرت کا وعدہ کیوں فرمایا۔ حرام کام کا وعدہ کرنا بھی حرام ہے اور اگر وعدہ کر لیا تو پورا کرنا بھی حرام۔ آپ نے بری بات کا وعدہ کیا یہ بھی درست نہ تھا۔ پھر اس وعدے کو پورا کیا یہ بھی جرم۔

جواب: — مفسرین کرام نے فرمایا کہ وعدہ ابراہیم علیہ السلام نے نہیں بلکہ آذر نے ابراہیم علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا اس وعدے پر آپ نے دعائے مغفرت کا وعدہ فرمایا تب تو معاملہ ہی صاف ہے۔ اور اگر آپ نے آذر سے وعدہ کیا تو کیا وعدہ کیا یہی نا کہ میں تیرے ایمان و مغفرت کی دعا کروں گا کہ خدایا اسے ایمان اور معافی دے۔ تب بھی معاملہ صاف ہے اور اگر آپنے دعا کا وعدہ بغیر شرط ایمان کیا تو اس وقت کیا جب کہ یہ دعا مشرکوں کے لیے ممنوع نہ تھی۔ جیسے ہمارے حضور نے عبداللہ بن ابی کا نماز جنازہ پڑھا جب کہ یہ ممنوع نہ تھا بہر حال آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔

سوال: — حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن آذر سے ملیں گے آخر کار بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے کہ الٰہی تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے

قیامت میں رسوانہیں کرے گا۔ بھلا اس سے بڑھ کر میری رسوائی اور کیا ہوگی کہ میرا باپ (چچا) دوزخ میں جاوے۔ تب ارشادالٰہی ہوگا میں نے کافروں مشرکوں پر جنت حرام کردی ہے پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اگر آپ دنیا میں اس سے بیزار ہو چکے تھے تو قیامت میں اس کی یہ شفاعت کیسی؟ قرآن واحادیث میں تعارض ہے۔ یہ حدیث امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

جواب:— حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے اس سوال کے چند جواب دیئے ہیں۔ فقیر کے نزدیک قوی جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا قیامت میں یہ عرض کرنا اس کی شفاعت کے لیے نہیں بلکہ معاملہ صاف کرنے کے لیے ہوگا کہ اس کی عذاب سے میری شان وعظمت کو دھبہ نہ لگے۔ اس حدیث میں شفاعت کا ایک لفظ بھی نہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے کنعان کے ڈوب جانے کے عرصہ کے بعد عرض کیا تھا۔ رَبِّ اِنَّ مِنۡ اَهۡلِی۔ الٰہی! وہ میرے گھر والوں میں سے تھا۔ اس کا مقصد بھی اس کی شفاعت نہیں وہ تو ڈوب چکا بلکہ رب سے یہ کہلوا کر اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ۔ (وہ تمہارے اہل میں سے نہیں تھا)۔ قوم کے سامنے اپنی حمایت صاف کرنے کے لیے ہے اسے خوب سمجھ لو۔

سوال:— کیا اسلامی قانون میں آنے سے پہلے لوگوں کو چوری، ڈکیتی، زنا قتل وغیرہ جائز تھے۔ تو اسلام سے پہلے کفار عرب پر بچیوں کو زندہ دفن کرنے پر عتاب کیسا۔

جواب:— بعض معاملات ایسے ہیں جن کی بھلائی برائی عقل سے معلوم ہو جاتی ہے جیسے چوری، ڈکیتی، ظلم وغیرہ ان کی برائی عقل سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ یوں سچ، انصاف، لوگوں سے اچھے برتاو ان کی اچھائی عقل سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ فرق خیال میں رہے۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ انبیائے کرام کے شرعی، فرعی، خصوصی احکام میں فرق ہے۔ باقی عقائد و معاملات وغیرہ تمام نبیوں سب لوگوں پر ماننا ضروری ہے۔ چوری، ڈکیتی، زنا، ظلم، لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا ہر آسمانی دین میں جرم رہا۔ لہٰذا ان کا ماننا سارے لوگوں پر لازم ہے۔

سوال:— اگر آج کوئی شخص شرعی احکام سے بے خبر ہو اس وجہ سے وہ عمل نہ کرے کیا وہ

بھی معذور ہے۔

جواب:— ہرگز نہیں کیونکہ اب شرعی احکام تمام دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔ کتابوں کی شکل میں دنیا کی ہر زبان میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب جو بے خبر ہوگا اپنی کوتاہی سے ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علمِ دین حاصل کرنا، طلب کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ احکامِ شرعیہ نہ سیکھنے اور نہ پہنچنے میں فرق ہے۔ لہٰذا جب پوری دنیا میں شریعت کا پیغام واحکام پہنچ گیا ہے تو اب اگر کوئی انہیں نہ سیکھے تو وہ معذور نہیں بلکہ ترکِ فرض کا مجرم ہے۔ اگر وہ جرم کرے گا تو مجرم اور قابل گرفت ہوگا۔ لاعلمی و بے خبری اس کا عذر نہیں۔

سوال:— مرتے وقت ایمان لانا معتبر نہیں۔ فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا کہ میں موسیٰ کے رب پر ایمان لایا مگر قبول نہیں ہوا پھر حضرت آمنہ اور حضرت عبداللہ کو زندہ فرما کر انہیں کلمہ پڑھانا کیسے قبول ہو گیا۔

جواب:— یہ مسئلہ کافر ومشرک کے لیے ہے جو زندگی بھر نبی کا انکار کرتا رہے، کفر و شرک کا پجاری رہے، مرتے وقت وہ ایمان لائے اسلام قبول کرے۔ حضرت آمنہ کافرہ نہیں تھیں اور نہ ہی حضرت عبداللہ کافر تھے (رضی اللہ عنہما) بلکہ یہ دونوں موحد مسلمان تھے نیز یہ حضور انور کی خصوصیت ہے۔ قانون اور خصوصیت میں فرق ہوتا ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں کلمہ پڑھانا دیدار دکھانا، دین محمدی میں داخل فرمانے اور انہیں اپنا صحابہ بنانے کے لیے ہوا وہ بھی حضور کی خصوصیت ہے۔

سوال:— اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم مجھے دعائیں کرو میں قبول کروں گا پھر حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہٗ دعا اتنے روز تک قبول کیوں نہ ہوئی۔

جواب:— اس سوال کا تفصیلی جواب کتاب درس القرآن میں دیکھو۔ یہاں بس اتنا سمجھ لو کہ اس نے قبولیت دعا کا وعدہ کیا ہے جلد قبول فرمالینے کا نہیں۔ بعض لوگوں کی قبولیت دعا کا ظہور بعد موت، بعض کو قیامت میں ہوگا۔ نیز قبولیت دعا (استجاب) کے معنی جواب دینا بھی ہوسکتے ہیں۔ یعنی تم مجھے پکار یا ربی (اے میرے رب) میں تم کو جواب دوں گا یا عبدی (اے

میرے بندے) حضرت کعب کی دعا قبول ہوئی مگر پچاس دن کے وقفے سے۔ اس میں دیر رب کی حکمت ہے۔

مری رات کی دعائیں جونہیں قبول ہوتیں
میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

سوال:— قرآن میں ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ جو شخص مومن بھی ہو متقی بھی ہو وہ خود ہی عقیدے اور اعمال کا سچا ہو گیا پھر اسے سچوں کے ساتھ رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ (بعض مسلمان)

جواب:— سچا رہنے کے لیے سچوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ سچا ہونا آسان ہے سچا رہنا مشکل ہے۔ سچوں کی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ جو بکری اپنی ریوڑ میں رہتی ہے وہ بھیڑیئے کے حملے سے محفوظ رہتی ہے۔ ریوڑ پر بھیڑیا حملہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا مگر جو بکری اپنے ریوڑ سے الگ ہو جاتی ہے وہ بھیڑیئے کا لقمہ تر بن جاتی ہے۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والے جاگتے رہنا چوروں کی رکھوالی ہے

سوال:— تو چاہیے کہ کوئی مسلمان نہ تو کافروں فاسقوں کے محلے میں رہے نہ کسی ایسی مجلس و محفل میں بیٹھے جہاں جھوٹے، کافروں، فاسقوں کی موجودگی ہو۔ پھر زندگی کیوں کر گذارے۔ (آزاد خیال مسلمان)

جواب:— یہاں معیت اور ہمراہی میں صرف جسمانی مکانی ہمراہی مراد نہیں بلکہ عقائد و اعمال ان کی ہمراہی مراد ہے کہ ان کی طرح عقیدے اعمال و تہذیب ان کے طور و طریقے اختیار کرے اور ان سے اس طرح دلی محبت رکھے جس سے اپنا اسلامی ذہن و فکر متاثر ہو۔ اپنا اسلامی نظریہ و عقیدہ بگڑنے کا امکان ہو ایسی محبت و دوستی حرام ہے۔ مکہ کا ابو جہل حضور انور کے ساتھ نہ ہوا۔ یمن کے اویس قرنی حضور کے ساتھ ہوئے اگر اس کے ساتھ مکانی ہمراہی بھی نصیب ہو جائے تو زہے قسمت۔ پھر مکانی ہمراہی میں خلوت کی ہمراہی سونے پہ سہاگہ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق غار کے یار ہیں تو بعد انبیا ساری خلقت سے افضل ہیں۔

سوال:— سب سے سچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بس انہیں کے ساتھ رہو۔ محمدی بنو۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نہ بنو۔ (غیر مقلد وہابی)

جواب:— جیسے سارے انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں مگر اس کے باوجود مختلف ملکوں اور قوموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اسی تقسیم سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ آپ کا پتہ ہونا صرف اولاد آدم ہونا ہی نہیں بلکہ کچھ اور قیود ہیں جس میں سکونت ہے ولدیت ہے برادری ہے۔ اسی طرح ہر کلمہ گو اپنے کو محمدی کہتا ہے۔ اب صرف محمدی کہنے سے پتہ نہیں لگ سکتا کہ مرزائی ہے کہ چکڑالوی ہے شیعہ ہے کہ خارجی ہے وہابی ہے کہ اہلحدیث ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارا دینی پتہ ضرور ہو اور وہ ہے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہونا۔ جیسے سید شیخ پٹھان ہونا آدمی کے خلاف نہیں بلکہ ضروری ہے۔ جسمانی امتیاز قوم و ملک وطن سے ہوتا ہے روحانی امتیاز شریعت اور طریقت کے سلسلوں سے ہوتا ہے۔ مخالفین بھی اپنے کو اہلحدیث کہہ کر دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ پھر اہلحدیث بھی اپنے کو روپڑی اور ثنائی کہہ کر آپس میں ایک دوسرے سے چھٹتے ہیں۔ خیال رہے کہ جب انسان تھوڑے تھے تو ان میں قومیں تھیں نہ مختلف وطن۔ ہابیل، شیث وغیرہ ایک ہی قوم تھے ہم وطن تھے۔ جب انسان زیادہ ہوئے تو پہچان کے لیے قوموں وطنوں کی ضرورت ہوئی۔ اسی طرح جب مسلمان تھوڑے تھے یعنی حضور کے زمانے میں تو انہیں کسی سلسلے کی ضرورت نہ تھی جب مسلمان بہت ہو گئے تو فرق اور پہچان کی لیے سلسلے قائم ہو گئے۔

سوال:— کیا عورتیں بھی علم حاصل کرنے کے لیے سفر کریں۔

جواب:— عورت کے لیے بغیر محرم سفر کرنا شرعاً ممنوع ہے حتیٰ کہ وہ بغیر محرم حج کے لیے بھی سفر نہیں کر سکتی جب کہ اس صورت میں اس پر فرض ہی نہیں۔ مرد کے لیے حج کے لیے سامانِ سفر ضروری ہے اور عورت کے لیے سامانِ سفر کے ساتھ ساتھ محرم کی ہمراہی شرط ہے۔ عورت اپنے ماں باپ خاوند سے دین سیکھے یہی بہتر ہے۔

سوال:— کیا عورت اپنے وطن میں عالم دین کے پاس یا دینی جلسے میں جا کر دین سیکھ

سکتی ہے۔

جواب:— ہاں! پردے کے ساتھ جا کر دین سیکھ سکتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو حائضہ عورتوں تک کو حکم تھا کہ وہ عید کی نماز کے موقع پر عیدگاہ میں آویں اگر ان کے پاس چادر نہ ہو تو اپنی کسی سہیلی سے مانگ کر اوڑھ لیں اور وہاں پہنچیں۔ عیدگاہ سے الگ تھلگ بیٹھیں تاکہ اپنے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرعی احکام سنیں اور سیکھیں۔ خلافتِ فاروقی میں عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیا گیا۔ اب اس زمانے میں چونکہ عورتیں کالجوں، اسکولوں، دفتروں، آفسوں اور بازاروں بلکہ سنیما گھروں سے نہیں رکتی۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ انہیں پردے کے ساتھ عالم دین کے پاس آنے یا دینی جلسوں میں آنے سے نہ روکو کہ یہاں آ کر وہ کچھ دینی مسائل سیکھیں اور سنیں گی مگر مردوں سے علیحدگی اور پردہ ضروری ہے۔ آج کل خالص بچیوں کے لیے دینی مدرسہ کا قیام ہے جہاں ان کے قیام و طعام کا مکمل انتظام ہے۔ دین سکھانے اور عالمہ بنانے کے لیے باقاعدہ سند یافتہ معلّمہ یا عالمہ پڑھاتی ہیں لڑکیوں کو خاص طور سے دینی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کرنا چاہیے کیونکہ یہی لڑکی کل معاشرے کا ایک اہم حصہ بنے گی اگر یہ صحیح ہو گی تو معاشرہ صحیح ہو گا۔ اس معاشرے کا ہر فرد صحیح ہو گا۔ نسلیں انہیں سے پروان چڑھتی ہیں اگر یہ زیور علم سے آراستہ ہوں گی۔ اسلامی تہذیب و تمدن والی ہوں گی تو ہمارا معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ ہو گا جس میں ہر طرح کا سکون واطمینان ہو گا۔

سوال:— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علم فقہ تھا ہی نہیں یہ تو بعد میں فقہا اور علما نے بنایا پھر رب تعالیٰ کا یہ فرمان کیوں کر درست ہوا کہ: **يَسفَقَّهُه في الدين** یعنی تم سے ایک جماعت نکلے جو دین کی سمجھ حاصل کر سکے۔ صحابۂ کرام نے فقہ پڑھا نہ پڑھایا۔ حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت کیا ہے۔ (وہابی، غیر مقلد)

جواب:— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علم فقہ کامل طور پر تھا ہاں یہ کیونکہ فقہ کی کتابیں نہ تھیں وہ علم حضور اقدس کے سینہ، زبانِ فیض ترجمان اور نگاہِ کرم سے عطا ہوا تھا بعد

میں اسے کتابوں کے ذریعہ پھیلایا گیا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور سے سورۂ بقرہ تقریباً بارہ سال میں پڑھی۔ سوچو کہ کیا بارہ سال میں اس سورہ کے الفاظ پڑھے؟ نہیں بلکہ اس کا معنی ومطالب تفسیر وفقہ پڑھا۔ حضور کے زمانے میں کتب احادیث بلکہ علم حدیث نہ تھا مگر احادیث موجود تھی جنہیں بعد میں کتابی شکل میں جمع کیا گیا اور علم حدیث اسناد، اقسام، مراتب حدیث مقرر کئے گئے۔ قرآن واحادیث کی صحیح سمجھ علم فقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا بھلا چاہتا ہے اس کو دین کا فقیہ بناتا ہے۔ پورا عالم دین اور فقیہ بننا ہر شخص پر ضروری نہیں یہ فرض کفایہ ہے کہ بستی میں ایک اگر عالم بن گیا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ البتہ علم دین حاصل کرنا سب مسلمان مرد عورت پر فرض ہے لہٰذا نما، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام ضروریات دینی وفقہی مسائل حلال وحرام، پاکی ناپاکی، وضو، غسل، نماز، آداب تجارت، اصول صحت وغیرہ کے اسرار ورموز ومسائل ہر مسلمان پر سیکھنا فرض ہے۔ عورتوں پر حیض ونفاس کے مسائل سیکھنا ضروری ہے۔ تاجر کو تجارت کے مسائل سیکھنا ضروری ہے اور سیکھنے والا خود عالم کے پاس جائے استاد کو اپنے یہاں بلا کر نہ سیکھے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں مگر علم سیکھنے کے لیے شوق میں حضرت خضر کے پاس سفر کر کے تشریف لے گئے۔ اگر چہ ان سے کچھ سیکھا نہیں۔ حالانکہ آپ خضر سے کہیں زیادہ افضل تھے کہ صاحبِ شریعت، صاحبِ کتاب نبی تھے۔ خیال رہے کہ علم دین خصوصاً علم فقہ تبلیغ دین کے لیے حاصل کرے دنیا کمانا مقصود نہ ہو۔ البتہ علمائے دین کو اپنے بچوں کی کفالت کے لیے بقدر ضرورت تنخواہ دینا امت پر واجب ہے ہاں عالم اگر خود کفیل ہے تو نہ لینا بہتر ہے۔

سوال:— حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذاتِ گرامی ہیں جو مکہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں قیام پذیر رہے۔ وہ ایک تمام انسانوں کے پاس کیسے آسکتے ہیں پھر لقد جآء کم کیوں کر درست ہوا کہ تم سب کے پاس آئے۔

جواب:— حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں ہیں اور نور بیک وقت ہزارہا جگہ ہزارہا چیزوں میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ اگر بیک وقت ہزاروں جگہ سے شیشوں کا رُخ سورج

کی طرف کردیا جائے تو سورج ان میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ مؤمنوں کے سینے صاف آئینے ہیں جن میں حضور جلوہ گر ہیں۔ روح بیک وقت جسم کے ہر عضو میں جلوہ گر ہے اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم نبی مومنوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ حضور صرف مکہ اور مدینہ میں نہیں آئے بلکہ سارے مومنوں کے پاس آئے۔ جس طرح سورج رہتا ہے آسمان پر مگر طلوع ہوتا ہے سارے جہاں پر اس لیے ہر مومن التحیات (تشہد) میں حضور کو سلام کرتا ہے اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پاس ہوتے تو سلام کسے کہہ رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت تاجدار بریلی امام اہل سنت فرماتے ہیں:

جان ہیں جان کیا نظر آئے
کیوں عد گردِ غار پھرتے ہیں

سوال: — اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے نبی ہیں تو کیا تمام مخلوق پر آپ کے شریعت کے احکام جاری ہیں۔ کیا چاند سورج اور ستارے، دریا، پہاڑ، سمندر ریگستان کے ذرات پر نماز روزہ اور اسلام کے ارکان فرض ہیں۔ اگر نہیں تو آپ ان کے نبی کیوں کر ہوئے۔ (غیر مسلم حضرات)

جواب: — حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات اور انسانوں کے دائمی رسول ہیں۔ آپ کی رسالت زمین یا زمان سے مقید نہیں۔ ساری مخلوق پر حضور کی اطاعت لازم وضروری ہے اسی لیے اشارے سے سورج ٹوٹا، چاند پھٹا، بادل آ کر برسا، زمین پھٹی، درختوں پتھروں نے کلمہ پڑھا مگر جیسی مخلوق اس کے لیے حضور کا ویسا ہی حکم ہے اور وہ مخلوق اس حکم کی اطاعت کرے گی۔ محدث بریلوی فرماتے ہیں:

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
آندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

سوال: — اعمال کے لیے دنیا اور ثواب وعذاب کے لیے آخرت کیوں مقرر ہوئی۔ دونوں ایک ہی جگہ کیوں نہ ہوئے۔ (جہلا حضرات)

جواب:۔۔۔ کیونکہ عمل ہمارے کم ہیں ہم چھوٹے ہیں، ہمارے کام تھوڑے ہیں۔ ان کے لیئے تھوڑی زندگانی چاہیے اور ثواب وعذاب رب کا کام ہے۔ رب عظیم اس کی عطا و سزا بھی عظیم، اس کے لیے زمانہ وہ چاہیے جس کی انتہا نہ ہو اور بھی بہت وجہیں ہیں۔ نیز آخرت اعمال کی جگہ نہیں کہ وہاں اعمال کے اسباب نہیں۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ چاند سورج سے ہوتے ہیں وہاں یہ دونوں نہیں۔ جہاد کفار کے زور کو توڑنے کے لیے ہوتا ہے وہاں کفار کا زور نہیں۔ نیکیوں سے روکنے والا شیطان اور نفس امارہ ہے۔ وہاں شیطان قید نفس امارہ ہلاک ہے۔ لہٰذا اعمال اور جزا ایک وقت نہیں ہو سکتے۔ اے لوگو! زندگی غنیمت جانوں۔ اس میں جو بھی بن پڑے عبادت کرلو کیونکہ دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہے اور نہ ہی یہ دنیا ہمیشہ رہے گی۔ ہم سب کو آخر کار اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ کی طرف سے اس کا پختہ سچا وعدہ ہو چکا ہے۔ جب مرنا ہے تو تیاری کرو۔ خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ جن کے لیے تم اپنی آخرت تباہ و برباد کر رہے ہو وہ لوگ وہاں کام نہیں آئیں گے جب کہ تمہارے نیک اعمال کام آئیں گے۔

یہ مال و دولت دنیا، یہ رشتہ و پیوند

بتان و ہم و گماں لاالہ الا اللہ

دنیا اور اس کے متعلقات اور اس کے گوناں گوں مناظر اور مظاہر مثلاً مال و دولت بیوی، بچے، رشتہ دار، مادی سامانِ آرائش جس کے لیے تو اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے روگردانی کرتا ہے، یہ سب بے حقیقت اور فانی چیزیں ہیں۔ یہ سب تیرے وہم و گمان کے تراشے ہوئے بت ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا مسلم کا نہ کوئی معبود ہو سکتا ہے نہ مطلوب نہ مقصود۔

اللہ ہی ایک مستقل قائم بالذات اور باقی ہستی ہے۔ وہی اس لائق ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور صرف وہی اس لائق ہے کہ اسے مقصود زندگی بنایا جائے۔ مال، دولت، جاگیر، عہدے، بیوی بچے ان میں سے کسی کو بھی ثبات نہیں ہے اور اس لیے ان میں کسی کے ساتھ دل لگانا سراسر نادانی ہے کیونکہ نہ انہیں دوام ہے اور نہ تو ان کو اپنے ساتھ قبر میں لے جا سکتا ہے۔

یہاں آدمی خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ جاتا ہے البتہ اگر نیک اعمال لے کر گیا تو قبر میں اسے راحت وآرام ملے گا۔

سوال:—— دنیا میں بت پرستی کی ابتدا کیسے ہوئی اور کس نے کی۔

جواب:—— بت پرسی کی شروعات قومِ نوح سے ہوئی کہ ان میں پانچ نیک متقی، پارسا آدمی تھے (۱) وَدّاع (۲) سُواع (۳) یغوث (۴) یعوق (۵) نسر۔ لوگوں کو ان سے بڑی محبت تھی کہ وداع کا انتقال ہو گیا جس پر قوم بہت غمگین ہوئی حتیٰ کہ بہت سے لوگ ان کی قبروں پر جا بیٹھے۔ یہ واقعہ عراق کے شہر بابل میں ہوا۔ ان لوگوں کے پاس ابلیس انسانی شکل میں آیا اور بولا کہ میں تمہارے لیے وَدّاع کی تصویر بنائے دیتا ہوں کہ تم اسے دیکھ کر وَدّاع کو یاد کر لیا کرو۔ لوگ بولے ہاں ضرور بنائیے۔ اس نے یہی کیا اور لوگ اس تصویر (مجسمہ) مورتی کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر باری باری سواع، یغوث، یعوق اور نسر بھی فوت ہو گئے۔ ابلیس ان کی تصویریں اور مورتیاں بنا بنا کر ان لوگوں کو دیتا رہا۔ ان تصویروں اور مورتیوں کے وہ نام رکھے گئے جو ان پانچوں نیکو کاروں کے تھے ان کے چہرے ہو بہو تراش کر ویسا ہی بنایا گیا جیسے وہ تھے۔ اس زمانے میں تو صرف اتنا ہی ہوا جب یہ لوگ مر گئے اور ان کی اولادوں کا زمانہ آیا تو ابلیس ان سے بولا کہ تمہارے باپ دادا ان تصویروں کو پوجتے تھے لہٰذا تم لوگ بھی ان کی پرستش شروع کر دو۔ اس طرح وہ لوگ ابلیس کے بہکاوے میں آ گئے اور انہوں نے ان تصاویر کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ انہیں نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی مگر ان لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی حتیٰ کہ طوفانِ نوح پانی کی عذاب کی شکل میں آیا اور یہ تصاویر پانی میں بہہ کر جدہ پہنچ گئیں۔

عرب میں بت پرستی لانے والا عمرو بن لحیٔ تھا یہ ملک شام کے علاقے میں گیا۔ وہاں بت پرست دیکھے ان سے ایک بت عقیق پتھر کا لایا جسے ہُبل کہتے تھے وہ مکہ معظّمہ میں رکھا اس کی پوجا پاٹھ شروع کر دی۔ اس طرح عرب میں بت پرستی کا بنیاد عمرو ابن لحیٔ نے ڈالا۔ (تفسیر روح البیان)

بعض روایات میں ہے کہ کعبہ معظّمہ میں حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کے

بت بھی تھے۔ فتح مکہ کے دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تصویروں کو ہٹایا جس سے پتہ چلا کہ تصویر خواہ پیغمبر کی کیوں نہ ہو مگر یہ حرام ہے۔ اگر تصویر اسلام میں جائز ہوتی تو ہمارے سرکاری صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم اور اسماعیل کی تصویر برقرار رکھتے۔ غور کرو! جب کسی نبی کی تصویر رکھنا جائز نہیں تو پھر کسی ولی یا پیر کی تصویر کیوں کر جائز ہوگی۔ اس واقعہ سے ان لوگوں کو درس عبرت حاصل کرنا چاہیے جو بزرگوں اور پیرو کی تصویر گھروں میں دوکانوں میں رکھتے ہیں۔ اس پر پھول ہار ڈالتے ہیں۔ لوبان اگر بتی وغیرہ کی دھونی دیتے ہیں۔ نعوذباللہ اس کے سامنے فاتحہ پڑھتے ہیں اور ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں۔ بابا جاتا ہوں خیال رکھنا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم. یہ کتنی بڑی جہالت ہے ایسے لوگوں پر توبہ لازم ہے۔

انسان جس سے عشق ومحبت کرتا ہے چاہتا ہے کہ میں اس کی آواز سنوں۔ اس کو دیکھوں اور جب اس کو دیکھ لیتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ اب میں اسے پوجوں یعنی دیکھنے کے بعد انسانی فطرت پرستش کی طرف خود بخود مائل ہو جاتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے اور اسلام انسانی فطرت کو اچھی طرح سمجھتا ہے اس لیے تصویر خواہ وہ کسی کی کیوں نہ ہو حرام ہے حرام ہے۔ سگنل ٹرین آنے سے پہلے دی جاتی ہے۔ اسلام انسانی مزاج اور فطرت کو اچھی طرح پہچانتا ہے اس لیے وہ ان چیزوں کے پاس جانے سے سختی کے ساتھ روکتا ہے جس سے برائیاں پھیلتی یا پیدا ہوتی ہیں۔

سوال:— قرآن کہتا ہے کہ یہ بت جنہیں لوگ پوجتے ہیں یہ نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان حالانکہ بت سے نفع نقصان ہوتا ہے۔ لکڑی، پتھر، لوہا زخمی کر دیتے ہیں ان سے بہت کام چلتے یوں ہی چاند سورج وغیرہ سے بڑے بڑے منافع ہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا (آریہ)

جواب:— یہاں نفع نقصان سے مراد عبادت کا نفع نقصان ہے۔ اللہ کے سوا بڑی سے بڑی مخلوق کی عبادت نفع نقصان نہیں دے سکتی کہ اپنی عبادت پر ثواب اور عبادت نہ کرنے پر عذاب دے یہ صرف اور صرف رب تعالیٰ معبود حقیقی کی شان ہے اور عبادت کے لائق وہی

ذات واحد ہے۔کوئی شخص اپنے بیوی بچوں میں مال و دولت میں شرکتِ غیر پسند نہیں کرتا تو پھر وہ اپنی ذات وصفات میں کسی کی شرکت کیسے گوارہ فرمائے گا۔شرک درحقیقت اس خدائے واحد کے خلاف ایک طرح کی بغاوت ہے اس کی بادشاہی وفرمانروائی میں کسی کو شریک کرنا اس کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرنے کے منافی ہے۔ دیکھئے دنیا کی حکومتیں سنگین سے سنگین جرم کرنے والوں کو معاف کردیتی ہیں لیکن ملک سے غداری کرنے والے کو معاف نہیں کیا جاتا اس کو سزائے موت دی جاتی ہے۔تختۂ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے تو اب آپ خود ہی اندازہ لگالو کہ اس بادشاہِ حقیقی کے ہوتے ہوئے آپ کسی اور کو اپنا خالق و مالک تسلیم کرلو تو اس سے بڑا جرم کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرک سب سے بڑا گناہ اور جرم ہے اور شرک کرنے والا سب سے بڑا مجرم، حکومت الٰہیہ کا باغی ہے۔

سوال:—— خدا موجود ہے تو ہم کو نظر کیوں نہیں آتا چونکہ وہ نظر نہیں آتا اس لیے کیا معلوم وہ ہے بھی یا نہیں اور اگر بن دیکھے مان بھی لیں تو یقین کیسے آئے۔(مادہ پرست۔ملحد)

جواب:—— اس دنیا میں بے شمار چیزیں، بے حساب انسان، انگنت جانور، چرندے، پرندے، درندے، دریا، پہاڑ، سمندر اور بہت سے ممالک وغیرہ ایسے ہیں جن کو ہم نے بھی دیکھا نہیں۔صرف نام سنا ہے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ان کا وجود ہی نہیں۔فرض کیجئے کہ آپ نے امریکہ ملک کبھی نہیں دیکھا، لندن، پیرس کبھی نہیں گئے تو یہ آپ کے نہ جانے نہ دیکھنے سے یہ مان لیا جائے گا کہ امریکہ، لندن، پیرس ملک ایک خیال اور فرضی نام ہے۔دنیا کے نقشے پر ان ملکوں کا وجود ہی نہیں ہے۔آپ یتیم پیدا ہوئے، آپ نے اپنے باپ کو دیکھا ہی نہیں، کیا آپ کو اس سے انکار ہے۔کیا یہ بات قابل تسلیم ہے؟ بالکل اسی طرح ہم نے خدا جنت دوزخ کو نہیں دیکھا تو کیا آپ کے نہ دیکھنے سے یہ مان لیا جائے گا کہ خدا اور جنت دوزخ کا وجود ہی نہیں ہے۔جس علم کا سہارا لے کر ہم اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں اسی علم سائنس کا یہ حال ہے کہ وہ مادہ لطافتوں کو دیکھنے سے بھی قاصر اور عاجز ہے۔ایتھر ایک مادی شئے ہے لیکن مادہ پرستوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔اسی ایتھر پر سائنس کے بے شمار نظریات

کا دارومدار ہے۔ اگر ایتھر کی وجود سے انکار کیا جاتا ہے تو سائنس کی تمام عمارت زمیں بوس ہوجاتی ہے۔اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ جب ہم مادی مطاقتوں کو نہیں دیکھ سکتے تو پھر غیر مادی اور غیر محسوس اشیا کی مطاقتوں کو کیا دیکھ سکیں گے۔ جب تمام مادہ وسائل مصائب و آلام کی گھڑیوں میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور انسانی کشتی مصائب۔ وآلام کی سمندر میں ہچکولے کھانے لگتی ہے۔اس وقت اسے اپنے مالک حقیقی کا خیال پیدا ہوتا ہے اور اسی کی دامنِ رحمت میں پناہ کی امید بنتی ہے۔بس اسی بے چارگی کے عالم میں جس ذات پر آس وامید ہوتی ہے وہی خدا ہے وہی اللہ ہے جو نظر تو نہیں آتا مگر اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے۔

سوال:— اگر کفر وایمان کی سزا و جزا قیامت کے بعد ہی ملنا ہے تو دنیا میں کفار و مشرکین پر عذاب کیوں آئے اور وہ تباہ و برباد کیوں کئے گئے جیسے کہ قوم نوح،قوم عاد وثمود وغیرہ(آریہ)۔

جواب:— تاکہ اس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے شرکشی اور نافرمانی نہ کریں۔ نیز یہ عذاب انبیائے کرام کی حقانیت کا ثبوت اور لوگوں کو دعوتِ اسلامی کا ذریعہ ہوں۔ یہ عذاب جو دنیا میں آیا یہ عارضی ہیں۔ دائمی عذاب کا سامنا کفار و مشرکین کو مرنے کے بعد ہی کرنا ہوگا۔ جیسے کہ ملزم کو حوالات کی تکلیف اس کی سزا کے علاوہ ہے۔سزا حاکم کے فیصلے کے بعد ملتی ہے۔

سوال:— آج کل کے دنیاوی پیروں کو ماننے والے مسلمان اس زمانے کے کفار و مشرکین سے بدتر ہیں کہ کفار ومشرکین دنیاوی مصیبت اور سمندری آفات میں پھنس کر دیوی دیوتاؤں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں مگر یہ مسلمان ایسے نازک وقت میں بھی یاغوث یا پیر یا رسول اللہ یاعلی المدد ہی پکارتے ہیں ایسا پکارنا شرک ہے اور یہ سب مشرک ہوئے۔(وہابی، نجدی۔گستاخ رسول)

جواب:— اس سوال کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔الزامی جواب یہ ہے کہ بڑا افراتفری اور سخت مصیبت ہوگی اس وقت ساری مخلوق انبیائے کرام علیہم السلام کو پکارتی

ہوگی ان کے پاس جاوے گی۔ آخرکار حضور کے دروازے پر پہنچ کر آپ سے فریادی ہوگی۔ جب قیامت کی مصیبت میں نبی کو مدد کے لیے پکارنا درست ہوا تو سمندر کی آفت اس سے کہیں کم ہے۔نوح علیہ السلام کی کشتی حضور ہی کے وسیلے سے حضور کو پکارنے سے پار لگی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ انہیں کے نام پاک کے وسیلے سے قبول ہوئی۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر نامِ محمدرا نہ آورد ے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

تحقیقی جواب یہ ہے کہ مصیبتوں میں بتوں کو پکارنا شرک ہے۔ مقبول بندوں کو پکارنا بالکل حق ہے۔انہیں پکارنا ان کے توسل سے دعا کرنا درحقیقت اللہ ہی کو پکارنا ہے اس سے ہی دعا کرنا ہے۔ اللہ والوں سے استعانت و استمداد درحقیقت اللہ ہی سے استعانت ہے۔ یہ مقدس ہستیاں رحمت الٰہی کے زینے ہیں۔ دیکھو اگر ڈوبتے وقت کافر بت کو سجدہ کرے تو شرک ہے لیکن اگر مومن کعبے کی طرف سجدہ کرے۔نفل نماز پڑھے، سجدے میں گر کر دعا مانگے تو مومن ہے کہ کعبے کی طرف سجد حقیقت میں رب ہی کو سجدہ ہے۔ نبی سے فریاد کرنا اللہ ہی سے فریاد ہے۔ہاں! ایسا عقیدہ رکھنا کہ خدا کچھ نہیں جو کرتے ہیں پیر پیغمبر اور ولی کرتے ہیں۔ خدا کچھ نہیں کرتا یہ عقیدہ صریح شرک ہے۔ مسلمان دنیا کی آفات و مصائب میں بزرگوں کے توسل سے رب سے دعا کرتے ہیں یا ان بزرگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر مدد طلب کرتے ہیں جیسے بھکاری، فقیر، سخی، امیر کے دروازے پر اللہ کے واسطے سے بھیک مانگتا ہے۔ میرے حضور جنت کے مالک و مختار باذنِ پروردگار ہیں۔ دنیا و آخرت کے تمام نعمتوں کے قاسم ہیں۔ ہم بھکاریوں کے لیے وہی جود و عطا کا دروازہ ہے۔ سرکارِ بریلی فرماتے ہیں۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

سوال:۔۔۔ قرآن مجید صرف دلی بیماریوں کے لیے شفا ہے نا کہ جسمانی بیماریوں کی۔

لہٰذا اس سے دعا تعویذ کرنا جسمانی بیماریوں کے لیے نہیں ہونا چاہیے (وہابی۔ مادہ پرست، ملحد)

جواب:۔۔۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآنِ مجید جیسے دلی بیماریوں کی شفا ہے ایسے ہی جسمانی بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے اور انہوں نے اس کے متعلق یہ دو حدیثیں بھی پیش فرمائیں (۱) ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے سینے میں سخت درد ہے۔ فرمایا کہ قرآنِ مجید کی تلاوت کرو۔ (۲) ایک صحابی نے سانپ کاٹے ہوئے پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تیس بکریاں اجرت میں لیں جو لشکر صحابہ نے کھائیں۔ مدینہ شریف واپسی پر حضور نے بھی اس کا بقیہ گوشت تناول فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید دلی بیماریوں کے لیے بھی شفا اور روحانی علاج ہے اور جسمانی بیماریوں کے لیے دوا و علاج ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا تعویذ کرنا درست ہے اور سنت سے ثابت ہے اس پر اجرت لینا بھی جائز ہے کہ یہ اصلِ کلام کی اجرت نہیں بلکہ کام کی اجرت ہے۔

سوال:۔۔۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی مگر ولایت ختم نہ ہوئی۔

جواب:۔۔۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ نبوت کے دائمی چمکنے والے سورج ہیں۔ دوسرے انبیائے کرام یا چاند تارے ہیں یا روشن چراغ اور اولیا اللہ گویا اس سورج کے ذرے ہیں۔ سورج چاند تاروں کو اپنے نور میں چھپا لیتا ہے۔ چراغوں کو بجھا دیتا ہے۔ اولیا اللہ اسلام کی حقانیت اس کے غیر منسوخ ہونے کی دلیل ہیں۔ لہٰذا ان کا بقا ضروری ہے۔ انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مظہر ہیں اور اولیا اللہ اپنے نبی کے کمالات ثبوت کے مظہر ہیں۔

سوال:۔۔۔ بعض فاسق و فاجر فقیر ولی ہوتے ہیں۔ ان سے کرامات سرزد ہوتی ہیں پھر ولایت تقویٰ پر موقوف کیسے۔ (اندھے معتقد)

جواب:۔۔۔ وہ ولی نہیں بلکہ شیطان کی ذاتیں ہیں ان کے عجائبات کرامات نہیں بلکہ شعبدہ اور استدراج ہیں۔ قرب قیامت دجال آئے گا بڑی بڑی عجیب و غریب کرتب و شعبدہ

دکھائے گا مگر ولی کیا مومن بھی نہیں ہوگا۔ ولایت کے لیے کرامت کی شرط نہیں۔ یہ تو قرب الٰہی کا ایک خاص درجہ ہے جو پابند شریعت سے بندے کو نصیب ہوتا ہے۔ جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور شریعت مطہرہ کی پابندی ہوگی اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور جسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوجائے وہ اللہ کا محبوب بندہ ہے جسے قرآنی اصطلاح میں ولی کہا جاتا ہے۔ آج کل بعض بے دین بھنگی، چرسی تارک نماز و تارک سنت و شریعت ہوکر ولایت کا دعویٰ کرتے ہیں اور عجیب عجیب شعبدہ و کرتب دکھاتے ہیں۔ لوگ جنہیں شریعت کا علم نہیں وہ ان کے معتقد ہوجاتے ہیں۔ دونوں مردود ہیں۔ خدارسی اور ولایت کے لیے اتباع شریعت و سنت لازم اور شرط اول ہے۔ تقویٰ پرہیز گاری ضروری ہے اسے ترک کرے اگر کوئی ولایت کا دعویٰ کرے اور وہ آسمانوں پر اڑے، یا آگ میں چلے اور نہ جلے یا پانی پر چلے اور پیر تر نہ ہو لیکن اگر وہ تارکِ صلوۃ و سنت ہے تو سمجھو کہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا زندیق ہے۔

سوال:۔۔۔ قرآن کہتا ہے کہ تمام انبیائے کرام صرف انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تو جنات کو ہدایت کس نے دی۔ حالانکہ زمانے میں بڑے نیک جن بھی موجود رہے۔ قرآنِ پاک کے واقعہ سلیمانی میں تخت بالقیس کے موقع پر ایک درباری جن کا ذکر فرمایا ہے اور اگر کسی نے ہدایت نہ دی تو بے ہدایت جنات کے لیے جنت ہے یا جہنم۔ اگر جہنم ہے تو یہ ظلم ہے جس سے رب تعالیٰ پاک ہے۔ اگر جنات سے کفر ہوتا یا کسی تبلیغ کا انکار کرتے تب جہنمی بنتے۔ بغیر اطلاع اور ہادی کے بھیجے ہوئے جہنم کی سزا کیوں اور اگر ان کا ٹھکانہ جنت ہے تو وہ اعمال کی جزا سے حاصل ہوگی بغیر عمل صالح کے جزا بہشت بھی ناممکن بلکہ نیکوں پر ظلم ہے کہ وہی جنت ایک کو اعمال کی سخت ترین مشقت دے کر عطا ہوئی اور دوسرے کو بغیر مشقت (بعض لوگ)

جواب:۔۔۔ انبیا کا مبعوث ہونا صرف دین حق کی اطلاع دینے کے لیے ہے۔ جس مخلوق کو بجز انبیائے کرام اطلاع نہ ممکن ہو اور کسی بھی ذریعے سے ان کو اللہ کے دین کا پتہ نہ لگ سکے ایسی مخلوق کی طرف اللہ اپنے نبیوں کو بھیجتا ہے ایسی مخلوق صرف انسان ہی ہیں جنات کو

قوت دی گئی تھی کہ آسمانوں تک پہنچ کر فرشتوں کا کلام سن سکیں لہٰذا ان کو فرشتوں کے ذریعہ اچھے برے کا، کفر اور اسلام کا پتہ چل جاتا تھا اس لیے ان پر ایمان لانا واجب تھا۔ انبیا کو ان کی طرف بھیج کر اطلاع دینے کی ضرورت نہ تھی مگر انسان کو فرشتوں تک اور آسمان پرواز کی طاقت نہ تھی اس لیے ان کی طرف انبیائے کرام مبعوث ہوئے۔ دیگر جمادات، نباتات وغیرہ کو تبلیغ کی ضرورت نہ ہوئی کیونکہ وہ شریعت کے مکلّف نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے جنات کا آسمانوں پر جانا بند ہو گیا۔ اب جسے ہدایت نہیں ہو وہ نبی کے آستانے پر آسکتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنات کے بھی نبی ہیں۔ دیگر مخلوقات جمادات نباتات وغیرہ کو صرف اعزازی طور پر شرفِ امت بخشنے کے لیے امت مصطفیٰ میں شامل کیا گیا ورنہ یہ کسی حکم کے مکلّف نہیں۔ جس طرح کوئی حکومت کسی غیر ملکی کو محبت کی بنا پر اپنے یہاں کی شہریت کا تمغہ دیکر اپنی رعایا میں شامل کرے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور کی امت میں تمام مخلوق کو شامل فرما کر عظیم اعزازی تمغہ عطا فرمایا۔ اب تمام مخلوق کا کام یہ ہے کہ وہ تاعمر نبی کریم کے گیت گاتے رہیں۔ چونکہ بعثتِ انبیا صرف اطلاع دینے کے لیے ہے تو جنکو کسی اور ذریعے سے اطلاع نہ پہنچے ان کی تبلیغ کے لیے انبیائے کرام تشریف لائے لیکن جن کو بغیر نبی اطلاع پہنچ جائے ان کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہ بھیجا کہ حضور کی تبلیغ صحابہ کرام اولیائے عظام اور علمائے اسلام کے ذریعہ سب کائنات میں جاری وساری ہے۔

سوال:— تو پھر انبیا کی کیا ضرورت تھی جس طرح صرف اطلاع وتبلیغ جنات نے فرشتوں سے روبرو جا کر کر لی وہی فرشتے نیچے آکر بھی انسانوں کو تبلیغ کر دیتے۔

جواب:— انسان کی ضروریات جنات کی ضروریات سے زیادہ ہیں اور انسان عقل و خرد، فریب کاری، فتنہ فساد میں جنات سے بڑھ کر ہے۔ اس کو صرف قولی تبلیغ کافی نہ تھی اس کے لیے عملی تبلیغ کافی نہ تھی اس کے لیے عملی تبلیغ اشد ضروری ہے۔ فرشتے قولی تبلیغ تو کر سکتے تھے مگر عملی تبلیغ ان کے لیے ناممکن ہے۔ انسانوں کی جسمانی ضروریات کے علاوہ روحانی اور قلبی

ضروریات بھی ہیں اگر اس کو کاروبار، روٹی کپڑا اور مکان، دوکان ہے تو دردِ دل کی بھی ضرورت ہے۔ عشق ومحبت کی آگ بھی چاہیے۔ نہ فرشتے ایسی تبلیغ کر سکتے تھے نہ جنات کو ایسی تبلیغ کی ضرورت۔ اس لیے جنات کے لیے فرشتے کافی تھے مگر بھلا حضرت انسان کب ماننے والا تھا۔ جس طرح انبیائے کرام نے پیار ومحبت سے تبلیغ فرمائی اور تکلیف برداشت کرنے کے باوجود بھی اپنی روحانی قوت سے ان کو ہلاک نہ کیا دعائیں ہی دیتے رہے بھلا فرشتوں سے یہ کب برداشت ہوتا وہ تو ایک ہی دفعہ میں طور پہاڑ اُٹھا کر لے آتے کہ مانو ورنہ جان سے ماردیں گے۔

سوال:۔۔۔ تفاسیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیائے کرام کا قبلہ کعبہ رہا تو بیت المقدس کب اور کس نے قبلہ بنایا حالانکہ قبلہ بنانا تو فقط انبیا کا کام ہے۔

جواب:۔۔۔ صرف چند انبیائے کرام کے زمانے میں بیت المقدس قبلہ رہا۔ موسیٰ علیہ السلام اور آپ سے پہلے تمام انبیائے کرام کا قبلہ کعبہ ہی تھا۔ اس وقت تک مسجد اقصیٰ بنی ہی نہ تھی۔ مسجد اقصیٰ جس کو پہلے ہیکل کہا جاتا تھا حضرت آدم کے تین ہزار ایک سو دس سال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرتِ مصر سے پانچ سو بانوے سال بعد پہلی مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنائی اور دعا کی یا اللہ! اس کو ہمارے لیے قبلہ بنا دے۔ کعبے کو پہلی مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے اور دوسری مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عمارت کی شکل میں بنایا۔ کعبے کو آج ساڑھے سات ہزار سال ہو رہے ہیں اور مسجد اقصیٰ کو آج تقریباً تین ہزار سال ہوئے۔ پھر کعبہ حضرت آدم سے آج تک قبلہ ہے اور مسجد اقصیٰ صرف پندرہ سو سال قبلہ رہا اور کعبہ سب انبیائے کرام کا قبلہ رہا۔ اس دوران غیر اسرائیلی انبیا سمت کعبہ ہی کو قبلہ بناتے تھے۔ ہمارے حضور نے بھی تھوڑے عرصے تک مسجد اقصیٰ کو قبلے کی فضیلت بخشی اور یہ قاعدہ ہے کہ وللا کثر حکم الکل۔ السا ز کاالمعدوم۔ یعنی اکثریت کو کل کا حکم دیا جاتا ہے اور تھوڑا نہ کے برابر ہوتا ہے۔

سوال:۔۔۔ حضرت جبریل نے فرعون کے منہ میں خاک کیوں ڈالی۔ ایمان سے روکنا

توبری بات ہے۔ پھر یہ رب تعالیٰ کے حکم سے ہوا یا اپنی مرضی سے۔ اگر حکم ربی سے خاک ڈالی تو اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کرنے کا حکم فرما رہا ہے۔ یہاں کیوں سختی کا نہ حکم ہوا۔ اگر اپنی مرضی سے جبریل نے خاک ڈالی تو اس آیت کے خلاف ہے کہ
وَمَا تنزل اِلا باموِ رب. ہم آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

جواب:۔۔۔ سچے اور با اخلاص ایمان سے روکنا منع ہے جب کہ حالتِ اختیاری میں ہو لیکن حالتِ نزع کا ایمان چونکہ معتبر نہیں اس لیے اس سے روکنا بُرا نہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس دشمن انبیا اور خدائی کا دعویٰ کرنے والے کو فریاد و گڑگڑانے سے روکا تھا کہ کہیں اس پر رحم نہ ہو جائے اور ڈوبنے سے بچ نہ جائے۔ اس لیے اس کے منہ میں خاک ڈالی تھی اور یہ ان کا اپنا کام تھا نہ کہ رب کے حکم سے۔ ملائکہ اور جبرئیل کا نزول حکم ربی سے ہوتا ہے مگر نازل ہو کر پھر اپنے اختیار سے کام کر سکتے ہیں۔ کفار پر نرمی اس وقت جائز ہے جب ان کو تبلیغ مقصود ہو اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرمی کا حکم ہوا کہ آپ تبلیغ نرمی سے کرو۔ وہ وقت تبلیغ کا تھا لیکن سخت کافر پر سختی کا بھی حکم ہے۔

سوال:۔۔۔ فرعون اور اس کی آل عذاب کے وقت ایمان لائے تو قبول نہیں ہوا اور عذاب سے ہلاک کر دیا گیا لیکن قومِ یونس (قوم سیریا) عذاب کے وقت ایمان لائے تو ان کا ایمان قبول ہوا اور عذاب بھی ہٹا لیا گیا اس کی تفریق کی وجہ کیا ہے۔

جواب:۔۔۔ قومِ فرعون اور قومِ یونس اور ان کی عذابوں میں چند طرح کا فرق ہے۔
ایک یہ کہ قومِ فرعون نے انبیائے کرام کا مقابلہ کیا اور کرایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخیاں کیں مگر قومِ یونس نے نہ حضرت یونس علیہ السلام کا مقابلہ کیا اور نہ ہی آپ کی شان میں کوئی گستاخی کی بلکہ آخری دم تک حضرت یونس علیہ السلام کی صداقت کا اعتراف کرتے رہے صرف مسلمان ہونے اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑنے سے انکار کیا۔ دوسرے یہ کہ قوم فرعون مغرور اور متکبر تھی اور تکبر قلبی ہی ایمان سے دور اور شرکشی سے قریب کرتا ہے لیکن قومِ یونس میں ظلم اور غنڈہ گردی، چوری، لوٹ مار تو تھا مگر غرور اور تکبر نہ تھا دیکھا گیا ہے کہ چور،

ڈاکو، لٹیرے اور آوارہ بدمعاش قسم کے لوگ عوام پر ظلم تو واقعی بہت کرتے ہیں مگر اللہ کے عذاب اور پیر فقیر اولیا علما سے بہت ڈرتے ہیں۔ بزرگوں کے آستانوں کے مزارات کا بہت احترام کرتے ہیں۔ اکثر دین کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ قومی فساد کے زمانے میں یہی لوگ آگے آتے ہیں اور قوم کو بچاتے ہیں۔ کئی گرہ کٹ اور ڈاکوؤں کو نماز کا پابند دیکھا گیا ہے۔ چور ڈاکو مغرور نہیں ہوتے، تیسرے یہ کہ قومِ فرعون کو جب عذاب کی خبر سنائی جاتی تو وہ حضرت موسیٰ کا مذاق اڑانے، اِس خبر کو قطعاً جھوٹ سمجھتے۔ یہی حال تمام ہلاک ہونے والی قوموں کا تھا مگر قومِ یونس عذاب کی خبر سن کر فوراً نرم پڑ گئی اور اپنے ایمان کو مقررہ رات میں حضرت یونس کی موجودگی پر موقوف کر دیا۔ چوتھے کہ فرعون اور قومِ فرعون اس وقت ایمان لائے جب ان پر عذاب اتر پڑا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب الٰہی کو دیکھ لیا۔ قانونی طور پر اس وقت کا ایمان معتبر نہ تھا لیکن قومِ یونس نے عذاب الٰہی نہیں دیکھا صرف نشانِ عذاب سیاہ بادلوں کو دیکھا اور ایمان لے آئے اور جب انہوں نے حضرت یونس کو تلاش کیا تو نہ پایا۔ دن تاریخ مقررہ وہی تھی سمجھ گئے یہ یومِ عذاب ہے فوراً کفر سے توبہ کئے۔ بادل بذاتِ خود عذاب نہ تھا۔ نہ معلوم کس نوعیت کا تھا۔ سیلاب کا تھا یا آگ کا، یا پتھر کا، معلوم ہوا کہ قومِ یونس کا ایمان عذاب دیکھ کر یا عذاب کے نزول سے نہ ہوا اس لیے ان کا ایمان قابلِ قبول ہوا۔

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے کہ کفار و مشرکین کو دوگنا عذاب دیا جائے گا حالانکہ قرآن پاک کی دوسری آیت سے ثابت ہے: وَمَن جآء باالسیةِ فلا یُجزیٰ الّا مِثلھاَ جو گناہ لے کر آیا تو اس کا تو اس کا عذاب ایک گناہ کا اسی کے مثل یعنی ایک ہی ہوگا۔ معلوم ہوا کہ عذاب دگنا نہیں ہوگا۔ یہاں قرآن میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب:۔۔۔ تفسیر صاوی نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں گناہ بھی دو ہیں۔ ایک گمراہ ہونا دوسرا گمراہ کرنا۔ لہٰذا دو گناہوں کے دگنا عذاب ہوئے نہ کہ ایک گناہ کے دگنا عذاب۔ معترض کی پیش کردہ آیت میں ایک گناہ کا ذکر ہے لہٰذا تعارض نہ ہوا مگر میں اس کا جواب اس طرح دیتا ہوں کہ یہاں دگنا ہونے کا مطلب عددی دگنا نہیں کہ ایک بار پھر دوسری بار بلکہ

مطلب یہ ہے کہ ہوگا ایک ہی بار خواہ کتنا ہی دراز ہو مگر ہوگا شدید۔ مثلاً ایک آدمی کسی کو چپت مارے مگر ہلکا اور نرم طریقے سے۔ دوسرے آدمی کو سخت زور سے چپت مارے تو عدد میں دونوں چپت برابر ہیں مگر شدت میں دوسرا پہلے سے دگنا ہے یہی مطلب پیش کردہ آیت کا ہے کہ فرمایا اِلَّا مِثْلَهَا یعنی جیسا گناہ ویسا عذاب۔ اگر گناہ ڈبل اور زیادہ نقصان دہ نوعیت کا ہے تو عذاب بھی اس کی مثل شدید اور ڈبل ہوگا۔ ہمارے علاقے میں میدہ کی ڈبل روٹی بنائی جاتی ہے وہ ایک ہی مگر موٹی ہوتی ہے اس لیے اس کو ڈبل روٹی کہہ دیتے ہیں۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ عذاب ایک ہی ہوگا مگر شدید ہوگا۔

سوال:۔۔۔ حضرت نوح طوفان شروع ہونے کے بعد اپنے بیٹے کو دعوتِ ایمان دی حالانکہ یہ طوفان عذاب الٰہی تھا اور عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں اور جب ایمان نہیں تو دعوت ایمان فضول ہوئی اور فضول کام شانِ نبوت کے خلاف ہے۔

جواب:۔۔۔ عذاب دیکھنے کا مطلب ہے عذاب میں مبتلا ہو جانا تکلیف پا کر پھر کوئی ایمان لائے تو معتبر نہیں۔ یہاں تو ابھی ان کفار کو احساس ہی نہیں کہ یہ پانی عذاب ہے بھی کہ نہیں۔ ابھی تو بہت تھوڑا ہے یا ہوسکتا ہے کہ ابھی تک ان لوگوں کے پاس پانی آیا ہی نہ ہوا بھی دور ہو اور کنعان ابھی یہی سمجھ رہا ہو کہ پتہ نہیں یہ کیوں کشتی میں سوار ہوئے ایسی حالت کا ایمان معتبر ہے مگر پہلا جواب قوی ہے۔

سوال:۔۔۔ طوفانِ نوح کے واقعہ میں ہے کہ جب نوح کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری تو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو حکم دیا کہ تو رک جا تھم جا اور پانی چوس لے حالانکہ یہ دونوں بے عقل چیزیں ہیں اور امرونہی (کرنے نہ کرنے کا حکم) اس کو ہوتا ہے جو عقل رکھے خطاب سمجھے۔
(آریہ)

جواب:۔۔۔ اس کا جواب حضرت ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے دوطرح سے دیا ہے۔ ایک یہ کہ ظاہراً حکم اور خطاب زمین وآسمان کو ہے مگر حقیقت میں حکم ان ملائکہ اور فرشتوں کو ہے جو بارش برسانے اور پانی بہانے پر مامور ومقرر ہیں مگر یہ جواب ٹھیک نہیں۔ دوسرا جواب یہ

ہے کہ حکم دوطرح کا ہے (۱) امر ایجاب (۲) اور امر ایجاد۔ امر ایجاب صرف ذی عقل مکلفین کو ہوتا ہے مگر امر ایجاد اس میں عقل وفہم کی شرط نہیں کیونکہ کائناتِ عالم کی تمام اشیا باعتبار امر ایجاد کے اللہ کے حضور مطیع وفرمانبردار ہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے تابع اور زیر فرمان ہے کسی کو اس کے حکم عدولی کی جرأت نہیں۔ صرف انسان ہی وہ شرکش اور بد بخت ہے جو اپنے رب کی کھلم کھلا نافرمانی، حکم عدولی کرتا ہے۔ مومن کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

سوال: — انبیا بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیارِ کمال پر قائم رہے جو مومن کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہوجاتا ہے لہٰذا انبیا سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جس طرح دوسرے عام انسانوں سے۔ (مودودی)

جواب: — جہلائے زمانہ کی بدبختی کو کیا کیا جاوے کہ وہ مقامِ نبوت نہیں جان سکا۔ اپنی جہالت سے اندھا بن کر نبی کو عام ترازو میں تولنا چاہتا ہے۔ یہ عقیدہ بنانا کفر یہ تو ہوسکتا ہے کوئی اس گمراہی کو نہیں جان سکتا اس لیے کہ نبی کبھی بھی بشری کمزوری سے مغلوب نہیں ہوسکتا وہ ہمیشہ ہر آن بلند ترین معیار کمال پر قائم رہتا ہے جو معیار ہر مومن کے لیے مقرب ہے۔ اس سے بھی کروڑوں درجے بلند معیار نبوت کا ہوتا ہے جس پر ہر آن نبی فائز اور قائم رہتا ہے۔ یہ کہنا انتہائی بدتمیزی ہے کہ انبیا بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ کہنا یہ چاہیے تھا کہ انبیا انسان بھی ہوتے ہیں۔ جو شخص بارگاہِ نبوت میں ''ہی'' اور ''بھی'' کا فرق نہ سمجھے اس میں شیطانیت نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر نبی صرف انسان ہی ہوتے اور بشری کمزوری سے مغلوب ہوجایا کرتے تو حضرت نوح کو اس طرح تنبیہ نہ فرمائی جاتی بلکہ عامۂ انسانی خطاؤں کی طرح درگذر کی جاتی۔ یہ مشفقانہ عتاب ہی بتا رہا ہے کہ نبوت کی شان جداگانہ ہے۔

سوال: — ایمان کے لیے قرآن نے اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ کیوں فرمایا۔ عقل کی دعوت کیوں دی گئی۔ عقل تو بری چیز ہے سب بزرگ اس کی برائی کرتے چلے آئے ہیں۔ واعظین فرماتے

ہیں عقل سے ایمان نہیں ملتا۔ عقل تو نمرود وشیطان اور ابوجہل کے پاس بہت تھی۔

جواب:۔۔۔ عقل بذاتِ خود بری نہیں بلکہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ عقل سفید کپڑے کی طرح ہے کہ سفید کپڑے کو جیسا رنگ کروگے ویسا وہ ہو جائے گا۔ بعض حکما نے فرمایا کہ عقل مثل ملک کے لیے جیسا اس پر سلطان ہوگا ویسا ملک ہوگا۔ قرآن نے اَفَلَا تَعقِلُوْنَ میں دو باتیں سمجھائی ہیں۔ ایک یہ کہ اے احمقو! تم یہ سمجھتے ہو کہ دین کو عقل سے مت سمجھو، نہیں! عقل کو خوب استعمال کرو۔ اندھے بہرے ہو کر دین مت پکڑو۔ تم نے دین کو اندھے اور بے عقل ہو کر سنا سنایا اسی لیے کافر بت پرست ہو گئے۔ اگر ذرا عقل سے سوچتے تو تم کو اپنی بتوں کی حقیقت کا پتہ چلتا اور ذرے ذرے میں توحید کے جلوے نظر آتے۔ سچا دین عقل کو ناکارہ نہیں کرتا بلکہ عقل کو روشن کرتا ہے اور صرف عقل ہی کیا سارے اعضائے انسانی کو استعمال کا صحیح طریقہ دین ہی سکھاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دین و مذہب کے معاملے میں عقل اپنی مرضی سے استعمال نہ کرو ورنہ حسب سابق (پچھلوں کی طرح) گمراہ ہو جاؤ گے۔ اب میں تم سے کہہ رہا ہوں اَفَلَا تَعقِلُوْنَ میرے کہنے سے عقل استعمال کرو۔ کیونکہ جب عقل نبی کے فرمان سے استعمال کی جائے تو وہی عقل مقامِ صدیقت تک پہنچ جاتی ہے۔ نبوت کسی عضو، کسی نعمت کو ضائع نہیں ہونے دیتی اور نہ ہی اس کا غلط استعمال۔ فرمایا جارہا ہے کہ ابھی تک تم نے اپنی عقلیں دولت کمانے، ظلم، چوری، فریب کرنے میں استعمال کی یہ غلط استعمال ہے۔ عقل کو صرف دین اور علم دین کے لیے استعمال کرو۔ اس سے معرفتِ الٰہی حاصل کرو۔ دنیا کی دولت تو تم کو خود رب ہی عطا فرمادے گا۔ وہی اصل کارساز ہے۔ بندہ نواز ہے۔

سوال:۔۔۔ قومِ لوط پر ملائکہ نے جاتے ہی فوراً عذاب کیوں نازل کر دیا۔ پہلے لوط علیہ السلام کے گھر مہمان بنکر کیوں گئے۔ جس طرح پچھلی سرکش نافرمان اور باغی قوموں پر ایک دم فرشتوں نے عذاب نازل کر دیا، ایسا یہاں بھی کر دینا چاہیے تھا۔

جواب:۔۔۔ اس کی وجہ تفسیر جمل نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ پچھلی امتوں پر عذاب صرف ان کے کفر اور گستاخی انبیائے کرام کی وجہ سے آئی جو ہر وقت ان کے ساتھ ظاہر تھا لیکن

قومِ لوط پر تین وجہ سے عذاب آیا۔ ایک کفر، دوسرا وجہ گستاخی نبوت، تیسری وجہ بدفعلی لواطت اس لیے ان کو تین چیزوں کی سزا ملنی تھی۔ دو جرموں پر عذاب اور تیسرے جرم بدکاری پر شرعی تعزیر۔ اور شرعی تعزیت کے لیے جرم کی شہادت ضروری ہے۔ اس لیے پہلے لوط علیہ السلام کے گھر جا کر ان کی گواہی لی۔ پھر جب قوم کو ان کے مہمانوں کا پتہ لگا تو وہ دوڑ کر آئے اور حضرت لوط سے بات چیت کی تو فرشتوں کو مجرم کا بحالتِ جرم مشاہدہ بھی ہو گیا اور اقراری گواہی بھی مل گئی کہ انہوں نے بے غیرتی دکھاتے ہوئے کھلم کھلا جرم کا اقرار کیا جس سے شرعاً تعزیر واجب ہو گئی اور یہ گواہی علم ملائکہ کے لیے نہیں تھی بلکہ قانونِ شریعت کو پورا کرنے کے لیے تھی۔ یہی رب تعالیٰ کا حکم تھا اسی لیے ان کو خوب صورت لڑکوں کی شکل میں بھیجا گیا۔

سوال:—— لواطت کرنا اور اس کی سزا و تعزیر شرعی جرم ہے۔ شریعت کے احکام تو صرف مومنوں پر جاری ہوتے ہیں کافر ان کے پابند و مکلّف نہیں ہوتے تو حضرت لوطؑ ان کو اِس بدکاری سے باز رہنے کی تکلیف کیوں دیتے رہے اور رب تعالیٰ ان کو اس جرم کی سزا کیوں دے رہا ہے۔

جواب:—— شریعت کے قانون تین قسم کے ہیں ۱. عقائد، ۲. معاملات، ۳. عبادات۔ کافر صرف عبادات کا مکلّف اور پابند نہیں باقی پہلے دو کا مکلّف ہے۔ لواطت معاملات و حقوق العباد کا مجرم ہے۔ اس لیے ان کو دینوی سزا ملی۔ یہاں اخری سزا ان کو صرف کفر کی ہو گی۔

سوال:—— قوم کی بدتمیزی، بے حیائی، بے غیرتی کو دیکھ کر حضرت نبی لوط علیہ السلام نے موت کی تمنا کی حالانکہ شریعت کا قانون ہے کہ موت مانگنا حرام ہے تو حضرت لوط نے موت کیوں مانگی۔

جواب:—— موت نہیں مانگی بلکہ موت کی تمنا کی وہ بھی زمانۂ ماضی میں۔ یہ تمنا جرم نہیں جیسا کہ حضرت مریم نے کہا تھا ہائے کاش! اس سے پہلے میں مر گئی ہوتی۔ یہ بھی تمنائے موت تھی مگر حرام نہیں۔ زمانۂ حال یا زمانۂ مستقبل کی تمنائے موت حرام ہے۔ جیسے کہ کاش میں مر جاؤں یا مجھے موت آ جائے اسی کو دعائے موت کہتے ہیں یہ حرام ہے۔

سوال:۔۔۔ حضرت لوط نے کفار کی طاقت وقوت دیکھ کر یہ تمنا کیوں کی کہ کاش مجھ کو بھی طاقت وقوت ہوتی۔ جسمانی طاقت دنیاوی چیز ہے اور دنیاوی چیز پر حسد یا رشک حرام ہے دامنِ نبوت اس سے پاک ہونا چاہئے۔

جواب:۔۔۔ کفار کی طاقت دیکھ کر یہ تمنا نہ کی تھی بلکہ کفار کی بے غیرتی، بے حیائی و بدتمیزی دیکھ کر اسلام کے غلبے کے لیے یہ تمنا کی کہ کاش مجھ کو طاقت ہوتی تو میں اسی وقت تم کو یہاں سے بھگا کر شرعی قانون کی حفاظت کرتا کہ مہمانوں کی حفاظت شریعت کا حکم ہے۔ رہا قوم کے تعاون کی تمنا تو یہ اسلامی غلبے کے لیے ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔ دین وایمان کے لیے دولت، طاقت، سلطنت، حکومت کی تمنا کرنا بلکہ مطالبہ کرنا جائز ہے۔

سوال:۔۔۔ کیا وجہ ہے کہ فرشتے جب لوط علیہ السلام کے یہاں آئے تو اپنی شکلوں کو بدل کر آئے۔ اپنی اصلی صورت میں کیوں نہ آئے۔ یہ تو ایک طرح کا دھوکہ دینا ہوا۔ دھوکہ دینا بھی بدترین گناہ اور جرم ہے۔ فرشتے معصوم ہیں تو یہ گناہ ان سے کیوں سرزد ہوا۔

جواب:۔۔۔ قانونِ شریعت کے مطابق نیک مسلمان کو اس طرح دھوکہ دینا کہ اس کا نقصان ہو یہ جرم اور گناہ ہے اور اسی کو دھوکہ کہا جاتا ہے۔ ان فرشتوں کے بھیس بدلنے سے انبیائے کرام کو کچھ نقصان نہ ہوا بلکہ فائدہ ہوا کہ دشمنوں کو ختم کیا گیا اور کفار و مشرکین موذی اور ظالموں کو دھوکہ دینا جائز ہے بلکہ ثواب ہے۔ جیسے کہ پولس مجرم کو پکڑنے کے لیے وردی اتار دیتی ہے یہاں تک کہ مجرم جرم میں اپنے ہاتھ رنگے ہوتا ہے کہ وہ پکڑا جاتا ہے اسی کو کہتے ہیں رنگے ہاتھوں پکڑے جانا۔ یا مجرم کا جرم ثابت کرنے کے لیے خفیہ پولیس بنائی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میدان جنگ میں دھوکے جائز ہیں۔

سوال:۔۔۔ اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے کہ نبی کی بیوی فاحشہ، بدکارہ، زانیہ نہیں ہوسکتی مگر حضرت نبی لوط علیہ السلام کی بیوی فاحشہ بدکارہ ہوئی اسی لیے اس کو بھی تمام کافروں کی طرح سزا ملی۔

جواب:۔۔۔ واقعی نبی کی بیوی بدکارہ، فاحشہ، زانیہ نہیں ہوسکتی۔ حضرت لوط کی بیوی

فاسقہ تھی کہ وہ فاسقوں کی مدد کرتی تھی ورنہ خود اس کا نہ کوئی گناہ ثابت نہ زنا اور سزا کے ایک ہونے کی وجہ فاسق باغی قوم کی محبت ہے۔ سزا کے ایک ہونے سے جرم کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اسلام میں بہت سی جرموں کی سزا کوڑے ہین۔ اسی طرح قتل کی سزا بھی قتل ہے، ماہِ رمضان کی بے حرمتی کرنے والے، اغلام بازی کرنے والے اور بغاوت کرنے والے کی سزا بھی قتل ہی ہے۔

سوال:— قرآن مجید میں جہاں کہیں نماز کا ذکر آیا ہے وہاں ساتھ ہی ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے اور چند جگہ نماز کے ساتھ ساتھ صبر کا بھی ذکر آیا ہے تو نماز، زکوٰۃ اور صبر میں کیا تعلق ہے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کا ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

جواب:— اللہ تعالیٰ نے انسانی بقا کے لیے تین چیزیں پیدا فرمائیں۔ دو داخلی اور ایک خارجی۔ داخلی جسم ظاہر اور قلب ہے۔ خارجی چیز مال و دولت۔ یہ تینوں چونکہ اللہ کی طرف سے عین نعمت ہیں لہٰذا اللہ کا شکریہ ان تینوں ہی سے ادا ہوتا ہے۔ مال و دولت کا شکریہ زکوٰۃ سے، بدن کا شکریہ نماز سے، قلب کا شکریہ صبر سے۔ کیونکہ صبر دلی ارادے کا نام ہے۔ دل کی نیت پر ہی صبر کا دارومدار ہے۔ اس لیے ان تینوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ تینوں ہم مثل ہیں کہ دل کی زکوٰۃ صبر ہے، بدن کی زکوٰۃ نماز ہے، مال کی زکوٰۃ خیرات ہے۔ اسی طرح مال کا صبر زکوٰۃ دینا ہے کہ مال والا بہت صبر کے ساتھ اپنے محنت و مشقت سے کمائے ہوئے سال کو اپنے ہاتھوں سے غریب کو دیتا ہے۔ بدن کا صبر نماز پڑھنا ہے کہ مسلمان پانچ وقت اپنی دنیائے کاروبار آرام نیند اور تمام چیزوں سے ایک دم منہ موڑ کر رب کی طرف رجوع کرتا ہے جو نفس پر بہت بھاری ہے اور دل کا صبر رضائے رب کی نیت سے راہِ خدا کی ہر مصیبت کو برداشت کرنا ہے چونکہ ہر طرح ان تینوں عبادتوں کا آپس میں خواص تعلق ہے اس لیے ان کا ذکر بھی ساتھ ہوتا ہے اور پھر ان تینوں عبادتوں کا قبول ہونا بھی ایک دوسرے کے ادا پر موقوف ہے کہ تارک نماز زکوٰۃ کی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ اس کو صبر کی عادت ہوتی ہے۔ اسی طرح بے صبر آدمی زکوٰۃ اور نماز سے گھبراتا ہے اور زکوٰۃ نہ دینے والے کا دل سخت متکبر اور شرکس

ہو جاتا ہے۔ وہ نمازیوں میں بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ ان وجوہ سے ان تینوں عبادتوں کا ذکر ساتھ میں رکھا گیا۔ بندہ کامل تبھی بنتا ہے جب تینوں عبادتیں کرے۔

سوال:۔۔۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو شب قدر میں خواب آئی۔ حالانکہ اس وقت شب قدر کہاں ہوتی تھی۔ یہ تو مسلمانوں کے لیے اس اسرائیلی کے مقابل بنائی گئی جو ہزار سال عبادت کرتا رہا۔

جواب:۔۔۔ مسلمانوں کے لیے صرف اس کا ثواب بتایا گیا ہے ورنہ یہ رات حضرت آدم سے ہی چلی آ رہی ہے۔ اسی رات حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے اور نور محمدی حضرت آدم علیہ السلام کو نظر آیا اور اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائے۔ اب بھی کئی صالحین، بزرگانِ دین کو اسی رات میں نور محمدی نظر آتا ہے۔ یہ ایک قول ہے۔

سوال:۔۔۔ تمام مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے مگر بعض علما اور فقہا کہتے ہیں کہ نبی نہیں تھے۔ اس فرق کی وجہ کیا اور حقیقت کیا۔

جواب:۔۔۔ تمام مفسرین نہیں بلکہ چند ایک نے ایسا کہا ہے مگر یہ بالکل غلط ہے کیونکہ انبیائے کرام شروع ہی سے معصوم ہوتے ہیں اور معصوم گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ ان میں قدرتِ گناہ کا مادہ ہی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ان کے بھائیوں سے خطائیں سرزد ہوئیں جو منصب نبوت کے منافی ہے۔ لہٰذا یہ صحابیت کے درجے پر ہی ہیں اور ہدایت کے تارے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ آل سے مراد انبیا بنی اسرائیل ہیں کیونکہ وہ سبھی اولادِ یعقوب ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اصل نام اسرائیل ہے اور چونکہ آپ اپنے بھائیوں میں سب کے بعد پیدا ہوئے اس لیے آپ کو یعقوب کہا گیا (یعقوب کا مادہ عقب ہے یعنی پیچھے آنے والا) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کے بیٹے بھی بعد میں نبی بنائے گئے اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کب بنائے گئے۔ سجدۂ یوسفی تک نبوت ثابت نہیں۔ ابھی تک وہ جرم کرتے ہی چلے آ رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ قرآن کے دلائل اور سیاق و سباق نے ثابت کر دیا کہ برادرانِ یوسف نبی نہ تھے رہا بعض مفسرین کا یہ کہنا کہ وہ نبی تھے چشم پوشیوں میں سے ایک چشم پوشی ہے۔

سوال:۔۔۔اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں بڑے اہم واقعات آئے ہیں جن میں عورتوں کا ذکر ہے مگر بجز حضرت مریم کسی عورت کا نام کا ذکر نہیں، زلیخا کا نام بھی نہیں آیا حالانکہ ایک طویل داستان ہے جس کو قرآن نے بیان کیا۔

جواب:۔۔۔اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ عورتوں کو پردے میں رکھا جائے۔ یہاں تک کے نام بھی عورت یعنی پردہ بنا رہے اور یہ سب بندوں کو سبق سکھایا گیا کہ اے بندو، عورتو مردو خبردار اپنی عورتوں کو ظاہر نہ کرنا جسم تو درکنار نام تک اخبار و رسائل میں ظاہر نہ کرنا یہ صنف نازک پردے میں رہنے سے ہی اچھی لگتی ہے یہ اشارۃً امر استحبابی ہے۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا نام دو وجہ سے ظاہر فرمایا گیا۔ ایک تو حضرت عیسیٰ کی وجہ سے یہ بتانے کے لیے کہ یہ عیسیٰ بغیر باپ محض ہماری قدرت سے وسیلۂ مریم پیدا ہوئے اور نبوت کو مریم کی طرف نسبت کرنے کی بنا پر فرمایا گیا عیسیٰ ابن مریم۔ دوسری وجہ یہ کہ حضرت مریم کو عیسائیوں نے معاذ اللہ خدا کی بیوی کہنا شروع کیا تو ان کی بندی اور مخلوق ہونا اہتمام سے رب تعالیٰ نے ذکر فرمائی۔ لہٰذا نام ظاہر کرنا ضروری تھا تا کہ مریم کے بندہ ہونے میں شک وشبہہ نہ رہے۔

سوال:۔۔۔جب زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو دعوتِ گناہ دی تو آپ نے صاف لفظوں میں انکار نہ کیا بلکہ تین جواب دیئے (۱) معاذ اللہ، (۲) بے شک وہ میرا اللہ میرا رب ہے یا تیرا خاوند میرا مُربی ہے (۳) بے شک میرا اللہ ظالموں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ زلیخا سے یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی صاف صاف انکار کر دیتے اس کی وجہ کیا۔

جواب:۔۔۔ آپ نے صرف انکار ہی کرنا پسند نہ کیا بلکہ انکار کے ساتھ ساتھ وجہ انکار بھی بتائی اور اپنی قوت وطاقت بھی بتائی اور اس کو روکنے کی تلقین بھی فرمائی۔ معاذ اللہ کہہ کر یہ بتایا کہ اگرچہ تو حکومت اور لشکروں والی ہے مگر مجھ پر غلبہ نہیں پا سکتی کیونکہ میں رب العلمین احکم الحاکمین کی پناہ میں ہوں میری طاقت تجھ سے زیادہ ہے۔ دوسرے میں اشارہ کیا کہ میں لشکر گذار بندہ ہوں ناشکرا و خائن نہیں اس وجہ سے میں تیری دعوت قبول نہیں کر سکتا۔ تیسرا جواب دے کر تبلیغ فرمائی کہ یہ سراسر ظلم ہے۔ میں تو اس سے بچا ہی ہوا ہوں تو بھی بچ جا۔ یہ فائدے

مند اشارے صرف انکار میں نہ ملتے۔ یہود و نصاریٰ نے آپ کے کردار پر بہت خبیث بکواس کی ہیں۔ قرآن پاک نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی عزت و عظمت کو محفوظ کیا ہے اور فرمایا کہ نبی تمام گناہوں سے محفوظ ہوتا ہے۔ نبی کے پاس اچھائی ہی اچھائی ہوتی ہے اور جو نبی سے دور ہو اس کے پاس صرف برائی ہی برائی ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ حضرت زلیخا، حضرت آسیہ بلقیس اور حضرت خدیجہ الکبریٰ یہ سب کے سب کنواری ہی رہیں بجز آسیہ کے سب انبیائے کرام کی امانتیں تھیں اس لیے ان چاروں کے شوہر نامرد تھے۔

سوال:— غیر محرم اجنبی عورتوں کو اپنا جلوہ دکھانا حرام ہے اور ان کو دیکھنا بھی گناہ ہے پھر یوسف علیہ السلام نے اپنا دیدار انہیں کیوں کرایا۔ (آریہ)

جواب:— اوّلاً تو اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن معجزہ تھا اور معجزہ دکھانا جائز ہے۔ دوم یہ کہ رغبت اور اپنی طرف مائل کرنے کے لیے دکھانا حرام رعب پیدا کرنے کے لیے دکھانا جائز ہے اسی لیے حسنِ یوسف کو دیکھ کر عورتیں مرعوب ہوگئیں نہ کہ راغب ہوئیں۔ سوم اس لیے کہ زلیخا نے کہا تھا اور مقصد ان کا طعنہ و گھمنڈ توڑنا تھا۔ نبی کے لیے ان عورتوں کے دل میں غلامیت کی جو غلاظت تھی اس کو دور کرنا مقصود تھا اور ان کے منہ سے کہلوانا تھا کہ تم نے پہلے جس کو غلام کہا اسی کو اب اپنے ہی منہ سے فرشتہ کہہ کر اس کی ثناخوانی کرو۔ یہ بھی تبلیغ دین ہے کیونکہ انبیائے کرام کی تعریف خدا کی تعریف ہے۔ ان کی رضا خدا کی رضا ہے۔ ان کی اطاعت و فرمانبرداری خدا کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

سوال:— مصر کی عورتیں تو کافرہ تھیں پھر انہوں نے "حَاشَا لِلّٰهِ" اور "مَلَكٌ كَرِيم" کیوں کہا ان کو خدا اور فرشتوں کا کیا پتہ۔

جواب:— یا محض رسمی اور رواجی طور پر سن سنا کر۔ جس طرح بہت عیسائیوں اور ہندوؤں کو اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے اور نام لیتے دیکھا ہے اور اسلامی سلام کرتے دیکھا ہے یا اس لیے کہ بت پرست کافر خدا کو بھی مانتے ہیں اور بتوں کو بھی مانتے ہیں۔

سوال:— عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرشتوں سے مشابہت کیوں دی اور

بشریت کی نفی کی حالانکہ انسان زیادہ خوب صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی قرآن میں فرمایا ہے لَقَدْ خَلَقنَا الانِسَانَ فِي اَحسَنِ تَقوِيم ط ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا۔

جواب:— ہر انسان خوب صورت نہیں اور ہر فرشتہ ایک جیسا نور ہے اور یہ تشبیہ دیکھ کر نہیں تھی صرف سنا سنائی اور خیال کے مطابق تشبیہ تھی۔ جیسے آج ہم کسی خوب صورت عورت کو پری کہہ دیتے ہیں حالانکہ پری کو ہم نے دیکھا نہیں ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام میں عورتوں کو تین چیزیں ظاہر ہوئیں (۱) جلال (۲) جمال (۳) بھولا پن معصومیت۔ اس لیے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ گنہگار نہیں یا غلام نہیں ہو سکتا کیونکہ غلام میں جلال نہیں ہو سکتا اور گنہگار میں بھولا پن و معصومیت نہیں ہو سکتی اور انہوں نے سن رکھا تھا کہ فرشتے معصوم ہوتے ہیں اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ان عورتوں نے مَلِكٌ كَرِيم ط کہا۔

سوال:— ایک ہی بار حسنِ یوسفی کو دیکھ کر عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے زلیخا نے کیوں نہ کاٹے نہ ہی کسی مرد نے کاٹا۔

جواب:— زلیخا نے جب سے عشق کیا تھا کبھی چھری استعمال نہ کی (امام غزالی)۔ دوسرے یہ کہ زلیخا نے اپنا قلب وجگر کاٹ لیا تھا ان کو ہاتھ کاٹنے کی فرصت کہاں۔ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ظاہر کو ظاہری آنکھ سے دیکھا اس نے ظاہری جسم یعنی ہاتھوں کو کاٹا اور جس نے باطن کو دیکھا یا باطنی نگاہ سے دیکھا اس نے باطنی جسم یعنی جگر اور قلب کے ٹکڑے کیے۔ اور عورتیں جمال دیکھ کر وارفتہ اور عاشق ہوتی ہیں مگر مرد کمال دیکھ کر عاشق ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف کے پاس جمال تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کمال تھا۔ عورتیں فریفتہ اور عاشق ہوتی ہیں تو ہاتھ کی انگلیاں کاٹتی ہیں مرد وارفتہ اور عاشق ہوتے ہیں تو سر کاٹتے ہیں۔ جمال والے کو دیکھ کر عشق پیدا ہوتا ہے مگر کمال والے کے نام پر ہی کروڑوں عاشق جانباز بن جاتے ہیں۔ ایک روایت اور تحقیق کے مطابق محدثین کرام و

مفسرین عظام نے فرمایا کہ اللہ نے جب حسن کو پیدا کیا تو اس کے ہزار ٹکڑے کیے اس میں سے 999 ٹکڑا اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا۔ بقیہ ہزار میں ایک ٹکڑا بچا تو اس ایک میں پھر ہزار ٹکڑے کیے اور نو سونناوے ٹکڑے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا اور ایک ٹکڑے کو پوری دنیا کے انسانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس سے آپ حسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ لگاؤ۔ خدا کی قسم جو میرے سرکار کو ایک بار دیکھ لیتا تو وہ بار بار دیکھنے کی تمنا کرتا۔

وہ حسن ہے اے سید ابرار تمہارا
اللہ بھی ہے طالب دیدار تمہارا

سوال:— علما اور فقہا اپنی تحریر اور تقریر میں اپنا تعارف کرتے ہوئے لکھتے اور کہتے ہیں کہ میں عالم ہوں، مفتی ہوں، شیخ الحدیث ہوں، شیخ الجامعہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یہ خودستائی ہے یعنی اپنے منہ سے میاں مٹھو بننا یہ کہاں تک درست ہے (جہلا)

جواب:— اپنا تعارف جب کہ قوم کی اصلاح کے لیے ہو تو جائز بلکہ واجب ہے۔ عالم کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں عالم ہوں، مفتی ہوں، شیخ الحدیث ہوں، سند یافتہ ہوں تاکہ لوگ اس سے دینی مسائل پوچھیں اور اسلام کی بات پر اعتماد کریں۔ بشرطیکہ نیت میں تکبر غرور، ریاکاری، دکھاوا، بڑائی اور ادب و تعظیم کرانا مقصود نہ ہو اور اگر یہ ارادہ ہوا اپنی برتری ثابت کرنا، دنیاوی نعمت تو تعارف حرام ہے۔ صوفیائے کرام کے لیے اپنا تعارف حرام ہے خواہ نیت میں تکبر ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ شریعت ظاہر کرنے کے لیے ہے اور طریقت چھپانے کے لیے لہٰذا کسی صوفی کو یہ جائز نہیں کہ وہ یہ کہتا پھرے میں پیر ہوں ولی ہوں۔ غوث وقطب ہوں، ہاں جب کہ کفرستان میں ہوا اور الہام سے اظہار و تعارف کا حکم ملے تب جائز ہے جیسے کہ قصیدہ غوثیہ میں تعارف ہے۔ سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا تعارف پیش کیا ہے۔

انا جیلی محی الدین اسمی
واعلامی علیٰ راس الجبالہ

سوال:— مفسرین حضرت نبی شعیب علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ نابینا

تھے حالانکہ مذہب اہل سنت یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام عیب سے پاک ہوتے ہیں اور کوئی نبی پیدائشی نابینا نہ ہوئے نہ ہی کسی معیوب بیماری میں مبتلا ہوئے۔ جب کہ حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال تک مرضِ کوڑھ میں مبتلا رہے تو یہ مطابقت کیونکر۔ (جہلا طبقہ)

جواب:— ایسا حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے امتحاناً ہوا تھا مگر کوڑھ نہیں بلکہ ایک قسم کا آپ پورے بدن میں زخم و آبلہ پڑ گیا تھا۔ ایسی گھن اور خبیث بیماریوں کو نبی کی طرف منسوب کرنا کفر اور گستاخی ہے۔ ان مفسرین کا قول بالکل غلط ہے جنہوں نے حضرت شعیب کو نابینا لکھا ہے۔ مسلک اہل سنت برحق ہے یہ حقیقت ہے کہ کوئی نبی نابینا نہ ہوئے اور نہ ہی کسی گِھن والی بیماری میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مبتلا کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں میں حضرت یوسف کی جدائی میں رونے کی کثرت سے موتیا اتر آیا تھا۔ رواجی و اصطلاحی طور پر بھی اس کو نابینا نہیں کہا جاتا۔ کتب تفاسیر میں ایک حدیث غیر مشہورہ بروایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شعیب علیہ السلام عشق الٰہی میں بہت روئے تو رونے کی وجہ سے آپ کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی مگر کچھ دن بعد فضل الٰہی سے لوٹ آئی۔ مختصر یہ کہ حضرت شعیب نابینا نہیں تھے اور کوئی نبی پیدائشی طور پر نابینا نہیں کیونکہ یہ سب عیب میں شمار ہے اور انبیائے کرام تمام عیوب و نقائص سے بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ ہوتے ہیں۔ دنیا کے تمام انسانوں کو اللہ نے حکم دیا کہ اے انسانوں تم عیب کے پاس مت جانا مگر یہاں اللہ تعالیٰ نے عیب کو حکم دیا کہ اے عیب تو میرے نبیوں کے پاس مت جانا۔

سوال:— دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں مشغولیت انبیائے کرام کی خصوصی شان ہے پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے طلبِ حکومت کیوں کی کہ یا اللہ مجھ کو زمین کے خزانوں کا حاکم بنا دے۔

جواب:— دو وجہ سے ایک یہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے تمام اقوال و افعال خالص اللہ کے لیے و منفعت دینی اور تمام بندگانِ خدا کے اصلاح کے لیے ہوتے ہیں۔ طلب حکومت دینوی اغراض و مقاصد کے لیے حرام لیکن اشاعتِ دین کے لیے جائز بلکہ فرض ہے۔

دوسرے یہ کہ سچا زہد وعبادت یہی ہے کہ ہمہ وقت خدمت دین اور اصلاح انسانیت میں مشغول ہو۔ اولاد بگڑتی رہے تو قوم تباہ ہوتی رہے پرواہ نہ کرے اور خود قائم اللیل (رات بھر نماز پڑھنا) صائم الدہر (ہمیشہ روزہ رکھنا) بنا رہے۔ نیک متقی پرہیز گار بن کر بیٹھا رہے اور دوسروں کو نیک بنانے کی فکر نہ کرے تو یہ منشائے الٰہی اور تعلیم رسول کے خلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُوا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھلِیکُم نارًا ط۔ خود کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کے آگ سے بچاؤ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا مطالبۂ حکومت یا معرکۂ کربلا کسی خود غرضی کی بنا پر نہ تھا۔ حصولِ اقتدار کے لیے نہ تھا بلکہ اشاعتِ دین اور قوم کی اصلاح کے لیے تھا اور حقیقی عبادت بذاتِ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی توجہ ہی ہے۔ جنگلوں میں بیٹھ جانا زہد وعبادت نہیں بلکہ وہ رہبانیت ہے۔ اسلام قطعی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ لَا رھبانیۃ فی الاسلام اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے بلکہ الدنیا مزرع الآخرت دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا سے الگ تھلگ رہ کر آخرت کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جا سکتا۔

سوال:۔۔۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نیکوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے حالانکہ اجر تو جنتی چیزیں ہیں وہ تو ویسے بھی ضائع نہیں ہوں گی۔ ضائع کا معنی ہے برباد فنا ہو جانا یہاں یہ فرمانا چاہیے تھا کہ ہم اعمال ضائع نہیں کرتے۔

جواب:۔۔۔ ضائع کرنے کا معنی ہے حقدار کے پاس حق۔ ضرورت مند کے پاس ضرورت اور محتاج جس چیز کا محتاج ہے اس کا نہ پہنچنا۔ عمل بندے کا کام ہے وہ اس نے کر لیا اور قبول کرنا یا نہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے تو یہاں بتایا یہ جا رہا ہے کہ قبولیت عمل کی نشان اور علامت ہے عمل کا بدلہ اور بدلہ نہ ملنا اس کا ضائع ہونا ہے اور عمل کا ضائع کرنا یا ہونا اس کا قبول نہ ہونا ہے۔

سوال:۔۔۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الحکم اِلَّا اللّٰہ۔ سب حکم اللہ ہی کا ہے تو پھر اور کسی کو حاکم ماننا شرک ہوا۔ (ملحد بے دین)

جواب:۔۔۔ حکم لفظ مشترک ہے۔ اس کے پانچ ترجمے ہیں۔ (۱) فرمان (۲) فیصلہ

(۳) قانون (۴) اٹل بات (۵) تقدیر الٰہی۔ یہاں لفظ اپنے آخری معنی میں ہے۔ نیز جب حکم کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو مراد ہوتا ہے فرمان دنیا یا کسی جھگڑے کا فیصلہ دینا۔ اور جب حکم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو معنی ہوتے ہیں اٹل بات حتمی اور تقدیری قانون۔ قرآن پاک میں دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اور عام بندوں کے لیے بھی اور اللہ کے لیے بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ حاکم ہونا اللہ کی صفت ہے مگر غیر خصوصی۔ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن مجید نے اور احادیث نے چوبیس عدد اللہ کی صفات نبی کریم و قرآن پاک کو عطا فرمائیں مثلاً کریم، مجید، رؤف، رحیم وغیرہ۔ اسی طرح حاکم بھی دوسروں کی صفت ہو سکتی ہے۔ ہاں خصوصی صفاتِ الٰہیہ کی نسبت کسی اور کی طرف کرنا شرک ہے۔ مثلاً خالق، رازق، معبود رحمان وغیرہ۔

سوال:۔۔۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ وَاَلقینا فِیھاَرَ واَسِیَ ط۔ ہم نے اس زمین میں پہاڑوں کی کیلیں ٹھونک دیں تاکہ تم کو لے کر یہ زمین چل نہ پڑے۔ تو کیا یہ پہاڑ وزمین میں شامل نہیں؟ اور کیا یہ زمین کا جز نہیں غیر ہیں؟ اگر غیر ہیں تو پھر ان میں کھیتی باڑی اور درخت پھل فروٹ غلہ دانہ انسانی رزق کیوں ہوتا ہے جب کہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے زمین سے تمہارا رزق پیدا کیا۔ یہ اعتراض اس لیے ابھرا کہ کیل ٹھونکی جاتی ہے اور کیل لوہے کا ہوتا ہے۔ نیز کیا زمین پہلے پیدا ہوئی اور پہاڑ بعد میں ہوئے یا دونوں ایک ساتھ۔ کیل ٹھونکنے سے ثابت ہوتا ہے کہ پہاڑ بعد میں پیدا ہوئے۔ (فلسفی)

جواب:۔۔۔ پہاڑ زمین ہی کی جنس ہے کیل کا غیر (لوہے کا) ہونا شرط نہیں۔ کیا آپ نے دروازہ بنانے والے بڑھئی کارپینٹر کو نہیں دیکھا کہ جب وہ کواڑ کے ایک پٹ کو جوڑتا ہے تو لکڑی کے دروازے میں لکڑی اور بانس کی کیلیں ہی ٹھونکتا ہے اور لوہار کو نہیں دیکھا کہ لوہے کی دو چادروں کو جوڑنے اور ایک دوسرے کے ساتھ روکنے کے لیے لوہے کی رپٹ ہی ٹھونکتا ہے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے نہ زمین کو روکنے اور ٹھہرانے کے لیے جنس زمین ہی سے پہاڑ کو کھڑا کر دیئے جو زمین کے اندر تک ٹھکے ہوئے ہیں۔ ہاں ان کی نوعیت کچھ سخت ہے جس کو

پتھر کہا جاتا ہے جب کہ زمین کی اصلیت مٹی ہے۔ رہا یہ سوال کہ پہلے کون پیدا ہوا۔ پہاڑ یا زمین۔ تو اس میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے سب زمین بن گئی اور جب اس نے حرکت کی تو اللہ نے اس پر پہاڑوں کو کیل کی طرح ٹھونک دیا جس سے زمین ساکن ہوگئی۔ نیوٹن کی گمراہ کن تھیوری بتاتی ہے کہ زمین متحرک ہے جب کہ قرآن نے اس کو ساکن بتایا۔ قرآن علوم الٰہیہ ہے اور نیوٹن کی تھیوری علم ظنی ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی جس کا نام الفوز المبین فی حرکۃ زمین ہے۔ جس میں آپ نے قرآن و احادیث کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ زمین ساکن ہے متحرک نہیں۔ سنیت کا درد رکھنے والے سرمایہ داروں اور اداروں سے میں بصد احترام گذارش کروں گا کہ وہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی تمام تصنیفات کو ہر زبان میں ترجمہ کرکے منظر عام پر لاویں تاکہ اصل حقائق کا صحیح پتہ چلے۔ یہ بڑی محرومی ہے ہماری کہ ابھی تک سرکار اعلیٰ حضرت کی مکمل تصانیف منظر عام پر ہم نہ لا سکے۔

سوال:—— قرآن نے بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر رنج و غم کا اظہار کرنا کفار و مشرکین کی نشانی قرار دیا ہے کہ بیٹی کی ولادت سے کافروں کی یہ حالت ہوتی ہے حالانکہ ہم نے تو بہت سے مسلمانوں کی بھی یہی کیفیت دیکھی ہے کہ وہ بھی بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر غمزدہ اور افسردہ خاطر ہو جاتے ہیں بلکہ کسی شخص کو بیٹی کی دعا کراتے آج تک نہیں دیکھا ہر شخص بیٹے ہی کی دعا کراتا ہے تو یہاں قرآن نے ایسا کیوں کہا کہ کفار و مشرکین کے یہاں جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو وہ غصہ کھاتے ہیں۔ مرجھائے رہتے ہیں۔ شرم سے منہ چھپائے پھرتے ہیں جب کہ یہ عادت تو مسلمانوں میں بھی ہے۔ (آریہ)

جواب:—— دو وجہ سے ایک یہ کہ موجودہ مسلمانوں نے یہ بری عادت کفار و مشرکین ہی سے سیکھی ہے جیسی کہ اور بہت سی بری رسمیں مثلاً جہیز کی کثرت اور حق مہر کی قلت رشتہ طے ہوتے وقت لڑکی والوں سے ڈیمانڈ وغیرہ حالانکہ اسلام نے بیٹی کی عزت بڑھائی ہے اور حدیث پاک میں بیٹی کو رحمت فرمایا گیا ہے۔ اگر بیٹا نعمت ہے تو بیٹی رحمت ہے اور رحمت کے

بغیر نعمت کا ملنا ناممکن ہے۔اسی طرح اسلام نے جہیز کی قلت اور حق مہر کی کثرت (زیادہ مہر) کی ترغیب دی ہے۔دوسری وجہ یہ کہ یہاں جس غم اور غصے کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ صرف کفار ہی کی حالت اس وقت تھی کوئی مسلمان اگر چہ اپنی بیوقوفی اور نادانی سے لڑکی کی پیدائش پر رنجیدہ ہو جاتا ہے مگر زندہ دفن نہیں کرتا اور نہ ہی بیٹوں کے مقابل بیٹیوں کو ذلیل کرتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی اور وہ محبت سے اپنی لڑکی کو ایک بار دیکھ لیتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں ستر بار کعبہ شریف دیکھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔نیز آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جس کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے اس کی پرورش کی جوان ہونے پر اس کی شادی کر دی تو ایسے شخص پر میری شفاعت واجب ہے اور وہ جنت میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ شہد لوگوں کے لیے شفا ہے حالانکہ صفراوی بخار اور پتے کی بیماری میں شہد سخت نقصان دہ ہے۔اس طرح پچس اور دست کی بیماری میں شہد کھانے سے بیماری زیادہ ہو جاتی ہے تو یہ کیوں کر درست ہوا۔

جواب:— تفسیر کبیر نے جواب دیا کہ یہاں مراد انسان کی وہ چھوٹی موٹی بیماریاں جو اکثر موسم کی تبدیلیوں سے پیدا ہوتی رہتی ہیں مثلاً جاڑا، بخار، نزلہ، کھانسی، دمہ وغیرہ ہیں نہ کہ تمام بیماریاں یا پیچیدہ بیماریاں اس سے مراد نہیں۔لیکن بیمار میں ذرا صبر ہو اور ڈاکٹر حکیم حاذق ہو تو شہد بہت ہی خصوصی اور پیچیدہ امراض میں بھی باعث شفا ہے بلکہ بہت سی گولیوں، دوائیوں، معجونوں میں شہد ہی استعمال ہوتا ہے۔میڈیکل سائنس میں آج بھی شہد کو بہت اہمیت حاصل ہے اور آنکھوں کی روشنی و بیماری کے لیے جتنی بھی دوائیں بنتی ہیں آج بھی اس میں اسّی فیصد شہد ہی کا استعمال ہوتا ہے اور یہ اس لیے باعث شفا ہے کہ جب شہد کی مکھی پھولوں کا رس چوس کر اپنے چھتے میں لگاتی ہے تو درود شریف پڑھتے ہوئے وہ لگاتی ہے۔یہ درود شریف کی برکت ہے کہ اللہ نے اس میں شفا زیادہ رکھا ہے۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ کفار اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں حالانکہ کسی کافر نے

کبھی بھی اللہ کی نعمت کا انکار نہیں کیا۔ ان کا کفر تو صرف یہی ہے کہ وہ بتوں کو پوجتے ہیں۔ بت پرستی کو انکار نعمت کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ بت پرستی ہی انکار نعمت ہے اس لیے کہ جب کافر نے بت کو معبود (عبادت و پوجا کے لائق) سمجھا تو اس کو نفع نقصان کا مالک بھی سمجھا اور نفع بھی نعمت ہے اور قدرتِ نقصان کے باوجود نقصان نہ دینا بھی نعمت ہے۔ تو ایک بت پرستی سے ہزار ہا نعمتوں کو بتوں کی جانب سے ماننا پڑتا ہے اور ان نعمتوں کا اس کے حاصل ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ سے سن کر ہونا پڑتا ہے کہ یہ نفع فلاں بت فلاں دیوی دیوتا فلاں ستارے سے ہم کو حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کی جاتی حالانکہ یہ سب نعمتیں جو کسی بھی وقت کفار کو ملی ہیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں نہ کہ بتوں کی طرف سے۔ اس لیے بت پرستی نعمت الٰہیہ کا انکار ہے اگرچہ کوئی اپنے منہ سے انکاری لفظ نہ بولے۔

سوال:۔۔۔ قرآن نے نیک اعمال کے لیے ایمان کی قید لگائی ہے جس سے ثابت ہوا کہ ایمان کے بغیر اچھے اعمال بے کار ہیں مگر دوسری جگہ قرآن نے فرمایا کہ **فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه** ط یعنی جس نے ذرہ برابر بھی نیک اور اچھا کام کیا تو قیامت میں اس کا بدلہ ضرور پائے گا۔ یہ تضاد کیوں ہے۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ نیک اعمال کے لیے ایمان شرط ہے۔ اسلام کو چھوڑ کر کوئی یہودی عیسائی کافر اور مشرک کتنا بھی نیک عمل کرے سب برباد ہے۔ اچھے اعمال کا ہونا نیکی ہونے کی دلیل نہیں نیک اور مقبولِ بارگاہ عمل اس کو کہا جائے گا جس کے ساتھ ایمان بھی ہو۔ ایمان عمل کے لیے شرط ہے اور شرط ہمیشہ اپنے مشروط کا غیر ہوتا ہے۔ یہ تیسویں پارے کی سورہ زلزلت کی آیت ہے جس میں تین قول ہیں پہلے کہ وہاں مومن اور کافر کا ذکر ہے کہ قیامت میں مومن اپنے اعمال اور کافر اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا۔ مومن کے اعمال خیر ہیں۔ کافر کے اعمال شر (برے) ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہاں نیک اور بد مسلمان کے اعمال کا ذکر ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہاں تمام انسانوں کے اچھے برے اعمال کا ذکر ہے یعنی کافر خواہ مومن جو بھی اچھے کام

کرے اس کا آخرت میں بدلہ ضرور ملے گا مگر کافر کے اچھے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی ہے اور برے کام کا بدلہ آخرت میں مگر مومن کے ہر کام کا بدلہ آخرت میں ملے گا لیکن مذکورہ پہلا قول درست ہے قرآن کی سورہ نحل والی آیت میں اعمال کی قبولیت کا ذکر ہے اس لیے اس آیت کا اس آیت سے کوئی مقابلہ یا تعارض نہیں۔

سوال:—اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور معراج کی رات مکہ مکرمہ سے بیت المقدس آئے پھر وہاں سے آسمان پر معراج شروع ہوئی۔ یہ کیوں نہ ہوا کہ سیدھے مکہ مکرمہ سے ہی معراج ہو جاتی بیت المقدس جانے کی کیا ضرورت تھی۔ (فلاسفر)

جواب:—علمائے کرام کے محاورے میں بیت المقدس تک سیر کو ''اسریٰ'' اور وہاں سے آسمانوں کا سفر، عرش اعظم اور قرب رب میں جانے کو معراج کہتے ہیں اور عام محاورے میں معراج و اسریٰ ایک ہی ہے دونوں میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ سرکار معراج کی رات بیت المقدس کیوں تشریف لے گئے اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ کہ اگر سرکار بیت المقدس پہنچ کر وہاں نماز ادا نہ کرتے تو اس کا تقدس نا تمام و نامکمل رہ جاتا۔ اللہ کو بیت المقدس کا تقدس مکمل کرنا منظور تھا اس لیے سرکار کو پہلے وہاں پہنچایا گیا تاکہ سرکار بیت المقدس میں نماز پڑھ لیں تو اس کا س تقدس مکمل ہو جائے۔ دوسری حکمت یہ کہ تمام انبیا و مرسلین پر سرکار کی فضیلت کا اظہار مقصود تھا اس لیے سرکار ہی کو مجمع انبیا میں بلایا گیا اور سرکار ہی کو امامت انبیا سپرد کی گئی تاکہ سب پر ظاہر ہو جائے کہ خدا کے بعد مخلوقات میں اگر کسی کا مرتبہ ہے تو وہ ہیں ہمارے اور آپ کے سرکار بزم کائنات کے دولھا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ سرکار کو بیت المقدس میں بلا کر تمام انبیا و مرسلین کو بتانا منظور تھا کہ اے نبیو! جس کی نصرت و اعانت (ساتھ دینے اور مدد کرنے) کا یوم میثاق (عالم ارواح) تم سے وعدہ لیا گیا تھا اور تم نے اقرار کیا تھا کہ اگر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے زمانے میں جلوہ فرما ہوں گے تو ہم ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے۔ دیکھ لو وہ جانے پہچانے رسول یہی ہیں جن پر ایمان لانے کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ انہیں اچھی طرح پہچان لو تاکہ

تمہاری بصیرت و بصارت میں خوب اضافہ ہو جائے۔ چوتھی حکمت یہ کہ بیت المقدس تمام انبیائے کرام کی عبادت گاہ رہ چکا ہے۔ اگر بیت المقدس جا کر آپ امامتِ انبیا نہ کرتے تو یہود ونصاری کو طنز وطعن کا موقع ملتا اور وہ کہتے کہ انبیائے کرام کی سرزمین اور عبادت گاہ تو بیت المقدس ہے اگر آپ سچے رسول ہوتے تو آپ کو بھی اس سرزمین اور مسجد سے حصہ ملتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو پہلے بیت المقدس پہنچا دیا اور کفار یہود ونصاریٰ کے طنز طعن کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا۔ پانچویں حکمت یہ کہ بیت المقدس جائے محشر ہے اس لیے حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ سرکار اپنے قدم مبارک سے اسے پامالی کا شرف بخشیں تاکہ سرکار کی قدم پاک کی برکت سے امت پر قیامت کے دن قیام آسان ہو جائے۔ چھٹی حکمت یہ کہ سرکار ایک مدت سے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن اسے دیکھا نہ تھا اب بوقت معراج اسے دکھا بھی دیا گیا تاکہ سرکار دیکھ لیں کہ یہ ہے بیت المقدس۔ ساتویں حکمت یہ کہ بیت المقدس میں انبیا ومرسلین کا عظیم الشان اجتماع ہے۔ ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف فرمانا منظور تھا اس لیے معراج کی ابتدا بیت المقدس سے ہوئی۔ علاوہ ازیں بہت سے حکمت ورموز ہیں جو اس ناچیز بندۂ عاصی الیاس نوری کے احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

سوال:— معراج کی رات میں کتنے انبیائے کرام کی ملاقات ہوئی۔

جواب:— تمام محدثین ومفسرین فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں تمام انبیا تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش جتنے بھی دنیا میں تشریف لائے وہ سبھی بیت المقدس میں تشریف لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دو رکعات ادا فرمائی۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی وامتی بنے۔ پھر چند انبیائے کرام نے بطریقۂ وعظ وتقریر اپنا تعارف پیش فرمایا۔ سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نے سردار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا نعتیہ تعارف پیش کیا اور خاتم النبین امام الانبیا کے لقب سے ذکر کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور متعدد انبیا کرام نے تقریر فرمائی

جس میں سب نے نبی دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نعتِ رسول پڑھنا، انبیائے کرام کی، فرشتوں کی اور خدائے تعالیٰ کی سنت ہے۔ پورا قرآن نبی کے نعتوں کا حسین گلدستہ ہے۔ جس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتوں سے چڑھ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ قرآن پڑھنا چھوڑ دے۔

سوال:۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی بار معراج ہوئی۔

جواب:۔۔۔ مفسرین وشارحین حدیث فرماتے ہیں کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونتیس دفعہ معراج اور عروج کی سعادت نصیب ہوئی۔ گیارہ دفعہ خواب میں۔ گیارہ دفعہ نماز میں اور گیارہ دفعہ بحالتِ بیداری عام بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں۔ ان کا ذکر احادیث مختلفہ مشہورہ میں ہے اور ایک دفعہ جسمانی سیر وسیاحت وروانگی کی معراج بحالتِ بیداری لامکاں تک۔ قرآن مجید کی آیت میں تین جگہ فقط اسی معراج کا ذکر ہے اور بیت المقدس جانا اسی معراج کا حصہ ہے۔

سوال:۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کتنی بار ہوا؟

جواب:۔۔۔ اکثر علما، محدثین، مفسرین، شارحین اور مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ اقدس ایک ہی دفعہ پانچ سال کی عمر شریف میں چاک کیا گیا جسے نوری آپریشن کہیے اور اس میں علم وحکمت، نور ومعرفت، شفقت ورحمت بھر دیا گیا اور نفس امارہ (وہ قوت جو انسان کو گناہوں اور فتنہ فساد کی طرف مائل کرتی ہے) نکال دیا گیا لیکن اس کے علاوہ بھی ایسی روایات ملتی ہیں جنہیں سے معراج کے موقع پر ابتدا معراج میں شق صدر اور قلب مبارک آب زم زم سے دھونے کا ذکر ملتا ہے۔ انہیں روایات کی بنا پر کچھ علما کرام فرماتے ہیں کہ شق صدر (نوری آپریشن) چار مرتبہ ہوا۔ (۱) دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رہائش کے وقت (۲) مکے میں کوہِ صنعا کے پیچھے جب آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی۔ (۳) غار حرا کے پاس جب آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ (۴) معراج کی رات آدھی رات کو مکہ معظمہ میں آب زم زم کے کنویں کے پاس، مگر محققین فرماتے ہیں کہ ظاہری بیداری میں

صرف پہلی بار ہی شق صدر ہوا۔ باقی تین دفعہ خواب میں ہوا۔ اسی لیے بیت المقدس والی معراج کی حدیث میں شق صدر کا ذکر نہیں اور خواب والی معراج کی احادیث میں شق صدر کا ذکر ملتا ہے۔

یہاں پر حضور کو ن والقلم و مایسطرون سے تشبیہ دی چونکہ قلم پر چار مرتبہ چاقو چلتا ہے تب وہ قربِ کاتب میں آتا ہے اسی طرح جب حضور کا چار مرتبہ شق صدر ہوا تب آپ کو قربیت الٰہی کی دعوت دی گئی۔ دوسری بات یہ کہ قلم خود کچھ نہیں لکھتا تاوقتیکہ کاتب نہ ہو کاتب کی حرکت پر قلم متحرک ہوتا ہے، قلم کا سکون و حرکت کاتب کے تابع ہے گویا کہ حضور کی ہر شان پر ادا مقتضائے الٰہی ہے۔ ایسے ہی قلم کا کوئی خاص علم نہیں ہوتا نوکِ قلم پر وہی آتا ہے جو سینۂ کاتب میں ہوگا۔ ایسے ہی قلم جب چار مرتبہ کی مشقت جھیل لیتا ہے تب وہ کاتب کا راز دار بنتا ہے جو کچھ کاتب کے دل و دماغ میں ہوتا ہے قلم اس کا ترجمان ہوتا ہے ایسے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قرب الٰہی کی وجہ سے پروردگار کے راز دار ہو گئے۔ چنانچہ اسی قربت کا نتیجہ ہے کہ شب معراج میں یہ فرمایا گیا وَمَا ینطق عن الھوی اِلا وحی یوحی زبان نبوت ہے مگر کلام الٰہی ہے۔ یہ اسی قربت خصوصی کا نتیجہ ہے کہ سرکار نے اشارہ فرمادیا تو کنکریاں بول پڑیں۔ دیکھو ادائے محبوب کو خدا اپنا فعل قرار دے رہا ہے۔ وَمَارَمَیتَ اذِ رَمَیتَ وَ فلین اللّٰہ رَمٰی۔ یہاں اقرار بھی ہے اور انکار بھی۔ دنیا دیکھ رہی ہے دستِ نبوت کو مگر رب تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اے رسول! جب تم نے کنکریاں پھینکا تو تم نے نہیں پھینکا، یہ کس کا اثر ہے اسی قربتِ الٰہی کا۔ دَنٰی فتد لٰی فکاد قاَبَ قوسین اَواَدنیٰ۔ بیعت رضوان کے موقع پر رب تعالیٰ نے یہ فرمایا یداللہ فوق ایدیھم۔ صحابہ کرام کے ہاتھوں پر رسول کا ہاتھ تھا مگر اللہ فرماتا ہے ان لوگوں کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

سوال:۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرانے کی حکمتیں اور وجہ کیا ہے۔ کیوں معراج کرایا گیا۔

جواب:۔۔۔ ویسے تو ہزار ہا حکمتیں اور وجہیں معراج کرانے میں ہیں لیکن اصل اور حقیقی

حکمت ومقصد معراج پر بلانے کا صرف اور صرف دیدار الٰہی کرانا تھا اور اپنی ذات کو بے حجاب دکھانا تھا۔ اس کے علاوہ جنت ودوزخ، لوح وقلم، عرش وکرسی، انبیائے کرام اور جبریل ومیکائل وملائکہ مقربین کو دیکھنا محض ضمنی چیز تھی اس لیے کہ یہ تمام چیزیں اور ملاقاتیں سب کچھ کئی مرتبہ زمین پر بھی حاصل ہو چکی تھی۔ چنانچہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ بحالتِ نماز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت دیکھی بلکہ وہاں کے پھلوں کے گچھے کو بھی پکڑ لیا اور توڑنا چاہا۔ ابوداؤد شریف میں بھی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے جہنم کو بھی دیکھا اور فرمایا وہاں عورتیں زیادہ ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ میں حوض کوثر کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں اور زمین کے خزانوں کی چابیاں بھگو دی گئیں۔ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے کہ آج میں نماز پڑھ رہا تھا تو رب تعالیٰ کی آواز مجھ کو آئی اور میں نے اللہ کی آواز سنی۔ رب نے فرمایا: اے محمد میرے محبوب! کیا تم جانتے ہو کہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے کس بات پر جھگڑتے ہیں؟ عرض کیا مولیٰ نہیں تو رب نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا جس کی ٹھنڈک اور لذت میں نے اپنے سینے کے اندر تک محسوس کی اور جو کچھ زمین وآسمان میں ہے وہ سب کچھ میں نے جان لیا۔

عن عبدالرحمن بن عائشة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: رأیت ربی فی احسنِ صورتی فوضع کفه بین کتفی فوجدت بردها بین ثدّی فعلمت مافی السموات و الارض۔ مختصر یہ کہ حضور نے اسی زمین پر رہتے ہوئے قدرت الٰہیہ کی ہر چیز کو دیکھ لیا اور یہ تمام چیزیں تو ابراہیم، موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام نے بھی دیکھیں۔ لوح محفوظ اولیاء اللہ نے کئی مرتبہ دیکھا۔ اگر معراج فقط انہیں چیزوں کو دیکھنے کے لیے ہوتو اتنا اہتمام کر کے بلانے کی ضرورت نہ تھی۔ ماننا پڑے گا کہ معراج کا اصل مقصد وحکمت لامکاں پر بلا کر دیدار الٰہی کرانا تھا۔ باری تعالیٰ کا دیدار ہی ایسی چیز ہے جس کا نظارہ زمین کے کسی علاقے پر بحالت بیداری نہیں ہوسکتا تھا۔ معراج کی دوسری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو بلند فرمایا اور بلند وہ ہوتا ہے جس سے کوئی اونچا نہ ہو اس لیے عملی ثبوت کے لیے لامکاں پر بلایا اور حور وغلماں فرشتوں کی زبان سے آپ کی آمد کا چرچا کرایا۔ تیسری وجہ معراج

کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں کا خالق ہے اور حضور بعطائے رب دونوں جہانوں کے مالک ومختار ہیں۔لہٰذا وہ تمام ملکیت معراج کی رات دکھائے گئے۔چوتھی وجہ یہ کہ تمام انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کا شرف حاصل ہوا لیکن فرق سے وحی کے ذریعے سے فرشتہ بھیج کر، بغیر وحی، بغیر فرشتہ، بلاواسطہ بغیر رویت کے پردے میں سے صرف آواز سے کلام فرمایا۔آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ حضرت کلیم سے افضل ہیں اس لیے آپ کو تین قسم کے کلام تو زمین پر ہی سنائے۔چوتھی قسم کا کلام آپ کو خصوصی طور پر سنانا تھا اس کے لیے زمین ناکافی تھی اس لیے لامکاں پر بلاکر بلاحجاب کلام سنایا۔پانچویں حکمت معراج کرانے کی یہ ہے کہ ذات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کمالاتِ قدرت اور کارخانۂ فطرت کا بے مثل اعلیٰ نمونہ ہیں اور نمونہ سب کو دکھایا جاتا ہے اور جس کو دکھانا مقصود ہو اس کو اونچی بلندی پر بٹھایا جاتا ہے تاکہ سب دیکھ لیں اس لیے معراج کی انتہائیوں پر بلایا کہ عرش وفرش، لوح وقلم اور زمین وآسمان پر رہنے والو! دیکھو، میرے محبوب کو اور جی بھر کے دیکھو۔کون ہے تم میں سے اس کی مثل۔چھٹی حکمت یہ کہ حضور اللہ تعالیٰ کے شاہد یعنی گواہ ہیں اور آپ کی ذات پر گواہی ختم کرنا ختم الرسل بنانا تھا اس لیے شب معراج میں بلاکر ہر چیز کے علاوہ اپنے ذات کا بھی مشاہدہ ودیدار کرادیا تاکہ دیکھی ہوئی گواہی ہوجائے اور پھر کسی گواہ یا گواہی کی ضرورت نہ پڑے۔ساتویں حکمت یہ کہ مسجدِ حرام (مکہ شریف) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس فلسطین) تک براق کی طاقت کا مظاہرہ کرایا گیا۔آسمانوں پر انبیائے کرام کی طاقت کا مظاہرہ ہوا کہ انبیائے کرام مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھ کر رخصت ہوکر آسمانوں پر براق سے پہلے پہنچ گئے۔سدرہ سے آگے لامکاں تک نبی دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت کا ثبوت دکھایا گیا کہ انبیا جبریل میکائیل براق سب پیچھے رہ گئے۔ملکیت سُنیت کے تاجدار امام احمد رضا قادری محدث بریلوی فرماتے ہیں:

دولھا سے اتنا کہہ دو پیارے سواری روکو
مشکل میں ہیں براتی پر خار وادیٔ ہیں

سوال:۔۔۔ جسمانی معراج ناممکن اور محال ہے کہ بشر اور انسان کی طاقت نہیں کہ وہ

آسمانوں پر جا سکے۔ (مادہ پرست فلاسفر)

جواب:— آپ کا سوال درست ہے واقعی کوئی عام انسان آسمانوں پر نہیں جا سکتا۔ جناب والا آپ کی یہی بات معراج جسمانی کی دلیل بن گئی۔ اس لیے کہ معراج جسمانی معجزہ ہے۔ اور قدرت کی عجیب تر نشانی ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے اس کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے سفر معراج کو سبحان الذی سے شروع فرمایا۔ معجزہ ہونا ہی وہی ہے جو عام بشر کی طاقت سے محال ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اسریٰ'' یعنی جانے والا خود نہیں گیا بلکہ اللہ لے گیا۔ جب لے جانے والے کی طاقت وقوت معلوم ہو جاتی ہے تو جانے والے پر تعجب نہیں کیا جاتا مثلاً اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ ریل کے پچاس ڈبوں کو ایک انجن کھینچے لیے جا تا تھا تو آپ کو کوئی تعجب نہیں ہوگا کیونکہ انجن میں پچاس ڈبوں کو کھینچ جانے کی طاقت وقابلیت آپ کو معلوم ہے اس لیے آپ کو تعجب نہیں ہوا۔ لیکن اگر وہی شخص آپ سے یوں کہے کہ ارے میاں ایک چوہے کی دُم سے ریل کا ڈبہ بندھا ہوا تھا اور وہ اسے کھینچے لیے جا رہا تھا تو اب آپ کو تعجب ہوگا اس لیے کہ ریل کے ڈبوں کو آپ جانتے ہیں کہ اس میں حرکت قبول کرنے اور کھینچے جانے کی صلاحیت ولیاقت تو ہے مگر چوہے میں اتنی طاقت وقوت نہیں کہ وہ ریل کے ڈبے کو کھینچ سکے اس لیے آپ کو یہاں تعجب ہوا۔ اب آئیے خدا کی طاقت وقوت کا اندازہ لگائیے اس کی طاقت کس کو معلوم نہیں ان اللّٰہ علی کل شئی قدیر سے کون واقف نہیں۔ اس کی شانِ کن فیکون کو کون نہیں جانتا۔ ان تمام عقلی ونقلی دلائل وشواہد سے جب خدا کی طاقت سب کو معلوم ہے تو اب اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ واقعہ معراج محال ہے۔ ورنہ خدا کی قدرت کا انکار لازم آئے گا۔ معراج کی (م) بتاتی ہے کہ معراج محمد کو ہوئی ہے۔ معراج کی (ع) بتاتی ہے کہ معراج عرش پہ ہوئی ہے۔ معراج کی (ر) بتاتی ہے کہ معراج رات میں ہوئی ہے۔ معراج کی (ا) بتاتی ہے کہ معراج اللہ نے کرایا۔ معراج کی (ج) بتاتی ہے کہ جسم کے ساتھ ہوئی۔

سوال:— یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک انسان رات کے تھوڑے حصے میں آسمان پر

چلا جائے اور بالتفصیل سیر سموات کر کے اُن کی اَن میں لوٹ بھی آئے یہ کیسے ممکن ہے۔
(گمراہ، فلسفی، مادہ پرست)

جواب:— ماہر فلکیات علم ریاضی سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ آفتاب (سورج) زمین سے تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دوسو چھپن گنا بڑا ہے اور پورے آفتاب کے طلوع ہونے میں غالباً پانچ منٹ ہی لگتا ہے اور زمین کی سطح اکسٹھ کروڑ نو لاکھ، نو ہزار، اسّی میل ہے۔ اب آپ اس کو تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دوسو چھپن سے ضرب دو۔ تو حاصل ضرب ستائیس کھرب اٹھتر ارب بیاسی کروڑ آٹھ لاکھ انسٹھ ہزار دوسو اسّی میل ہوئے اور آفتاب سے اتنا میل زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں طے کرلیا جو دراصل لاکھوں کی راہ ہے۔ گویا آفتاب نے ایک منٹ میں پانچ کھرب پچپن ارب چھہتر کروڑ اکتالیس لاکھ اکہتر ہزار آٹھ سو چھپن میل طے کیا۔ فلاسفر اور مادہ پرست اس سرعت سیر پر تعجب نہیں کرتے۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین ساعتوں میں عرشِ اعظم پر چلے گئے تو اس میں کیا استحالہ ہے کون سی تعجب کی بات ہے حالانکہ یہ آفتاب بھی انہیں کے نور کی ایک جھلک سے پیدا ہوا ہے۔ پھر سرکار کی سُرعت سیر کا کیا پوچھنا جب کہ وہ خدا کے نور سے ہیں۔ اور چاند و سورج میں جو نور ہے یہ آقا کے نور سے ہے اور یہ چاند سورج بھی میرے آقا کے غلام ہیں اسی لیے اشارہ پاکر مقام صہبا پر پلٹ آیا تھا۔ سوچو: جب غلام کی رفتار کا یہ عالم ہے تو پھر آقا کی رفتار کا کیا عالم ہوگا۔ دوسری دلیل یہ کہ سائنس یہ بات بتاتی ہے کہ بجلی کا ایک تار اپنے پاس رکھا جائے اور دوسرا تار دنیا کے کناروں سے گھما کر اسی جگہ لائی جائے تو بجلی سات سکینڈ میں ساری دنیا کا چکر لگا کر واپس وہیں آجائے۔ بجلی ایک مادی نوع ہے۔ انسان کی تخلیق ہے اس کی بنائی ہوئی ہے جب اس کی رفتار سات سکینڈ میں اکسٹھ کروڑ نو لاکھ نو ہزار اسّی میل ہے تو پھر جو خدا کا نور ہو اس کی رفتار کس طرح قیاس اور عقل میں آسکتی ہے۔ جب انسان کی بنائی ہوئی برق (بجلی) کا یہ عالم ہے تو اللہ کی بنائی ہوئی بُراق کا کیا عالم ہوگا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ ابلیس جو بدترین مخلوق ہے وہ پلک جھپکتے ہی مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کا چکر لگا لیتا ہے جب بدترین مخلوق کو یہ قدرت حاصل ہے تو پھر بہترین مخلوق

کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ جب مردود کی رفتار کا یہ عالم ہے تو محبوب کی رفتار کا کیا عالم ہوگا اندازہ لگاؤ۔

سوال:۔۔۔ ہوا سے اوپر طبقۂ زمہریر یہ ہے اور اس سے اوپر کرۂ نار ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات ان سے کیسے گذرے کیوں کہ طبقۂ زمہریر یہ اس قدر سرد ہے کہ وہاں دورانِ خون بند ہو جاتا ہے اور طبقۂ نار تو نار ہی نار ہے وہاں سے کسی کا گذر کیسے ہو سکتا ہے۔

(مادہ پرست گمراہ، ملحد لوگ)

جواب:۔۔۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بچے موم کی شمعیں روشن کر کے ان کی لو میں اپنی انگلی اِدھر سے اُدھر کرتے رہتے ہیں اور انگلی نہیں جلتی حالانکہ آگ سے ہو کر گذرتی ہے۔ اسی طرح حضور آن کی آن میں طبقۂ زمہریر یہ وطبقۂ نار سے گذر گئے اور ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جیسے ہی میرے سرکار کی سواری طبقۂ نار پہ پہنچی تو ضرور خطابِ رحمت ہوا ہوگا کہ اے میرے محبوب طبقۂ نار سے جلدی گذر جاؤ ورنہ تمہارے مبارک قدموں سے طبقۂ نار سرد ہو جائے گا اور جہاں یہ سرد ہوا بس سارا نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا اور ابھی تو ہمیں چند دنوں تک یہ دنیا قائم رکھنا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم طبقۂ نار سے نہایت تیزی کے ساتھ گذر گئے اور پھر طبقۂ نار کی حقیقت ہی کیا ہے واللہ! وہ تو بجائے خود رہے اگر جہنم میں بھی ان کا نام لے لیا جائے تو وہ بھی سرد ہو جائے۔

سرد کردیں گے عاصی جہنم کی آگ
یا نبی کہہ کے جس وقت چلائیں گے

سوال:۔۔۔ جبریل علیہ السلام نے امت کی بھلائی کی فکر کیوں کی؟

جواب:۔۔۔ اس لیے کہ سرکار کو اپنے ایک ایک امتی سے بہت ہی پیار ہے۔ یہ سب جبریل کو معلوم ہے اور ان کو بھی سرکار کے نگاہِ کرم کی ضرورت ہے اس لیے جبریل نے امت کی بہتری چاہی کہ جب میں امت کی بہتری چاہوں گا تو امت کے نگہباں سرکار کی نگاہِ کرم میری طرف خود بخود متوجہ ہو جائے گی اس لیے جبریل نے امت کی بھلائی کی فکر کی۔

سوال:۔۔۔ معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار کیوں واپس کیا یہ تو خلاف ادب ہے۔

جواب:۔۔۔ جس دیدار خداوندی کے لیے حضرت موسیٰ دنیا میں تڑپتے رہے مگر پھر بھی خدا کا دیدار نہ ہوسکا آج معراج کی رات حضرت موسیٰ کے سارے ارمان پورے ہور ہے ہیں یعنی اللہ رب العزت کا دیدار ہورہا ہے مگر حضور کے ذریعہ اور وسیلہ سے حضور کے چہرۂ انور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کا دیدار کررہے ہیں۔ میرے حضور فرماتے ہیں مَن رَأنی فقد رَأ الحق جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ کو دیکھا اور نمازوں کے تخفیف کے بہانے اپنا دلی ارمان پورا کررہے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کام اپنا بنایا اور نام امت کی خیرخواہی کا لیا اور اس نام کے بہانے نو مرتبہ دیدار خداوندی سے فیض یاب ہوئے۔ دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے دل میں شاید خیال پیدا ہوا کہ میں اتنی عبادت و ریاضت اور تکلیفیں اٹھایا، چالیس روزے رکھے پھر بھی دیدار خداوندی کو برداشت نہ کرسکا تھا تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے برداشت کریں گے ایک بار دیدار خداوندی ہوگیا یہ ایک امر اتفاقی تھا دوبارہ یہ بھی دیدار خداوندی کو برداشت نہ کرسکیں گے۔ لیکن سرکار بار بار واپس گئے اور آئے اور دس مرتبہ دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے اور اشاروں اشاروں میں موسیٰ سے کہہ دیا۔ اے موسیٰ آپ کے لیے سارے راستے بند تھے اس لیے کہ آپ کلیم اللہ ہیں اور میرے لیے تمام راستے کھلے ہوئے ہیں کیونکہ میں حبیب اللہ ہوں۔ اور کلیم و حبیب میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ کلیم وہ ہے جو اللہ کو دیکھنا چاہیے اور حبیب وہ ہے جس کو اللہ دیکھنا چاہے۔

طور و معراج کے قصے عیاں ہوتا ہے
خود کا جانا اور ہے اس کا بلانا اور ہے

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے فَخَرَّ مُوسٰی صَعِقًا۔ حضرت موسیٰ نے کوہِ طور پر خدا کی صفات کی تجلی دیکھی تو بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑے اور طور پہاڑ جل کر سرمہ بن گیا۔ تعجب ہے پتھر کا پہاڑ جل جائے اور جسم موسیٰ نہ جلے۔ حضرت موسیٰ کو بھی جل جانا چاہیے تھا مگر موسیٰ کیوں

بچ گئے۔ (عوام)

جواب:۔۔۔ علما و محققین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی پر نور محمدی جلوہ گر تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام بچ گئے اور طور جل کر راکھ ہو گیا۔ اگر موسیٰ کی پیشانی پر نام محمد نہ لکھا ہوتا تو وہ بھی جل جاتے۔ نوح کی کشتی میں اگر نام محمد نہ لکھا ہوتا تو وہ ڈوب جاتی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان پر اگر نام محمد نہ ہوتا تو ان کی توبہ قبول نہ ہوتی۔

سوال:۔۔۔ اہل سنت کے پاس رویت باری تعالیٰ (دیدار خداوندی) کی روایتیں ہیں ان سب میں رویت کے معنی ہیں خواب دیکھنا۔ ثابت ہوا نبی کریم نے سب کچھ خواب میں دیکھا تھا۔ (ملحد اور بے دین)

جواب:۔۔۔ کتنا غلط اور کم علمی کا سوال ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی کی تمنا کی اور کہا: اے اللہ مجھ کو اپنا دیدار کرا۔ جواب ملا اے تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ اگر پہاڑ پر ٹھہرے رہے تو عن قریب مجھ کو دیکھ لو گے۔ بتاؤ کیا یہاں خواب میں دیکھنے کا ذکر ہے؟ کیا موسیٰ خواب میں نہیں دیکھ سکتے تھے جب کہ خواب میں ہمارے سرکار امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے رب تعالیٰ کو سو مرتبہ دیکھا تھا اور اگر پھر یہ معراج خواب ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حطیم کعبہ میں معراج کا اعلان فرمایا تو ابو جہل اور کفار مکہ تعجب کرتے ہوئے تکذیب کی۔ ہنسی مذاق اور گستاخی سے انکار کرتے نہ بیت المقدس نشانیاں پوچھتے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بتاتے نہ وہ حیران ہوتے۔ خواب میں دیدار الٰہی کرنا کوئی کمال نہیں یہ شرف تو آقا کے صدقے میں آقا کے غلاموں کو بھی حاصل ہے۔

سوال:۔۔۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کوئی کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ دیدار الٰہی ناممکن ہے۔

جواب:۔۔۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ میرے رونگٹے اس کے ذکر سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یا اس لیے ہے کہ وہ دیکھنے سے مراد ادراک لے رہی

ہیں اور یہ واقعی ناممکن ہے کہ دیدار الٰہی کا احاطہ کوئی نہیں کرسکتا۔ دیدارِ الٰہی اتنا مشکل ہے کہ حضرت موسیٰ صرف تجلی دیکھ کر بیہوش ہو گئے اور ہم جیسے ذکر سن کر کانپ جاتے ہیں جسم کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں یہ تو اسی کا جگر اور حوصلہ ہے جس نے دیکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ اپنی ایک طرز بیانی ہے ورنہ اس سے انکارِ دیدار الٰہی ثابت نہیں ہوتا۔ بعض نے جواب دیا کہ ام المومنین کی مراد زمین پر رہ کر دیدار الٰہی ناممکن ہے ہاں لامکاں پر جا کر درست ہے۔ بعض نے جواب دیا کہ یہ عقیدہ عائشہ صدیقہ کا اپنا ہے اسی لیے وہ اس عقیدے کے خلاف بات سننا گوارہ نہیں کرتیں اور غصے یا انتہائی ناگواری سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ام المومنین کی روایتیں اس بنا پر ہیں کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے، اپنی قوت و اختیار سے ذاتِ خداوندی کو نہیں دیکھ سکتا جیسا کہ عام طور پر ہم اپنی مرضی سے ہر چیز کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں! جس کو وہ اپنا جمال دکھائے اور دیکھنے کی قوت بخشے ان کے لیے دیدار الٰہی ثابت ہے اور یہ صرف اور صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کسی ولی یا نبی کو بھی یہ قوت یہ شرف حاصل نہیں کہ وہ اس دنیا میں حالتِ بیداری میں دیدار الٰہی کرے۔

سوال:۔۔۔ اللہ کی دیدار کے لیے اتنے دور لامکاں پر کیوں بلایا گیا زمین پر ہی دیدار کیوں نہ کرا دیا گیا۔ جس طرح کہ زمین پر ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دفعہ جنت دوزخ لوح وقلم عرش وکرسی کو دیکھا۔

جواب:۔۔۔ اللہ رب العزت کے لیے تو سب کچھ ممکن ہے جہاں چاہے اپنا ظہور فرمادے مگر بندے کی آنکھ میں یہ طاقت نہیں کہ بلاحجاب اس کو دیکھ سکے۔ نیز نبی کریم کی یہ شان ہے اور ہمت وطاقت ہے کہ دیدار الٰہی کی برداشت کرسکیں۔ آپ کے علاوہ زمین کی کوئی چیز دیدار تو درکنار تجلیاتِ الٰہی کی جھلک بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر ہی دیدار کرایا جاتا تو نبی پاک واقعی دیدار الٰہی سے مشرف ہو جاتے مگر باقی مخلوقِ زمین تباہ و برباد اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ دیکھو شانِ نبوت کہ جب کوہِ طور پر تجلی ڈالی تو پہاڑ کے سخت پتھر بھی ٹکڑے ٹکڑے ریزہ ریزہ ہو کر جل گئے مگر جسم موسیٰ صرف بیہوش ہوا جلا نہیں۔

ثابت ہوا کہ نبی کی طاقت پہاڑوں سے زیادہ ہے۔ دو وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لامکاں پر بلا کر دیدار کرایا گیا۔ پہلی وجہ یہ کہ تجلیات ذات کی وسعتوں کو زمین و آسمان، لوح و قلم عرش و کرسی جنت و دوزخ کوئی مقام متحمل و برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے سدرہ سے بھی دور لامکاں پر دیدار ہوا۔ دوسری وجہ یہ کہ شاید زمین پر رہتے ہوئے بصارتِ مصطفیٰ میں بھی دیدار کی برداشت نہ ہو کیونکہ زمین پر تقاضائے بشریت غالب ہوں لہٰذا وہاں بلا کر دیدار کا شرف بخشا جہاں نورانیت مصطفیٰ کا غلبہ ہوا۔ بلاتشبیہ یوں سمجھو کہ نصف النہار (دوپہر) پر سورج کو صاف آسمان سے کوئی نظر نہیں دیکھ سکتی تو سورج کو دیکھنے کے لیے اس چوٹی اس بلندی پر پہنچ جاؤ جہاں سے صبح کا سورج نظر آتا ہے یا اس جگہ پہنچ جاؤ جہاں سورج ہلکے بادلوں کے حجاب میں ہو۔ جس طرح سورج کو دیکھنے کے لیے بلند ٹیلے یو چوٹی پر چڑھنا پڑتا ہے بعینہ رب تعالیٰ کے دیدار کے لیے لامکاں کی وسعتوں تک بلندی پر جانا پڑتا ہے۔ دیدار آفتاب کے لیے کسی بادل کا پردہ ہونا چاہیے اور دیدار الٰہی کے لیے حجابِ نور ہونا چاہئے۔

سوال:— آیت اسریٰ سے معراج ثابت کی جاتی ہے اور اسریٰ معراج نہیں۔ (فلاسفر)

جواب:— اسریٰ کا لغوی معنی ہے سیر کرانا اور سیر عام ہے۔ ہر طرح اور ہر طرف چلنے کو خواہ زمین پر دائیں بائیں آگے پیچھے جانا ہو یا اوپر کی جانب بشکلِ پرواز یا بشکلِ معراج اس لیے معراج کو اسریٰ کہنا درست ہے۔ اسی طرح سفر میں بھی ہر طرف جانے کو سیر کہہ دیا جاتا ہے۔ سیر اور سفر خواہ ریل، موٹر اور گھوڑے اونٹ پر ہو یا ہوائی جہاز پر لیکن معراج کو رب نے سیر کہا سفر نہیں کہا۔ اس کی چند وجہ اور چند اشارے ہیں۔ (۱) سفر غیر کی ملکیت میں ہوتا ہے سیر اپنی ملکیت میں (۲) سفر میں تھکاوٹ ہوتی ہے سیر میں تراوٹ اور سکون۔ (۳) سفر میں منزل پر پہنچنا مقصود ہوتا ہے سیر میں ہر چیز دیکھنا مقصود ہوتا ہے۔ معراج کو سیر فرمانے سے تین چیزیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ ساری کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہے۔ حضور اقدس کہیں لامکاں تک جا کر مسافر نہ بنے۔ شریعت میں اٹھاون میل تک جانے سے بندہ مسافر

بن جاتا ہے لیکن اگر کسی کا گھر یا ملکیت رقبہ سو میل لمبا ہو تو وہ سو میل تک اپنے رقبے میں جانے سے مسافر نہ بنے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ویسے حیاتِ طیبہ میں زمین پر دور دراز جانا اور اس کو سفر کہنا مجازاً اور شرعی مسائل سمجھانے کے لیے تھا یہاں مجاز کا ظہور ہے مگر معراج میں حقیقت کا ظہور ہوا۔ دوم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی قوت والے ہیں کہ اتنی لمبی مسافت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سیر ہی تھا نہ تھکاوٹ نہ نقاہت مثل سیر و تفریح تر و تازہ رہے۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ دکھا دیا کہ سیر دکھانے کے لیے کرائی جاتی ہے۔

سوال:۔۔۔ قرآن سورۂ اسریٰ میں ہے کہ کافر اپنے لیے یا دوسرے کے لیے بددعائیں مانگتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ کسی کو بددعا دینا کفریہ کام اور گناہ ہے تو پھر انبیائے کرام مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اپنی اپنی قوم کو ہلاکت کی بددعا کیوں دی۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ حضرت نوح علیہ السلام کا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ دَيَّارًا ؕ اے اللہ! ان کافروں کو زمین پر نہ چھوڑ کہنا بددعا نہیں بلکہ بارگاہِ الٰہی میں استغاثہ فریاد اور مجرم کو سزا کا مطالبہ تھا۔ جس طرح کوئی بھی مظلوم یا مجبور حاکم کی عدالت میں مقدمہ کر کے درخواست کرتا ہے کہ فلاں مجرم کو سزا دی جائے یہی نوعیت شکایت نوح کی ہے۔ شکایت موسوی کی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کسی کافر کو فرمانا کہ تو ایسا ہوگا تو یہ بھی بددعا نہیں بلکہ پیشن گوئی ہے۔ ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بے اختیاری میں بددعا دی تھی تو فوراً اس سے رجوع فرما لیا تھا۔ حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہما نے کوفے کی میدان میں یزیدی شیعوں کو کہا تھا کہ تم قیامت تک اسی طرح روتے پیٹتے رہو گے جس کا ظہور آج تک ہو رہا ہے تو یہ بھی بددعا نہ تھی بلکہ غیبی پیشن گوئی تھی۔

سوال:۔۔۔ آپ نے کہا دنیا میں کسی جگہ بھی چھ مہینے کا دن اور رات نہیں ہوتی حالانکہ علامہ شامی نے فرمایا کہ بلغاریہ میں چھ مہینے کا دن چھ مہینے کی رات ہوتی ہے۔ اسی طرح بہار

شریعت میں ہے کہ برطانیہ کے بعض علاقوں میں چند ماہ کی چھوٹی راتوں میں وقتِ عشا آتا ہی نہیں تو ہم آپ کی بات تسلیم کریں یا علامہ شامی کی یا صاحب بہار شریعت کی۔

جواب:۔۔۔ان بزرگوں کے پاس آپ جیسے لوگوں نے سنی سنائی باتوں کا سوال بھیج دیا اور انہوں نے یقین کر کے شرعی فیصلہ بیان فرما دیا۔ تحقیق حال نہ انہوں نے کی نہ ان کے پاس وسائل تھے نہ ہی اس زمانے میں وطن سے اتنی دور جانے اور آباد ہونے کا رواج تھا کہ ملک ملک اور دنیا بھر کے علاقوں کا پتہ لگتا۔ آج دنیا کے ہر خطے میں تقریباً ہر جگہ مسلمان آباد ہیں اور ہر شخص کو ٹیلیفون کی سہولت حاصل ہے۔ میڈیا کافی عروج حاصل کر چکا ہے گھر بیٹھے ہی پوری دنیا کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ تقریباً دنیا کے ہر ملک میں میرے مسلمان بھائی آباد ہیں۔ میں نے تمام سے رابطہ کیا اور برطانیہ خود آیا یہاں کے رات دن، صبح و شام، سردی گرمی خود دیکھنے کا موقع ملا۔ نظام الاوقات کے لیے خود تفتیش کی۔ دنیا بھر میں بسنے والے احباب سے رابطہ کر کے سوئیڈن، بلغاریہ وغیرہ کی معلومات حاصل کی مگر کسی نے چشم دید گواہی یا تصدیق نہ کی جب کہ بعض علاقوں کے متعلق یہ ضرور بتایا گیا کہ وہاں چھ ماہ تک کالے بادلوں کے اندھیرے چھائے رہتے ہیں مگر سورج ضرور طلوع و غروب ہوتا ہے یہ علیحدہ بات ہے روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ ہی نکلے۔ اسی لیے سنی سنائی بات کے مقابل تجربے اور مشاہدے کو ترجیح ہونی چاہیے۔ آج بھی سردیوں کے ایام میں اپنے ملک کے کچھ علاقوں میں دس دس دن تک سورج ہی نہیں دکھائی دیتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ سورج نکلتا ہی نہیں۔

سوال:۔۔۔ قیامت میں کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ کسی کا گناہ دوسرے پر نہ ڈالا جائے گا حالانکہ حدیث پاک میں ہے جس کا حق مار لیا یا جس کی غیبت کر کے دنیاوی نقصان پہنچایا تو قیامت میں حق مارنے والے کی نیکیاں جس کی غیبت کی ہے جس کا حق مارا ہے اس مظلوم کو دی جائیں گی اور مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے لہٰذا بوجھ تو اٹھا لیا اور ڈال بھی دیا گیا۔ یہ قرآن و احادیث میں تعارض کیوں۔ (جہلا)

جواب:۔۔۔ قرآن کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اپنے اختیار اور دوستی یا رشتے داری

یا دنیا میں گناہ لے لینے کا وعدہ کر لینے کی بنا پر کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور حدیث شریف میں ہے کہ عذاب کے طریقے پر دوسرے کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے یہ گویا عذاب اس کے اس ظلم کا ہے جو اس نے کیا اور مظلوم پر رحمت کرنے کیلئے۔

سوال:۔۔۔ اللہ جس بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کے امیروں کو دین کا حکم دیتا ہے وہ نافرمانی کرتے ہیں تو ساری بستی کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ کہ گناہ صرف امیروں نے کیا اور ہلاک سب بستی ہوئی جس میں بچے بے گناہ جانور بھی تھے۔

جواب:۔۔۔ الاکثر حکم الکل۔ اکثر کل کے حکم میں ہے اس لیے اکثریت کا حکم جاری کر دیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نیک لوگوں کو نکال لیا جاتا ہے۔ سوم یہ کہ اس حکم سے عام حکم ہیں۔ نماز روزہ وغیرہ تو سب امیر و غریب پر فرض تھے اس پر امیروں نے بھی عمل نہ کیا اپنے سرداری کے غرور میں اور غریبوں نے بھی عمل نہ کیا امیروں کی ماتحتی کی وجہ سے اور دیکھا دیکھی نہ بچوں کو حلال روزی کھلائی نہ دین سکھایا اور نہ ہی علم اور علما کی قدر کی۔ نیز بچے اور جانور مثل مال کے ہیں ان کی تباہی سے انسان کو بہت دکھ ہوتا ہے اس لیے سب کو ہلاک کرنا عین مصلحت ہے۔ معلوم ہوا کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ دینی یا دنیاوی سرداری عطا فرمائے اس کو اپنی زندگی بڑی احتیاط سے گذارنی چاہیے خود عالم ہو یا پیر ہو، چودھری ہو یا سردار ہو چھوٹے اپنے بڑوں ہی کی تقلید کرتے ہیں۔

سوال:۔۔۔ جو اپنی نیکیوں اور اچھائیوں سے دنیا طلبی کا ارادہ کرے ہم اس کو دنیا دے دیتے ہیں پھر آخرت میں مذموم و رسوا ہو کر جہنم میں گرے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اس دنیا میں ترک دنیا کرے گا اور نہ احد بن کر زرہے گا وہ تو دائمی جہنم سے بچے گا لیکن جس نے مال و دولت، سلطنت و حکومت جمع اور حاصل کرنے کا ارادہ کیا وہ دائمی جہنمی ہے حالانکہ بہت سے مسلمان اور نیک لوگ بھی اپنی تجارت وغیرہ سے دنیا طلبی کرتے ہیں۔ اسی لیے مسلمانوں میں بھی بڑے دولت مند اور سلاطین گذرے ہیں اور ان کو نیک اور جنتی لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔اس سوال کے تین جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ دنیا طلبی کا اس طرح ہمہ وقت پختہ اور مضبوط ارادہ ہو کہ آخرت کا یقین ہی مٹ جائے۔ قیامت پر ایمان ہی نہ ہو جیسے کہ کفار ومشرکین ومنافقین کا ہے۔ ایسی دنیا طلبی گناہ ہے۔ شریعت کا خیال رکھے بغیر کوئی تجارت کی جائے گی تو وہ دنیا پرستی اور دخولِ جہنم کا ذریعہ بنے گی۔ دوم یہ کہ اس سے مراد دائمی جہنم نہیں بلکہ اس کے بُرے ارادے اور برے ارادے کے ذریعہ حرام بدکاری کی طلب کا جو گناہ ہے اس کے بدلے عارضی جہنم، پھر باقی نیکیوں کی وجہ سے ایمان کی بنا پر جنت کا داخلہ ہو جائے گا۔ مسلمان اگرچہ کتنا ہی لالچی اور طالب دنیا بن جائے پھر بھی آخرت کے لیے بہت کچھ کر لیتا ہے۔ سوم یہ کہ دنیا صرف خدا سے غافل ہونے کا نام ہے یعنی طلب دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کی سزا جزا کو بالکل ہی بھول جائے۔ حلال وحرام کی پرواہ نہ کرے۔ نہ کسی وقت آخر کی تیاری میں گذارے ایسا غافل شخص جو بھی ہو اپنا ایمان برباد کر لیتا ہے۔ نفس نے ایک شوشہ چھوڑ دیا اور دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ غفلت کئے جاتے ہو اور کہتے ہو کہ اللہ غفور الرحیم اور کریم ہے۔ معاف کرنے والا ہے وہ سب کچھ بخش دے گا اور برا عمل کرنے کے باوجود ہمیں جنت میں داخل کر دے گا۔ خوب یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے جس نے مخلوق کو تباہ اور اعمال سے کاہل بنا کر عبادت و اطاعت سے روک رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے گمانِ فاسد اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

سوال:۔۔۔رب کی عطا کسی بھی انسان پر بند نہیں حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ کوئی آدمی خزانوں میں بھرپور مست ہے۔ اس کے یہاں دولت کی برسات ہوتی ہے اسے عمدہ اور مرغن غذائیں حاصل ہیں اور کوئی بھوکا ننگا ہے ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ مفلس کنگال ہے مفلوک الحال ہے۔ (جہلا)

جواب:۔۔۔اللہ تعالیٰ کسی کا رزق اس کے گناہوں نافرمانیوں اور کفریات وشرکیات کی بنا پر بند نہیں کرتا اور نہ ہی اس دنیا میں نیکیوں اور اللہ کی رضا کی بنا پر کسی کو دنیاوی عزت و دولت دی جاتی۔ رہا یہ کہ کوئی غریب ہے کوئی امیر ہے تو اس کی بڑی وجہ تو ازلی تقدیر ہے جو عین حکمت

الٰہیہ ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی وجہیں اپنی غفلتوں بے عقلیوں نا تجربے کاریوں کی بنا پر بے شمار ہیں اور پھر امیری غریبی تو دولت میں ہے لیکن اس کے علاوہ اعضائے ظاہری و باطنی اور چاند سورج ہوا پانی کی نعمتیں تو کافر و مومن پر یکساں ہیں کسی پر کچھ بند نہیں۔

سوال:۔۔۔ یہ کیا بات ہے کہ کفار و مشرکین پر دنیاوی رزق بند نہیں مگر توفیق و ہدایات، کثرتِ کفر و شرک کی بنا پر بند ہو جاتی ہے۔ (آریہ)

جواب:۔۔۔ اس کے تین جواب ہیں۔ (۱) اوّل اس لیے کہ رزق بند کرنے کی وجہ سے موت واقع ہوتی ہے اور موت سے زندگی و مہلت ایمان ختم ہو جاتی ہے تو کل قیامت میں کفار و مشرکین، فساق و فجار اپنے کفر و شرک اور شرکشی پر یہ عذر رکھ سکتے ہیں کہ ہم تو مر گئے تھے اس لیے ایمان کیسے قبول کرتے۔ اگر زندہ رہتے تو مومن بن جاتے اس لیے ان کو مکمل ہر طرح کا رزق دیا گیا تا کہ لمبی عمریں پاویں اور مہلت حاصل کر لیں۔ (۲) دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ حلیم ہے اور مار ڈالنا، گناہوں کی وجہ سے رزق بند کر دینا یہ سزا ہے اور جلد ہی سزا دینا شانِ حلیمی کے خلاف ہے۔ نیز یہ دنیا دارِ سزا نہیں ہے بلکہ آخرت یوم الحساب ہے دارالسزا والجزا ہے۔ (۳) سوم یہ کہ رزق بند کر دینا بخیلوں کا کام ہے اور اللہ رب العلمین ہے۔ بخیلی سے پاک ہے۔ نیز رزق دینا عدل ہے اور عدلِ الٰہی عام ہے۔ ہدایت و توفیق فضل ہے اور فضل کے لیے بندے کا طالب بننا چاہئے۔ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے کہ اے لوگوں جب تم خدا کی بارگاہ میں دعا مانگو تو ماں باپ کو بھول نہیں جانا بلکہ ان کے لیے بھی دعا مانگو اور کیونکہ اے اللہ ہمارے ماں باپ پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھ پر بچپن میں رحم فرمایا۔ میری پرورش کی۔ والدین نے اولاد پر کیا رحم کیا اپنی لذت و شہوت کے لیے صحبت کی اور ہزار ہا مصیبتوں اور تکلیفوں بیماریوں کے لیے ایک معصوم جان کو دنیا میں لے آئے اور اگر وہ بچہ بُرا بن گیا تو جہنم کا مستحق ٹھہرا۔ یہ والدین کا احسان نہیں یہ تو ظلم ہے۔ (عام بد دماغ جوان حضرات)

جواب:۔۔۔ والدین نے تو احسان ہی کیا ہے کہ دنیا کی رونقوں، دولتوں اور ایمانی

عرفانی بہاروں میں اولاد کو لائے پھر اولاد کے خاطر ہزار ہا رنج و غم تکلیفیں برداشت کیں۔ پھولوں کی طرح بچوں کو رکھا۔ اچھی صحبت اچھی تعلیم کی کوشش کی۔ ہر طرح علم و ہنر سکھایا پیسہ لٹایا۔ اب آگے بیماری تکلیفیں اس کی قسمت جنتی یا دوزخی بننا تو والدین کے تربیت کے بعد ہوا۔ بلوغت میں جا کر اولاد کی اپنی مرضی پر منحصر ہے پابندیٔ احکام شرع کرے گا یا خلاف شرع۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ کفار و مشرکین بیٹیوں کو سخت بری اور ذلیل چیز سمجھتے ہیں لیکن دیکھا گیا ہے کہ ہندو اپنی تمام مورتیوں کو عورت ہی کا نام دیتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں جیسے کالی دیوی، لکشمی دیوی، پاروتی، سرسوتی، گنگا، جمنا، پیپل والی وغیرہ وغیرہ۔ اس مشاہدے سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین عورتوں کا احترام کرتے ہیں۔ (آریہ)

جواب:— اس سوال کے دو جواب ہیں۔ پہلا تو یہ کہ یہ بات قرآن کافر مکہ کے بارے میں کہہ رہا ہے جو لڑکیوں سے بیٹوں کے مقابلے میں نفرت کرتے تھے اور دنیا میں بہت سے کفار و مشرکین اب بھی یہ حرکت کرتے ہیں کہ طرح طرح کی تکلیفیں دے کر لڑکیوں کو مارنے یا تا عمر ذلیل رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زندہ دفن کر دینا یا بچی کو پیدا ہوتے ہی جنگل اور کوڑے کی ڈھیر پر پھینک دینا ایک ہی قسم کی حرکت ہے۔ ایسی ظالمانہ حرکتوں کی دو ہی وجہ ہو سکتی ہے۔ بیٹی کو جہیز کہاں سے دیں گے، ان کو کھلائیں گے پلائیں گے کہاں سے اور جب بڑی ہوگی تو دوسروں کے گھر چلی جائے گی۔ یہ جاہلانہ خیالات بہت سے علاقوں اور قبیلوں میں آج بھی موجود ہے۔ آج بھی اپنے گھر بیٹی پیدا ہونے پر افسوس کرتے ہیں۔ اللہ کے دربار میں سب اولاد یکساں درجہ رکھتی ہے کوئی ادنیٰ، اعلیٰ نہیں لڑکا ہو یا لڑکی بیٹا ہو یا بیٹی۔ بیٹی کو ذلیل حقیر اور ادنیٰ سمجھنا گناہ ہے اور کفار کا طریقہ ہے۔ رہا کفار و مشرکین کو گنگا، جمنا، سرسوتی اور دیوی کو عورت سمجھنا وہ عورت ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ان میں روحانی قوت مانتے ہیں اور اس روح اور قوت کو مونث سمجھتے ہیں اسی طرح بہت سے دیوی دیوتاؤں کے بھگت اپنے آپ کو مونث بتاتے ہیں اور طرح طرح کی کرتب و شعبدہ بازی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں فلاں دیوتا کی بیوی ہوں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط۔

سوال:۔۔۔ سجدۂ آدم کا حکم صرف فرشتوں کو دیا گیا تھا۔ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا تو سجدے کا حکم اس پر کب آیا اور انکار سجدہ سے یہ کیونکر مجرم و کافر ہوا۔ (عام لوگ)

جواب:۔۔۔ ابلیس جنوں میں سے ہے اور جن آگ سے بنائے گئے ہیں واقعی ابلیس فرشتہ نہیں ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے مگر صفات و مقام کے اعتبار سے ابلیس اس وقت قوت و طاقت، اعمال و افعال، عبادت اور صحبت یعت درجات کی بنا پر فرشتہ بنا دیا گیا تھا اس لیے سجدے کی حکم میں شامل تھا۔

سوال:۔۔۔ شیطان نے کہا میں سب انسانوں کو گمراہ کروں گا سوائے تھوڑے انسانوں کے۔ ابلیس کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آئندہ پیدا ہونے والی نسل آج جن کا نشان وجود بھی نہیں ان میں سے میں کچھ تھوڑے کو گمراہ نہ کرسکوں گا۔ یہ مطلب تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ابلیس ازراہِ ہمدردی یا ترس کھا کر بعض کو خود ہی چھوڑ دے، نہ ورغلائے، نہ گمراہ کرے، اس کی مراد تو یہی تھی کہ میں سب کو ورغلاؤں گا مگر کچھ گمراہ نہ ہوسکیں گے تو یہ اس کو کیسے معلوم ہوا۔

جواب:۔۔۔ ابلیس کو تین طریقے سے معلوم ہو گیا تھا (۱) جب فرشتوں نے کہا اے اللہ تو اس مخلوق (انسان) کو بنائے گا جن میں کچھ فسادی اور خونریز ہوں گے اس سے ابلیس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کچھ نیک بھی رہیں گے۔ (۲) ابلیس نے زمین زمین کی مختلف تاثیر والی مٹی سے اندازہ لگایا تھا کہ اچھی بری بنجر سرسبز مٹی سے پیدا ہونے والے آدمی کا مزاج بھی ایک جیسا نہیں ہوسکتا۔ (۳) بعض نے کہا کہ شیطان کو غیبی طاقت بھی دی گئی ہے جیسا کہ دیوبندی حضرات کہتے ہیں کہ شیطان کا علم قرآن سے ثابت ہے مگر نبی کا علم ثابت نہیں۔ (صراط مستقیم)

معاذ اللہ.

اللہ کے نیک بندوں پر شیطان کی کوئی طاقت کام نہیں آتی اس لیے کہ سچے بندے اولیا اللہ تمام کے تمام رب تعالیٰ کی حفاظت میں محفوظ ہوتے ہیں اور دامن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کی حفاظت فرمائی جاتی ہے بلکہ بہت سے بزرگانِ دین تو ابلیس سے بھی بہت زیادہ طاقت والے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات و روایات احادیث و سیرت کی کتابوں میں

موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں نے ابلیس کو قید کر دیا۔ گرفتار کر کے پکڑ کے باندھ دیا اس کی خوب پٹائی بھی کی اور ابلیس میں اپنے آپ کو چھڑانے کی طاقت نہیں ہوئی نہ ہی کھولنے کی۔ پھر ان بزرگوں نے خود ہی شیطان کو کھولا تو وہ آزاد ہوا۔ اللہ نے شیطان کو اختیار دینے کے باوجود یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی بندے کو جبراً ہاتھ پکڑ کر اٹھا کر گمراہی میں لے جائے۔ ایسا تسلط اس کا کسی بندے پر نہیں ہو سکتا۔ خواہ بندہ نیک ہو یا بد، عالم ہو یا جاہل اس کے باوجود بھی وہ کھلے بندوں کے سامنے نہیں آسکتا صرف باطنی ذہنیت میں وسوسے ڈال سکتا ہے۔ اب یہ بندوں کی کم بختی ہے کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے کہنے پر چل پڑے، مگر انسان شیطان کے ہاتھوں بے بس نہیں ہے ابلیس صرف اپنی مخفی آواز سے ہی بہکا سکتا ہے۔ زبردستی کسی پر نہیں کر سکتا۔ اس لیے جو بھی مسلمان اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے شرعی جرم اور ترک عبادت کرے گا وہ مجرم لائق سزا ہوگا۔

سوال:— جب شیطان نے کہا میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں پر تیرا قابو نہیں حالانکہ حضرت آدم کو جنت سے نکلوایا۔ بڑے بڑے اولیا اللہ کو اپنے مرتبے سے گرا دیتا ہے۔ بتاؤ قابو کس طرح ہوتا ہے۔ (معتزلی)

جواب:— ابلیس کسی پر زبردستی نہیں کر سکتا نہ ہی سامنے آکر کسی کو ڈرا دھمکا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کا ایمان چھین سکتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جھوٹی قسمیں کھا کر دھوکہ دیا تھا وہاں تو ورغلانہ بھی ثابت نہیں۔ نیز کسی ولی اللہ کو بہکانا یہ تو شاذ و نادر ہے لیکن یہاں اکثریت کا ذکر ہو رہا ہے۔

سوال:— کسی بھی حالت میں اللہ کے سوا کسی اور کو یاد نہیں کرنا چاہئے۔ ہر وقت سفر حضر میں اللہ ہی کو یاد کرنا چاہئے۔ یہ بریلوی لوگ جو یا رسول اللہ، یا غوث اعظم کہتے اور پکارتے ہیں یہ سخت گناہ اور گمراہی ہے۔ **لاتدعوا من دون اللہ**...... انہیں لوگوں کے لیے نازل ہوئی کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو۔ (وہابی، نجدی، اہلحدیث)

جواب:— یہ بات سب سے بڑی غلطی اور جہالت کی ہے کہ بتوں کی مذمت میں

نازل ہونے والی آیات کریمہ انبیا اولیا اللہ پر چسپاں کر دیا حالانکہ قرآن میں جہاں جہاں غیر اللہ سے مدد مانگنا یا ان کو پکارنا شرک بتایا گیا ہے اس سے مراد پتھر کی مورتیاں اور بت ہیں نہ کہ اولیا اللہ۔ چونکہ کفار و مشرکین اپنے بتوں کو پوجتے ہیں ان کو سجدہ کرتے ہیں ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر فریاد کرتے ہیں، انہیں اپنا خالق و مالک اور حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہیں ان سے مدد طلب کرتے ہیں۔ یہ آیتیں انہیں مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں مگر ان کو اولیا اللہ پر چسپاں کر دیا گیا یہ وہابیوں اور دیوبندیوں کی پرانی عادت ہے۔ اگر یہ آیتیں بریلیوں کے لیے نازل ہوئی ہیں تو پھر ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام بریلوی ہی تھے ورنہ بتایا جائے کہ کون مسلمان ایسا تھا جو مصائب و آلام میں تو خدا کو یاد کرتا اور راحت و سکون کی لمحات میں خدا کو چھوڑ دیتا۔ صحابہ کرام نے تو سفر اور حضر میں خلوت اور خلوت میں یارسول اللہ کی فریادیں کیا کرتے تھے۔ کیا تم لوگ صحابہ کرام سے زیادہ قرآن سمجھتے ہو۔ الحاصل یہ کہ کافر و مشرک بتوں کو خود معبود سمجھ کر پکارتا ہے اور مسلمان اولیا اللہ کو اللہ کا مقبول بندہ سمجھ کر پکارتا ہے اس لیے مومن مسلمان کا یہ کام وسیلہ بن جاتا ہے اور وسیلہ جائز ہے۔ آج کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ کر پکارے تو کافر ہوگا لیکن اللہ کا بندہ اور نبی سمجھ کر پکارے تو بالکل جائز ہے۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ آپ کو ثابت قدم نہ رکھتا تو آپ کفار کی طرف مائل ہو جاتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیائے کرام گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں۔ (بے دین۔ گمراہ لوگ)

جواب:— معترض کی بات کا معنی ہے کہ انبیائے کرام اپنی مرضی سے گناہ کر سکتے ہیں اور اپنی مرضی سے بچ سکتے ہیں اور بچے ہیں حالانکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ انبیائے کرام اپنی مرضی سے گناہ کر سکتے ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں سے بہت دور اور ثابت قدم کر دیا ہے۔ گناہ کی طرف ان کے قدم اٹھتے ہی نہیں کیونکہ انبیائے کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ اور جو معصوم ہوتے ہیں وہ گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے۔ اب جو شخص یہ کہے کہ انبیائے کرام (معاذ اللہ) گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں وہ جاہل گمراہ بدعقیدہ اور گستاخ ہے۔

سوال:۔۔۔ اگر تہجد کی نماز حضور پر فرض ہوتی تو اس کی رکعتیں متعین ہوتیں جس طرح کہ دوسری فرض نمازوں کی رکعتیں مقرر ہیں۔ لیکن تہجد کی نماز کی رکعات میں کوئی تعداد مقرر نہیں۔ کوئی کہتا ہے دو رکعات، کوئی کہتا ہے چار رکعات، کوئی کہتا ہے آٹھ رکعات، کوئی بارہ رکعات کہہ رہا ہے۔ ثابت ہوا کہ تہجد کی نماز نبی کے لیے امتی کی طرح نفل ہی ہے لہٰذا حضور کے لیے بھی یہ نفل تھی فرض نہیں۔

جواب:۔۔۔ فقہائے کرام کا دو، چار، رکعات فرمانا امت کے لیے ہے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی تعداد آٹھ رکعات متعین تھی، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ آٹھ رکعات ہی نماز تہجد ادا فرمائی۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعین تعداد رکعات کا اختیار عطا فرمایا گیا تھا اور ہر فرض کی رکعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر فرمائیں کم و بیشی کا بھی تاعمر اختیار تھا۔ اب امت کم و بیش نہیں کرسکتی۔

سوال:۔۔۔ حدیث پاک میں حضرت مغیرہ کی روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک راتوں میں طبی قیام کرنے کی وجہ سے سوج گئے تھے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں۔ آپ تو گناہوں سے پاک و معصوم ہیں۔ فرمایا اے مغیرہ! کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ اسی طرح کی روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تہجد کی نماز حضور پر فرض نہ تھی نفلی تھی جو شکر گذار بندہ بننے کے لیے ادا فرمائی جاتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

جواب:۔۔۔ اس حدیث پاک میں ہی اس کا جواب موجود ہے۔ حضرت مغیرہ کا سوال درازئ قیام اور مشقت کا ہے نہ کہ اصل نماز کا۔ اصل نماز جلدی بھی پڑھی جاسکتی ہے اور دیر تک بھی۔ کوئی شخص تو کسی رکعات میں سورہ بقرہ شروع کردے اور چاہے تو سورہ کوثر پڑھ کر مختصر کرلے اور پاؤں پر ورم کا آجانا درازئ قیام سے تھا نہ کہ اصل نماز سے اور ہمارا کہنا ہے کہ نماز تہجد فرض تھی نہ کہ مشقت اور درازئ قیام۔ اس لیے یہ ثابت نہ ہوا کہ تہجد نفلی تھی بلکہ اس سے یہ

ثابت ہوا کہ تہجد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرض تھی۔

سوال:— قرآن مجید صرف مومنین کے لیے شفا و رحمت ہے جیسا کہ سورۂ اسریٰ میں ہے و ننزل مِن القرآن ماهو شفاء ورحمة للمؤمنين ط حالانکہ بہت سے غیر مسلموں کو تعویذ و عملیات دعا دم درود سے شفا مل جاتی ہے تو پھر یہ خصوصی قید کیوں لگائی گئی۔ (عام لوگ)

جواب:— اس سوال کے دو جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ شفا مطلق اور عام ہے اور رحمت میں خصوصی قید ہے یعنی یہ قرآن شفا تو سب کے لیے ہے مگر رحمت صرف مومنین کے لیے ہے اس لیے کہ شفا کا تعلق دنیا سے ہے اور رحمت کا تعلق آخرت سے۔ جواب دوم یہ کہ دونوں کا تعلق مومنوں سے ہے مگر یہاں مراد روحانی شفا ہے یا مطلب یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سننے سے دل پر قدرتی اثر ہوتا ہے جس سے سب کو ایسی شفا و رحمت ہوتی ہے کہ کفر و شرک بیماریاں دور ہو جاتی ہیں اور کفار و مشرکین مومن بن جاتے ہیں۔

سوال:— قرآن کے ہوتے ہوئے ہم کو کسی اور کتاب اور حدیثوں کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن مجید خود فرماتا ہے: ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان فرمادی اس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ (منکرینِ حدیث)

جواب:— یہاں کفار کے لیے مثالوں کے تذکرے کا ذکر ہے اور مثالیں عبرت کے لیے ہوتی ہیں۔ کفر چھڑانے کے لیے ہوتی ہیں مگر مسلمان ہو جانے کے بعد احکام اور قوانین اور اس پر عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر تم لوگ واقعی کفر پر اصرار کر رہے ہو تو تب تو تم کو احادیث مبارکہ کی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ ہی مسلمانوں کو تمہاری ضرورت لیکن مسلمانوں کو اسلام پر عمل کرنے کے لیے ہر دم ہر زمانے میں احادیث پر عمل کی اشد ضرورت ہے بغیر احادیث کے قرآن کے ایک بھی آیت پر عمل ممکن نہیں ہے۔

سوال:— کفار و مشرکین نے جب معجزات کا مطالبہ کیا تھا تو نبی کریم نے ان کے مطالبے کو کیوں پورا نہیں کیا یا تو آپ عاجز اور مجبور تھے اور یا آپ تنگ دل اور کنجوس تھے کہ

ایک چیز ہوتے ہوئے بھی نہ دی جائے یہ اچھی عادت نہیں۔ (آریہ ہندو)

جواب:— اس سوال کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ معجزہ صرف نبوت کی ثبوت وصداقت کے لیے ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور قرآنِ مجید جیسے عظیم وابدی معجزے نے آپ کی نبوت ورسالت کو بہت شاندار طریقوں سے ثابت کردیا۔ اب مطالبوں کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بھی مطالبے کرنے درست نہیں بلکہ مذاق بازی تھی۔ دوسرا جواب یہ کہ نااہلوں نالائقوں کو ان سب مطالبوں کو پورا کرنا بُرا ہے۔ والدین اپنے نالائق بیٹوں کو نہیں دیتے ان کے مطالبے کو پورا نہیں کرتے تو اس نہ دینے سے عجز یا کنجوسی ثابت نہیں ہوتی ورنہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض وارد ہوگا۔ نیز انبیائے کرام کے مقامِ معجزات اجازتِ باری تعالیٰ کے پابند ہوتے ہیں۔

سوال:— قرآن سورۂ اسریٰ میں فرمایا گیا کہ کفار محشر میں اندھے، بہرے، گونگے ہوں گے حالانکہ دوسری آیت میں ہے کہ کفار اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے اور میدانِ محشر میں اور جہنم میں فریاد کریں گے روئیں گے، چلائیں گے اور چیخیں گے اور پکاریں گے۔ اپنے لیڈروں اور مذہبی رہنماؤں کو برا بھلا کہیں گے اور ان کی بے رخی وعلیحدگی کی باتیں سنیں گے۔ ان آیات میں مطابقت کیوں کر ہو۔ (آریہ)

جواب:— مفسرین کرام نے اس کے مختلف جواب دیئے۔ ایک یہ کہ کچھ کفار اندھے بہرے ہوں گے کچھ ٹھیک ہوں گے۔ دوم یہ کہ پہلے پہلے اندھے بہرے ہوں گے پھر ٹھیک کردیئے جائیں گے۔ سوم یہ کہ اندھے اس طرح ہوں گے کہ نیک لوگوں کو نہ دیکھ سکیں گے نہ فرشتوں کو۔ جس طرح آج ہم فرشتوں جناتوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ بہرے اس طرح کہ خوش خبری نہ سنیں گے۔ گونگے اس طرح کہ زبان پر مُہر ہوگی ہاتھ پیر اور بدن کے سارے اعضا خلاف گواہی دیں گے۔ چہارم یہ کہ دل کے اندھے بہرے ہوں گے جیسے کہ دنیا میں ہیں مگر پہلا جواب درست ہے کہ وہ حقیقتاً اندھے بہرے ہوں گے اور دنیا کی قلبی کیفیت ان کے اعضائے بدن پر حقیقتاً ظاہر ہوں گے اسی لیے اوندھے منہ بھی ہوں گے کہ دنیا میں ان کے دل

دنیا کی طرف جھکے تھے قیامت میں یہ کیفیت سارے اعضا پر طاری ہوگی۔

سوال:۔۔۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ ہر خیر وشر کا خالق اللہ ہے اس عقیدے اور نظریے سے ظلم اور فسق کا خالق بھی اللہ ہوا اور قرآن میں ہے کہ اس کے ناموں سے اس کو پکارو تو کیا یا ظالم یا فاسق بھی اس کو کہہ سکتے ہیں۔ (معتزلی)

جواب:۔۔۔ ہرگز نہیں کیونکہ ظالم ظلم کے خالق کو نہیں کہتے اور فاسق فسق کے خالق کو نہیں کہتے بلکہ فاعل (کرنے والے) کا نام ظالم ہے اور فاعل فسق کا نام فاسق ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ظلم اور خالق فسق ہے نہ کہ فاعل یعنی کرنے والا۔ ظلم وفسق کیا تمہاری سب کی عقلوں نے غافل اور خالق کا فرق نہ جانا۔ فاعلِ ظلم وفسق تو بندہ ہے۔ ہاں البتہ اللہ کو خالقِ ظلم یا خالقِ کفر کہا جاسکتا ہے، مگر سخت گستاخی اور ادب واحترام کے خلاف ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کو خالق شیطان خالق گدھا یا خالق خنزیر کہنا کفر وحرام ہے حالانکہ بات سچی ہے اسی لیے فقہا تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کو اس نام سے بھی نہ پکارو جو عام انسانوں کے لیے پکارتے ہو اگر چہ وہ لوگوں کے لیے اچھے اور ادب والے ہوں جیسے اللہ میاں۔ اللہ بادشاہ، اللہ صاحب، حضرت صاحب یا جمع غائب یا جمع حاضر کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ بولو یہ بے ادبی ہے اور وہابیانہ طریقہ ہے کہ وہابیہ بولتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں'' یہ سب درست نہیں ہے۔

سوال:۔۔۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لوگوں کے مقرر کردہ الفاظ سے اللہ کا نام نہیں رکھنا چاہیے نہ ہی ایسے نام سے اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہیے بلکہ قرآن واحادیث کے نام ہی اللہ کے نام ہیں اور وہ ہے صرف اور صرف ''اللہ'' لہٰذا انگریزوں نے جس طرح گاڈ، ہندوؤں نے بھگوان، ایشور، پرمیشور نام رکھ لیا۔ فارسیوں نے خدا اور خداوند اور پروردگار نام رکھ لیا تو اگر ایشور، پرمیشور، گاڈ، بھگوان کہنا درست نہیں تو پھر پروردگار اور خدا بھی کہنا درست نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ بھی لوگوں کے رکھے ہوئے نام ہیں۔ (غیر مسلم حضرات)

جواب:۔۔۔ خدا یہ عربی کا لفظ نہیں بلکہ عجمی لفظ ہے۔ خدا دراصل ''خود آ'' تھا کیونکہ خدا اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں وہ خود سے آیا۔ اس لیے اسے خدا کہا گیا۔ لفظ ''خدا'' اور

پروردگار یہ کوئی علیحدہ نام نہیں بلکہ دو ناموں کا ترجمہ ہے۔ ''خدا'' یا خداونداور پروردگار یہ مالک اور رب کا ترجمہ ہے۔ ''لفظ پروردگار'' یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم اردو میں کہہ دیں ''اللہ پالنے والا ہے'' یا ''اے پالنے والے'' جس طرح کسی بھی نام کا ترجمہ کر کے دعاء مانگنی اوراس کو پکارنا جائز اسی طرح اللہ کو خدائے تعالیٰ اور پروردگار کہنا جائز ہے بخلاف گاڈ، بھگوان، ایشور، پرمیشور کے نہ تو یہ لفظ کسی نام کا ترجمہ ہیں اور نہ ہی ان کا اپنا ہی کوئی معنی و مقصد ہے۔ یہ سب غیر مسلموں کے ایجاد کردہ خودساختہ نام ہیں لہٰذا ان ناموں سے اللہ کو نہیں پکارنا چاہئے۔ یہ جو بعض جاہل فیشن زدہ مسلمان اکثر او مائی گاڈ، او مائی گاڈ کہتے رہتے ہیں یہ شرعاً مکروہ اور حرام ہے۔ جو تمام جہان کا خالق و مالک ہے وہ پربھو پرمیشور بھگوان نہیں اس کا اصل ذاتی نام اللہ ہے اسی نام سے سب کو اسے پکارنا چاہئے۔

سوال:— سورۂ کہف میں فرمایا گیا: جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تم اس کے لیے کوئی (رشد و ہدایت دینے والا) نہیں پاؤ گے تو لازم آیا کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس کے لیے مرشد ہیں حالانکہ جب رب تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمادی تو اب مرشد کی کیا ضرورت ہے۔ (آزادخیال لوگ)

جواب:— باشرع پیرو مرشد مثل چراغ ہے اگر کسی چیز کی تلاش ہو اور چراغ کے ذریعہ یا کسی ذریعے سے اندھیرے میں مل جائے تو پھر اس کو دیکھنے کے لیے چراغ کی ہر وقت ضرورت ہے۔ ہدایت وہ راستہ ہے جس کا پتہ لگنا بندوں کو ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ راستہ اپنے پیارے بندوں کو دے دیا، دکھا دیا اب اس پر ٹھیک ٹھیک درست طریقے سے ثابت قدم چلنا بندے کا کام ہے اور چلانا اور چلنے کا طریقہ بتانا سمجھانا پیرو مرشد کا کام ہے۔ لہٰذا ہدایت پانے والے بندوں کو ہی پیرو مرشد کی ضرورت ہے۔ جس کے پاس دولت ہوتی ہے اسی کو محافظ کی شدت سے ضرورت ہوتی ہے۔ افسوس آج کل جہلا پیروں نے اس کو حصولِ دنیا کا ذریعہ بنالیا ہے۔ خود محتاج ہدایت ہیں اور خلق کے ہادی بنے بیٹھے ہیں۔ خدا پرستی کی طرف بلانے کے بجائے خود پرستی میں مبتلا ہیں۔ زندگی میں تقویٰ پرہیزگاری کی کوئی جھلک نہیں یہی

وجہ ہے کہ لوگ در دولت پہ خالی ہاتھ آتے ہیں اور خالی ہاتھ واپس چلے جاتے ہیں۔ مریدوں کی زندگی میں بھی کوئی فرق نظر نہیں آتا اور آئے بھی کہاں سے جب سقاوے میں پانی نہ ہو تو نل میں کہاں سے آئے گا۔

سوال:۔۔۔ احادیث میں ہے کہ مسلمان مردوں کو سونے کا زنجیر، انگوٹھی یا زیور پہننا حرام ہے، ایک انگوٹھی بھی سونے کی نہیں پہن سکتے۔ مگر قرآن میں ہے کہ جنت میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یہ حرام کام جنت میں کیوں کیا جائے گا۔

جواب:۔۔۔ مفسرین کرام نے اس سوال کے چار جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ حلال اور حرام ہونا شریعت پاک کا مسئلہ ہے اور شریعت کے احکام صرف دنیاوی زندگی کے لیے ہیں۔ بہت سی وہ زینتیں جو مسلمان مردوں کے لیے دنیا میں حرام ہیں وہ جنت میں جائز ہوں گی۔ دوسرے یہ کہ دنیا میں بھی مسلمانوں کو خود اپنی مرضی اور پسند سے زیور پہننا حرام ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی مسلمان کو زیور پہنائیں تو اس مسلمان کے لیے وہ زیور دنیا میں بھی حلال اور جائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مالک شریعت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختار شریعت ہیں۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سراقہ کو کسریٰ کے سونے کے کنگن پیشگی پہنا دیئے۔ تو گویا وہ کنگن ان کے لیے دنیا میں جائز ہو گئے اس طرح جنت میں کنگن سونے چاندی کے مومن خود نہ پہنے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنایا جائے گا۔ حضرت سراقہ اپنے کنگن پہنے ہوئے دفن کئے گئے۔ میدانِ محشر میں وہ یہی کنگن پہنے ہوں گے جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے۔ تیسرا جواب یہ کہ جنت میں کنگن اس لیے پہنائے جائیں گے کہ اہل ایمان جنتی بادشاہ ہیں تو جس طرح دنیا میں کافر بادشاہ سونے کے کنگن پہنا کرتے ہیں اور اس میں اپنی شان سمجھتے ہیں اسی طرح اہل جنت کو شاہانہ عزت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے سونے کے کنگن پہنائیں گے۔ چوتھا جواب یہ کہ مسلمان مردوں پر دنیا کا سونا حرام ہے نہ کہ آخرت کا۔ جیسے کہ آخرت کا جنتی ریشمی لباس اور جنت کی چوتھی نہر کا شراب حلال ہے۔ جنت میں چار نہریں ہوں گی۔ ا۔ دودھ کی ۲۔ شہد کی ۳۔ پانی کی ۴۔ شراب کی۔ حالانکہ دنیا میں

ریشمی لباس اور شراب حرام ہے۔

سوال:۔۔۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ زیور اور کنگن پہنایا جائے اور لباس خود پہنیں گے دونوں خدا نے کیوں نہیں پہنایا ایک جیسے فعل کیوں نہیں آئے۔

جواب:۔۔۔ اس سوال کے دو جواب ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں یہ جواب فرمایا کہ یہ زیور، یہ کنگن کسی عبادت وعمل کے جزا نہ ہوں گے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی نعمت کرم وفضل ہوگی کہ وہ اپنے اعمال جزا میں یہ خوب صورت لباس پہنیں گے۔ دوم یہ کہ لباس کپڑے ہیں جس میں ضرورت وزینت دونوں ہیں۔ ضرورت تو بدن ڈھانکنا ہے لیکن زینت اس کی خوب صورتی ہے۔ ضرورت میں پردے کی ضرورت ہے اس لیے فرمایا گیا کہ لباس وہ خود پہنا کریں گے تاکہ پردہ قائم رہے۔ لیکن زیور صرف زینت ہے جیسے کہ دولھا دولھن کو زیور پھول ہار سہرا دوسرے لوگ، دوست واحباب عورتیں سہیلیاں پہناتی ہیں لیکن کپڑے جوڑے دولھا دولھن خود ہی پردے میں جا کر پہنتے ہیں۔ نیز کپڑے دوسرے لوگ پہنائیں تو یہ عیب اور شرم کی بات ہے اور پھول ہار خود پہنے تو یہ بھی بڑے شرم کی بات ہے۔ عزت یہی ہے کہ دوسرے لوگ پھول ہار پہنائیں۔ اس طرح اگر کوئی جیت جائے یا کسی کام میں کامیاب ہو جائے تو جیتنے والے کو کسی بڑے آدمی کے ہاتھ سے انعام واکرام دیا جاتا ہے۔ پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے صرف اور صرف عزت افزائی کے لیے حالانکہ وہ خود بھی پھول ہار پہن سکتا ہے۔ یہی عزت افزائی مومن کی جنت میں ہوگی۔ (سبحان اللہ)

سوال:۔۔۔ دنیا بری ہے اور دنیا کی زندگی بھی بری ہے حالانکہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ دنیا کی زندگی اللہ کی نعمت ہے۔ یہ تقابل کیوں۔ (دنیا پرست لوگ)

جواب:۔۔۔ دنیا کی ہر وہ چیز جو اللہ سے غافل کردے وہ بری ہے۔ دنیاوی زندگی جب تک کہ صرف دنیا کے لیے ہے وہ بری ہے لیکن جب اس زندگی میں دین شامل کر لیا جائے بلکہ پوری زندگی کو دین بنایا جائے تو وہ باقیات، صالحات (باقی رہنے والے نیک اعمال) ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اسی کا ذکر کرا احادیث میں ہے۔ موت کے بعد آنکھیں بند ہوتے ہیں۔

دنیا کے کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ ہی دنیا کی چیزیں باقی رہنے والی ہیں جب کہ ہر چیز اپنے اپنے وقت پر فنا اور ختم ہونے والی ہے اور سدا باقی رہنے والی چیزیں صرف نیک اعمال ہیں۔ مومن کو چاہیے کہ اپنی دنیا کو پورے دین بنا لے، مومن کا مقصدِ زندگی دنیا نہ ہو بلکہ دین ہو۔ دیکھو کسان کھیت میں بہت محنت و مشقت اور خرچ کر کے کھیتی کرتا ہے فصل بوتا ہے تو اس کا مقصد بھوسہ گھاس پھوس نہیں ہوتا جب فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے تو کسان کی زیادہ چاہت و محبت دانوں سے ہوتی ہے کیونکہ اسی میں حقیقی نفع ہے اور وہی مقصد بھی ہے۔ باقی چیزوں کو تم پھینک دیتے ہو۔ ہر شخص کو نفع والی چیز پیاری لگتی ہے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کو بھی نفع والا بندہ پیارا ہے۔ کردار و اعمال بندے کے پھل پھول ہیں۔ قیامت میں اچھے پھل ہی باقیاتِ صالحات ہیں جس طرح ہم دانوں کو محفوظ کر لیتے ہیں اور پتوں کو بھوسوں کو جلا دیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی برے لوگوں کے لیے ایک چولھا آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔ اسی کا نام دوزخ ہے۔ اگر انسان کے عقائد و اعمال اچھے نہیں ہوں گے تو وہ اس چولھے کا ایندھن بنایا جائے گا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

سوال:— کوئی کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام فقط نبی ہیں۔ کوئی کہتا ہے رسول بھی ہیں۔ کوئی کہتا ہے نہ نبی ہیں نہ رسول۔ کوئی کہتا ہے صرف عالم ہیں۔ کوئی کہتا ہے فرشتہ ہیں۔ کوئی صرف ولی کہتا ہے اور یہ سارے اقوال دینی کتابوں اور تفسیروں میں ملتے ہیں۔ یہ کیا مصیبت ہے کہ ایک شخص ہے اور اتنے اختلاف۔ اب کوئی کیا فیصلہ کر سکتا ہے کہ کیا صحیح ہے کیا غلط اور پھر ہر شخص دعویدار ہے کہ میرا قول درست ہے۔ لہٰذا صحیح کیا ہے وہ تفصیل کے ساتھ بتائیے۔ (عوام الناس)

جواب:— معترض اپنی شکایت میں حق بجانب ہے۔ واقعی تفاسیر کی کتابوں میں بہت اخلاقی اقوال موجود ہیں جس کی اصلیت و حقیقت ایسے ایسے جاہل اور ابلیس صفت اہل قلم پیدا

ہو گئے ہیں جن کا مقصد ہی امت میں نظر باقی عقائد کا تفرقہ ڈالنا ہے اور جن کی قلم کی خباثتوں نے اسلام کے ہر مسئلے میں اقوال واختلاف کا کثیر الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ ان کی جہالتوں نے نہ قرآن کو چھوڑا نہ احادیث کو۔ نہ تفسیر کو چھوڑا نہ تاریخ کو ہر چھوٹے بڑے مسائل میں جاہلانہ اختلافات کی اتنی بھرمار ہے کہ خدا کی پناہ! یہ تو رب کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے قرآن کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے ورنہ ہمارے یہ قلم کار اللہ کے اس کلام کو بھی معاف نہ کرتے۔ کس کس مسئلے میں آپ شکایت کریں گے۔ بعض مسائل میں تو الٹی سیدھی عقلی استدلالی دلیلیں بھی دی ہیں تو وہ بھی اتنی بھونڈی اور بیہودہ کہ اصل مسئلے کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ یہی کچھ ان جہلائے باطلین نے واقعاتِ خضر علیہ السلام میں کیا ہے۔ ہم نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں اکابر اہل سنت کا مضبوط عقیدہ ونظریہ ومسلک سورۂ کہف آیت نمبر باسٹھ کے تحت بیان کر دیا ہے کہ تمام علما فقہا اور صوفیا کا متفقہ مذہب ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور رسول ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے میں آپ کی ولادت ہوئی۔ حضرت الیاس علیہ السلام آپ کے سگے بھائی ہیں۔ یہ دونوں بنی اسرائیل نہیں بلکہ فارسی النسل ہیں۔ جنہوں نے حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام کو اسرائیلی کہا ہے۔ وہ غلط ہے۔ حضرت الیاس حضرتِ خضر سے عمر میں پانچ سال چھوٹے ہیں۔ آپ کی والدہ اپنے زمانے کی ولیہ کاملہ تھیں۔ شاہی محل چھوڑ کر پہاڑوں، غاروں میں زندگی بسر کی۔ حضرت خضر اور حضرتِ الیاس بس یہی دو بیٹے کل اولاد ہوئی اور دونوں نبی اور رسول ہیں۔ قربِ قیامت تک آپ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر عطا فرمائی۔ کچھ مخالفین کہتے ہیں کہ حضرتِ خضر نبی یا رسول نہیں تھے بلکہ آپ ولی اللہ تھے۔ یا یہ کہتے ہیں کہ فقط ایک عالم تھے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں نبی تھے مگر رسول نہ تھے۔ ان لوگوں کے پاس اپنے اس باطل نظریے کی ثبوت کے لیے کوئی بھی کسی قسم کی دلیل نہیں صرف مخالفانہ عقل درازیاں ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدے کا مسئلہ ہے اس کی نظریہ بندی میں بہت غور وفکر سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔ بحمدہ تعالیٰ ہمارے پاس حضرتِ خضر کی نبوت ورسالت کے ثبوت ہیں۔ قرآن مجید سے مندرجہ ذیل باتیں دلائل ہیں۔

پہلی دلیل:- یہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے: آتینہُ رحمة من عندنا ہم نے اپنے پاس سے خضر کو رحمت دی۔ تمام مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں رحمت سے مراد نبوت ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات سے رحمت سے مراد نبوت ہی لی گئی ہے جیسے کہ سورہ زخرف آیت ۳۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اَهُم يَقسِمُونَ رَحمةَ رَبِكَ ۔ یعنی جب کفار نے کہا کہ قرآن کسی بڑے سردار پر اترنا چاہیے تھا اس دُرِّ یتیم پر کیوں اترا، تو جواباً اللہ نے ارشاد فرمایا کہ کیا یہ کفار آپ کے رب کی نبوتوں کو بانٹتے ہیں جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں اور مثلاً جیسے کہ سورہ قصص آیت ۸۶ میں ارشاد ہے وَمَا کُنتَ نرجوا ان یُلقٰی الیك الکتاب الا رحمة ربك ط۔ اور آپ کو یہ امید نہیں تھی کہ آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر نبوت ملنے کی آپ کو امید تھی۔ دیکھو ان تمام آیات و مقام میں رحمت سے مراد نبوت ہی ہے۔ (تفسیر کبیر۔ امام رازی)

دلیل دوم:- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: قال: هل اتبعك ان تعلّمنی. کیا میں تمہاری اتباع کروں اور ساتھ رہوں تاکہ تم مجھ کو یہ علم سکھا دو۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرتِ خضر علیہ السلام نبی ہیں کیوکہ نبی صرف نبی ہی کی اتباع کر سکتا ہے اس لیے انبیائے کرام کے پاس وحی الٰہی ہوتی ہے۔

دلیل سوم:- حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: کیف تصبر علی مالم تحط بہٖ خبراً. کس طرح صبر کر سکو تم اس شریعت اور قانون کی باتوں پر جس کی حقیقت کا تم کو پتہ نہیں۔ اس کے جواب میں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا لا اَعْصِی لَكَ اَمْرِیْ. یعنی میں تمہارے کسی کام یا کسی بات کی نافرمانی یا مخالفت نہ کروں گا۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ وعدہ صرف اس لیے تھا کہ یہ جو کچھ مجھ کو سکھائیں گے وہ یقیناً وحی الٰہی ہوگی کیونکہ یہ نبی ہیں۔ کبھی کسی غیر نبی سے پیشگی اس طرح کا وعدہ کرنا جائز نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ وعدہ دراصل حضرتِ خضر کی نبوت کا اظہار ہے۔

چوتھی دلیل:- حضرت علیہ السلام نے فرمایا وَمَا فَعَلْتَهٗ عَنْ اَمْرِیْ. یعنی یہ جو کچھ میں نے

کیا اپنی مرضی اور اپنے قلبی ارادے سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکم اور وحی سے ایسا کیا اور وحی صرف انبیائے کرام ہی پر نازل ہوتی ہے۔ اگر آپ ولی اللہ ہوتے تو آپ پر الہامات آتے مگر الہامات ظنی ہوتے ہیں۔ ان پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ خود صاحب الہام ولی اللہ کو بھی اپنے الہام پر یقین نہیں ہوتا۔ اسی لیے وہ اپنے الہامات پہلے قرآن و احادیث اور شریعت کے مطابق بناتے غور کرتے ہیں۔ اگر شریعت کے مطابق ہو تبھی اس پر عمل کرتے ہیں ورنہ رد کر دیتے ہیں۔ جو بغیر سوچے سمجھے اپنے الہام پر عمل کرے وہ گمراہ ہو کر مرتبہ ولایت سے گر جاتا ہے۔ دیکھو سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ نے نور دیکھا اور الہام سنا مگر شریعت کے خلاف سمجھ کر لاحول پڑھا اور رد کر دیا۔ ابلیس حاضر ہو کر بولا اے عبدالقادر تم بچ گئے ورنہ اسی جگہ ستر اولیا اللہ اسی الہام سے مردود و گمراہ ہو کر ولایت سے گر گئے۔ شیطان ابلیس انبیائے کرام کے پاس ایسا کوئی الہام لے کر جا سکتا نہیں۔ حضرتِ خضر علیہ السلام کا اتنے بڑے بڑے کام کرنا، کشتی کے تختے اکھیڑنا، بچہ قتل کر دینا وحی کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ آج کوئی ولی، غوث، قطب ایسا نہیں کر سکتا، نہ کوئی سابقہ اولیا اللہ میں اس کی مثال ملتی ہے۔ انبیائے کرام علیہ السلام تو خواب دیکھ کر بھی بچے کے گلے پر چھری چلا سکتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ یہ کام ہی بتا رہے ہیں آپ کو نبوت دی گئی ہے جو آپ کی نبوت کا انکار کرے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔

پانچویں دلیل:۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو پہچان کر کہ تم بنی اسرائیل کے پیغمبر موسیٰ ہو، تم کو توریت ملی، کلیم اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا جو علم تمہارے پاس ہے وہ مجھ کو نہیں آتا وغیرہ وغیرہ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے خضر تم نے مجھ کو کیسے پہچان لیا؟ حضرتِ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس اللہ نے تم کو میرے متعلق بتایا اسی نے مجھ کو تمہارے متعلق بتایا۔ یعنی تم کو اللہ نے وحی سے بتایا تو مجھ کو بھی اس نے وحی سے ہی بتایا۔ اس طرز تکلم سے اپنی وحی کا اظہار ہے کہ اے موسیٰ تم کو بھی رب کی طرف سے وحی آتی ہے اور مجھ کو بھی، اور تم نبی ہو تو میں بھی نبی ہوں۔ اس موازنے سے نبوت کا ثبوت ملتا ہے۔ ان مضبوط دلائل قرآنیہ سے حضرتِ خضر کی نبوت ثابت ہوتی ہے لیکن قرآن مجید کی انہیں آیات سے آپ کی رسالت بھی

ثابت ہو رہی ہے۔

چھٹی دلیل:- چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا: وَعَلَّمنٰهُ مِنْ الَّدُنَّا عِلَماً. اور خود ہم نے خضر کو علم لدنی یعنی قرب خاص کی تعلیم دی۔ علم لدنی علوم غیبیہ کو کہتے ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے علم لدنی کے بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے اثباتِ علم لدنیہ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے علومِ غیبیہ صرف اپنے رسولوں کو عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احداً الّا من ارتضیٰ من رسولٍ. وہ اللہ ہر غیب کو جاننے والا ہے پس نہیں ظاہر فرماتا ہے اپنے غیب پر کسی کو، مگر اسی کو جس کو چن لیا رسول بنا کر۔ (سورۂ جن آیت ۲۶) اور اس اوپر والی آیت میں لَـدُنَّا کی نسبت الٰہیہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ بلا واسطہ علم سکھایا گیا اور بلا واسطہ رب تعالیٰ سے علم حاصل کرنا انبیائے کرام اور رسولانِ عظام علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ اولیا اللہ کو جو علم لدنی حاصل ہوتا ہے وہ آستانہ نبوت سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر ولی اپنے اپنے نبی علیہ السلام کے دروازے سے علم لدنی پاتا ہے خواہ شکم مادر میں ہو یا بعد ولادت۔ وھباً یا کسباً. ان دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہو گیا کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ حضرت خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں یا برابر ہیں۔ یا حضرت موسیٰ افضل ہیں، تو اس میں صحیح اور با دلائل عقیدہ یہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ صاحب کتاب رسول ہیں اس لیے وہ حضرتِ خضر علیہ السلام سے افضل ہیں۔ لیکن علم میں تو وہ دونوں کا علم علیحدہ علیحدہ ہے۔ خود خضر نے بوقت ملاقات فرمایا تھا کہ اے موسیٰ جو رب کریم نے تم کو علم دیا ہے اس کو میں نہیں جانتا اور جو مجھ کو علم دیا ہے اس کو تم نہیں جانتے۔ اس گفتگو سے ثابت ہو رہا ہے کہ علمیت میں، دونوں بزرگ برابر ہیں۔ مگر علم کی قسم علیحدہ علیحدہ ہے۔ ایک کے پاس صرف شریعت کا ظاہری علم ہے اور دوسرے بزرگ کے پاس طریقت کا باطنی علم ہے۔ حضرتِ خضر نبی ہیں مگر صاحب کتاب نہیں اس لیے مقامِ افضلیت موسیٰ علیہ السلام کی زیادہ ہے۔ یہ دلائل ہم کو تفسیر کبیر، تفسیر روح البیان وغیرہ سے حاصل ہوئے۔ میں نے بہت سی کتابیں دیکھیں مگر منکرین نبوت خضر کی ایک بھی دلیل نہ ملی۔ بجز اس کے کہ ہم ان کو

نبی نہیں مانتے۔ یا یہ کہ نبوت والی دلیلیں ضعیف اور کمزور ہیں مگر وجہ کمزوری بھی بیان نہ کر سکے۔ یہ تو ان سے گفتگو تھی جو حضرتِ خضر علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہیں۔ لیکن بعض لوگ حضرتِ خضر کے لمبی عمر کے بھی منکر ہیں۔ اس لیے خضر علیہ السلام کے درازیٔ عمر کے دلائل بھی سوال کے جواب میں آپ کو ملے گا۔

سوال:۔۔۔ اگر حضرتِ خضر علیہ السلام کی تا قیامت لمبی عمر ہے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیوں نہ کی۔ صحابی ہو کرامتِ مصطفیٰ میں شامل کیوں نہ ہوئے۔ آپ کے پیچھے نمازیں اور جمعہ کیوں نہ پڑھے، جہادوں میں شریک کیوں نہ ہوئے؟ تیمیائی)

جواب:۔۔۔ یہ ایک لایعنی اور بیہودہ سوال ہے بہر کیف! ہم اپنے دلائل پیش کرتے ہیں۔ تفسیر روح المعانی پ۱۵، ص۳۲۲ پر ہے عَنْ جابرٍ قالَ لمّا توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واجتمع الصحابۃ دخل رجل اشھب اللحیۃ جِسْمٌ صَبِیْحٌ فتفسطٰی رقابھم فبکٰی. فقال ابو بکر و علی رضی اللّٰہ عنھما ھٰذا خضر علیہ السلام. مستدرک حاکم نے حضرت جابر سے روایت کیا کہ جب آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصالِ پاک ہوا اور تمام صحابہ کرام ایک جگہ جمع ہوئے تو ایک شخص نہایت چمکدار پھیلی ہوئی داڑھی شریف والے، پیارے جسم اور خوب صورت شباہت والے تشریف لائے۔ سارے صحابہ کی گردنیں انہیں دیکھ کر جھک گئیں۔ وہ صاحب خوب روئے اور صحابہ سے کچھ غمگین لہجے میں گفتگو فرمائی۔ پھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکر اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حضرتِ خضر علیہ السلام تھے۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کی عمر اتنی لمبی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک زندہ تھے جو تقریباً تین ہزار سال بنتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ نبی ہیں ورنہ صحابہ کرام کی گردنیں ان کے احترام میں کیوں جھکتیں۔ صحابہ کرام تو دنیا کے تمام ولیوں، غوثوں اور قطبوں سے افضل ہیں۔

دوسری دلیل یہ کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الزھر النضر فی حال الخضر ص

۹۵ پر ابن عدی کامل جرجانی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسجد میں تشریف فرماتھے کہ ایک کونے سے کسی دعا مانگنے والے کی آواز سنی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی دعا میں دوسروں کو بھی شامل کرلو۔ ان صاحب نے دعا کو حکم کے مطابق اس طرح شروع فرمادیا۔ پھر نبی کریم نے حضرت انس بن مالک کو فرمایا: کہ اے انس ان صاحب کے پاس جاکر کہو کہ تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے امت کے لیے بھی استغفار مانگو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جا کر کہا: تو ان صاحب نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہو۔ کہا: ہاں میں نبی پاک کا قاصد ہوں۔ ان صاحب نے فرمایا تم خدمت اقدس میں واپس جا کر سلام عرض کرو کہ وہ صاحب عرض کرتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو تمام انبیا پر فضیلت بخشی ہے جس طرح ماہِ رمضان کو تمام مہینوں پر اور آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت بخشی ہے، جس طرح جمعہ کے دن کو تمام دنوں پر۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ اچانک پتہ لگا کہ وہ حضرتِ خضر علیہ السلام تھے۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ حضرتِ خضر علیہ السلام بارگاہِ اقدس میں حاضری دیتے اور آپ کی فضائل وعظمت بیان فرماتے رہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت انس کو بھیجنا اور خود نہ جانا نہ ان کو اپنے قریب بلانا صرف حضرت انس کو بتانا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود جانتے تھے کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر نے حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں زیادہ حقدار ہوں کہ نبی پاک کی خدمت میں حاضری دوں مگر تم میرا سلام نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا۔ اس وقت بھی خضر علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی فرمائی اور دعا مانگی کہ اے اللہ مجھ کو بھی اس ہدایت والی امت مرحومہ میں شامل فرما۔

چوتھی دلیل یہ کہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم غزوہ تبوک کے موقع پر آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ ہم علاقہ جزام میں پہنچے اور ہم کو سخت پیاس لگی۔ ہم وہاں ایک تالاب کے پاس پہنچے، جب ایک تہائی رات ہوئی تو ہم نے کچھ دور سے کسی صاحب کی آواز سنی جو دعا مانگ رہے تھے کہ مولیٰ مجھ کو امت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم سے بنادے جو مغفور، مستجاب اور مبارک ہے۔ یہ آواز سن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حذیفہ اور اے انس تم دونوں اس گھاٹی میں جاؤ اور دیکھو یہ کس کی آواز ہے۔ جب ہم دونوں وہاں گئے تو دیکھا کہ ایک بزرگ نہایت اونچے لمبے سفید لباس اور سفید ہی جسم وچہرہ، ہم نے ان کو سلام عرض کیا تو انہوں نے مرحبا کہہ کر پوچھا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہو؟ ہم نے کہا ہاں مگر آپ کون ہیں؟ فرمایا میں الیاس نبی ہوں۔ لشکر اسلام دیکھنے آیا ہوں۔

پانچویں دلیل یہ کہ ابن شاہین نے کتاب الجنائز میں روایت نقل فرمائی کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک میت کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تھے کہ پیچھے آنے والے نے آواز دی کہ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ نماز میں جلدی نہ کرنا، تھوڑا انتظار کر لینا، تو فاروق اعظم نے انتظار فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ صاحب صف میں شامل ہو گئے۔ فاروق اعظم نے تکبیر پڑھ کر نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد ان شامل ہونے والے صاحب نے دعا مانگی تو فاروق اعظم اور تمام موجودہ صحابہ نے ان صاحب کی طرف دیکھا۔ پھر دفن کے وقت انہوں نے کچھ دعائیں پڑھیں۔ فاروق اعظم نے لوگوں سے فرمایا کہ ان صاحب کو میرے پاس لاؤ، ہم ان سے کچھ باتیں کریں۔ لوگ ان کی طرف دوڑے تو وہ ان کے نشانِ قدم کے سوا کچھ نہ پا سکے اور گز گز بھر کے فاصلے پر نشانِ قدم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم یہ وہی خضر تھے جن کا ذکر نبی پاک نے ہم سے بیان فرمایا تھا۔

چھٹی دلیل یہ کہ امام اسحاق بن ابراہیم خفگی نے اپنی کتاب ''الرماع'' میں لکھا ہے کہ عسقلان کا ایک شخص بیت المقدس میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے مجھے سنایا کہ میں ایک دفعہ اردن کے سہرا میں سفر کر رہا تھا کہ ایک شخص کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا۔ ان پر بادل نے سایہ کیا ہوا تھا۔ میرے دل میں قدرتی خیال پیدا ہوا کہ یہ حضرت نبی الیاس علیہ السلام ہیں۔ میں ان کے قریب آیا اور سلام کیا۔ انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر میرے سلام کا جواب عطا فرمایا۔ میں نے عرض کیا، اللہ آپ پر رحمت فرمائے آپ کون ہیں؟ انہوں نے میری بات کا جواب

نہیں دیا تو میں نے پھر ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں الیاس نبی ہوں۔ یہ سن کر میں بہت ہی مرعوب ہوگیا۔ میں نے ان سے کچھ دعائیں پوچھیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اب بھی آپ کے پاس وحی آتی ہے؟ فرمایا جب سے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے کسی پر بھی وحی نہیں آتی۔ میں پہلے اپنی قوم اہل بعلبک کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ میں نے عرض کیا: کوئی اور بھی نبی ابھی تک دنیا میں باحیات ہیں۔ فرمایا: چار نبی ہیں۔ میں اور خضر زمین میں اور ادریس وعیسیٰ آسمان میں۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ کی ملاقات خضر سے ہوتی ہے؟ فرمایا: ہاں ہر سال عرفات میں حج کے ایام میں۔ میں نے عرض: کیا دنیا میں ابدال کتنے ہوتے ہیں؟ فرمایا: ساٹھ اور ایک روایت میں چالیس بھی آیا ہے۔ (زہر النضر فی حالِ الخضر، ص ۱۴۳)

ساتویں دلیل یہ کہ محدث ابن عساکر نے روایت کیا سند صحیح سے کہ امام ابوزرع نے فرمایا کہ جب میں جوان ہوا تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی داڑھی مبارک میں مہندی لگی ہوئی تھی۔ فرمایا اے ابوزرع امیروں کے دروازے پر مت جایا کر۔ پھر جب میں بہت بوڑھا ہوا تب دوبارہ انہیں بزرگ کی ملاقات ہوئی تو مجھ کو فرمایا کیا میں نے تجھ کو منع نہیں کیا تھا۔ امرا کے دروازوں سے راوی نے کہا کہ پھر وہ دوسری طرف متوجہ ہو گئے اور میری نظروں سے اچانک غائب ہو گئے۔ گویا کہ زمین میں چلے گئے۔ میرا پکا خیال ہے کہ بے شک وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنی کتاب ''اخبارِ خضر'' میں کہ میں بیت المقدس میں تھا تو میں نے حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام کو دیکھا۔ یہ تمام دلائل حضرتِ خضر کی درازیٔ عمر کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ''زہر النضر فی حالِ الخضر' سے منقول ہیں۔ تفسیر روح المعانی سے بھی نقل ہیں۔ لہٰذا ان شواہد و براہین کے بعد رب کی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ قرآن و احادیث، فقہ و تفسیر، تاریخ و مشاہدات کی مضبوط دلائل سے حضرت خضر کی نبوت اور تا قیامت آپ کی لمبی عمر ثابت کر دی اور واضح کر دیا کہ تمام مسلمان اکابرین علما، صوفیہ، ائمہ مجتہدین، صحابہ و تابعین اور ان کے بعد تمام مسلمین کا یہی عقیدہ ہے۔ مگر مسلمانوں کی بدنصیبی اور فرقہ بازی اس دن سے شروع ہوئی جس دن ماہ صفر بروز منگل

۶۶۱ھ میں نجد کے ایک گاؤں حران میں تقی الدین ابن تیمیہ پیدا ہوئے۔ اس نے فقط خضر علیہ السلام کی نبوت اور حیات دراز کا انکار کیا اور صرف یہی نہیں بے شمار بدعتیں اور اختلافات اسلامی مسائل و عقائد میں پیدا کئے بلکہ ہر مسئلے ہی کو بیہودہ اور جاہلانہ اختلافات سے الجھایا اور خراب کیا۔ اس کا جنم و پرورش معتزلی ماحول میں ہوا۔ یہ دست مسلمہ کی تخریب کاری اسی کا اثر بد تھا۔ اس کی کچھ باطل نظریات مندرجہ ذیل ہیں جو اس کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ مثلاً اس نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور آسمان سے اسی طرح اترتا چڑھتا ہے جس طرح میں ممبر سے۔ عرش و کرسی اللہ نے اپنے بیٹھنے کے لیے بنائی ہے اور جب وہ کرسی پر بیٹھتا ہے تو کرسی چوں چوں کرتی ہے۔ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔ غائبانہ نماز جنازہ کا اسی نے رواج دیا۔ مزارات پر فاتحہ خوانی کو قبر پرستی قرار دیا۔ صحابہ کرام کی غلطیاں نکالا کرتا تھا۔ آج بھی اس کے پیروکار صحابہ کرام پر تنقید کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو مجدد، مجتہد اور شیخ الاسلام کہتا تھا۔ حنبلی مسلک، مذہب کا مقلد ہونے کا دعویدار تھا۔ تمام علما و فقہا یہاں تک کہ خود حنبلی علما بھی اس کو گمراہ، ملحد اور مجنوں کہتے تھے۔ اس کے باوجود بھی جہلا نے اس وقت سے لے کر آج تک کثرت سے اس کا ساتھ دیا۔ ایسی اندھی عقیدت اس کے ساتھ لگائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا وہ ادب و احترام نہیں جو ابن تیمیہ کا اس کے متبعین کے دلوں میں ہے۔

بہر حال! جہاں تک دلائل کا تعلق ہے تو ہم نے مضبوط دلائل قرآن و احادیث سے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت اور لمبی عمر پر ثبوت پیش کر دیئے اور مخالفین کے ناقص دلیلوں کا مدلل جواب دے دیا۔ اب کسی تیمیائی کے بولنے کی جرأت و ہمت نہ ہوگی۔

سوال:۔۔۔ اتباع کی تعریف بعض لوگ اس طرح کرتے ہیں، کسی کی مثل یا مشابہ کام کرنا تو ہم سب مسلمان کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ بھی یہی کلمہ پڑھتے تھے، تو کیا ہم یہودیوں کی اتباع کرتے ہیں حالانکہ مذہبی اتباع تو کسی غیر مسلم کی جائز نہیں ہے؟ (بعض حضرات)

جواب:۔۔۔ اتباع کا معنی مثلیت یا مشابہت نہیں، نہ کسی اہل لغت نے یہ معنی کئے ہیں

بلکہ اتباع کا لغوی معنی اور اصطلاحی و شرعی معنی یہ ہے کہ کسی کو بے عیب اور پاک دامن سمجھ کر اس کے نقش قدم پر چلنا نقل اور پیروی کرنا، لہٰذا ہم مسلمان کلمہ پڑھنے میں یہود و نصاریٰ تو درکنار، کسی سابقہ نبی و رسول کی بھی اتباع و پیروی نہیں کرتے۔ ہم تو صرف اپنے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کرتے ہیں۔ اسی لیے پورا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں نہ کہ لفظ لا الٰہ الا اللہ۔ اور نہ ہی کوئی فقط آدھا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو سکتا ہے۔ دنیا میں ہر طرح ہر عیب سے پاک اور جن کا قول دینی و دنیاوی اعتبار سے بالکل صحیح ہو وہ صرف انبیائے کرام کی ذاتِ بابرکات ہے اس لیے کہ انسانوں میں صرف انبیائے کرام ہی معصوم ہوتے ہیں اور معصوم ہونے کا معنی ہے کہ گناہ اور شرعی غلطی ان حضرات سے محال و ناممکن ہے۔ یہ مقدس ہستیاں گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتیں۔

سوال:— بھیک مانگنا تو ہر شریعت میں حرام ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام نے آذر بائیجان کے بستی والوں سے کھانے کی بھیک کیوں مانگی؟ آج تمام بھکاری بھی کھانا ہی مانگتے ہیں۔

جواب:— یہ بھیک نہ تھی بلکہ حق مسافرت تھا جو طلب کرنا جائز تھا اور بستی والوں پر دینا حق بنتا تھا اور یہ طلب ضرورتاً تھی نہ کہ محض عادتاً یا تفریحاً۔ مگر رواجی پیشہ ور گداگروں کی طلب بلاضرورت محض عادتاً ہوتی ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار مانگنے والے کی آواز سنی تو آپ نے اسے کھانا کھلانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی آواز پھر سنائی دی، معلوم ہوا کہ یہ وہی بھکاری ہے اور کھانا کھانے کے بعد اب پھر مانگتا ہے۔ آپ نے اس کو بلوایا اور دیکھا تو اس کی جھولی روٹیوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ نے جھولی کا ایک سرا پکڑا اور اسے اونٹو کے آگے جھاڑ دیا اور فرمایا کہ تو سائل نہیں بلکہ تاجر ہے۔ ایسے پیشہ ور بھکاریوں کو نہ دینا بہتر ہے۔ احادیث مبارکہ میں ڈیڑھ سو روایات بھیک مانگنے کی مذمت میں آئی ہیں مگر آج سب سے زیادہ مسلمان ہی آپ کو بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔ ہاں جو سخت مجبور ہو، مفلوج ہو، کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہو یا دو وقت کی روٹی نہ کما سکتا ہو اس کی بات الگ

ہے، مگر جو تندرست ہو، ہٹا کٹا ہو اس کو بھیک دینا حرام ہے اور ایسوں کو دینا بھی جائز نہیں۔

سوال:۔۔۔ قرآن کی تفاسیر میں ہے کہ جوگی، راہب، سادھوؤں کی عبادتیں بیکار ہیں، مثلاً ترک دنیا (سنیاس) الٹا لٹک کر عبادت، تپسیہ، فاقہ کشی، کنویں لٹکنا، گھاس پھوس کھا کر گزارہ کرنا اور عبادت میں مشغول رہنا وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ عبادتیں بعض اولیا اللہ نے بھی اپنی زندگی میں کیں۔ مثلاً خواجہ اجمیری، صابر کلیری، سلطان باہو، پیرانِ پیر، غوث اعظم وغیرہ جیسا کہ ان بزرگوں کی سوانح حیات میں لکھا ہے۔ جب یہ عبادتیں عنداللہ ناجائز ہیں تو ان اولیا اللہ نے کیوں کیں؟ (آریہ)

جواب:۔۔۔ چند مجذوبین کے سوا کسی بھی ولی اللہ سے اس قسم کی عبادت و ریاضت ثابت نہیں۔ وہ بھی صرف حالت جذب میں۔ ایسی باتیں بعض مصنفین کی جھوٹی اور بناوٹی ہیں۔ اسلام کی تو اپنی ایسی دن رات کی عبادتیں ہیں کہ کوئی مسلمان ان کو چھوڑ کر جنگل میں جا کر ترک دنیا (سنیاس) نہیں کرسکتا۔ بھلا کوئی ولی اللہ ایسا کس طرح کرسکتا ہے۔ تمام اولیا اللہ مسجدوں، مکانوں، برجوں اور گوشوں میں عبادتیں کر کے ولایت کبریٰ کے مقام کو حاصل کئے ہیں اور ان کی بھوک بھی فاقہ کشی نہیں بلکہ روزہ ہے۔

سوال:۔۔۔ روایتوں میں آتا ہے کہ فرشتے چار جگہ نہیں جاتے (۱) جہاں کتا ہو، (۲) جہاں کسی جاندار کی تصویر ہو، (۳) جہاں بدبو ہو، (۴) جہاں ننگا بدن مرد یا عورت ہو۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت مریم کے پاس کیوں آئے حالانکہ حضرت مریم غسل کر رہی تھیں اور غسل ننگے بدن ہی کو ہوتا ہے؟

جواب:۔۔۔ اس سوال کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ آپ وہاں غسل کے لیے نہ گئیں تھیں بلکہ عبادت کے لیے گئیں تھیں۔ دوم یہ کہ غسل کے لیے گئی تھیں مگر ابھی غسل شروع نہ کیا تھا صرف پہنچی ہی تھیں اور بالباس تھیں۔ سوم یہ کہ غسل سے فارغ ہو کر کپڑے پہن چکی تھیں، باہر نکلنے ہی والی تھیں۔ یہ جواب صحیح اور قوی ہے۔

سوال:۔۔۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر حضرت مریم ڈر گئیں اور کہا کہ

ڈرنا اور اللہ کی پناہ تو فاسق و فاجر اور بدکار آدمی سے مانگی جاتی ہے، نیک لوگوں سے تو پناہ مانگنا درست نہیں تو پھر آپ نے ڈر کر پناہ کی دعا کیوں مانگی؟

جواب:—یہ ٹھیک ہے کہ پناہ کی دعا فاسق و فاجر سے بچنے کے لیے مانگی جاتی ہے لیکن یہ دعا نہیں بلکہ سامنے موجود شخص سے ملتجیانہ انداز میں سوال ہے اور اس کے اچھے برے ارادے کا اندازہ کرنا ہے اور پتہ لگانا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے برا ہے یا اچھا ہے۔ جان کر آیا ہے یا بھولے سے اور چونکہ ایسی التجاؤں کا اثر ان ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو دل کے نیک اور اچھے ہوں۔ ایسی التجاؤں اور اللہ کا خوف دلانے سے دل کا متقی پرہیزگار آدمی باز آ جاتا ہے۔ اس وقت تک حضرت مریم نے جبرئیل علیہ السلام کو پہچانا نہیں تھا۔ یہاں پر یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلام میں عورت پر پردہ فرض ہے مگر صرف بالغ اجنبی غیر محرم انسان سے، فرشتوں، جناتوں اور جانوروں سے پردہ فرض نہیں۔

سوال:—موت کی تمنا گناہ ہے تو پھر حضرتِ مریم رضی اللہ عنہا نے یہ کیوں کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی؟

جواب:—موت کے لیے دعا کرنا گناہ ہے اور دعا زمانہ حال کے لیے ہوتی ہے یا مستقبل کے لئے۔ حضرت مریم کا یہ قول زمانہ ماضی کے لیے تھا اور تمنا تھی نا کہ دعا اور ان حالات میں اپنی موت کی خواہش و تمنا بالکل جائز ہے کہ یہ زمانہ ماضیہ کی خواہشیں ہیں۔ لہٰذا یہ سوال غلط ہے۔

سوال:—حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی کہ ایک باعزت پاکدامن عورت کو بے پردہ کر کے ساری قوم کے سامنے بدنام اور تا قیامت رسوا کر دیا گیا؟ کیا اپنی قدرت و طاقت کے اظہار کے لیے کسی نیک خاتون پاکدامن عورت کو بدنام کرنا مناسب ہے؟ یہ بھی کوئی انصاف ہے؟ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ (نیچری و منکرین معجزات)

جواب:—پہلی بات تو یہ ذہن نشیں رہنا چاہیے کہ تمام انبیاء، اولیا اور ہم تم سب مخلوق فقط اللہ ہی کی مخلوق و مملوک ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے استعمال کرے، کسی کو دم مارنے کی

مجال نہیں ہے۔دوم یہ کہ ولادتِ مسیح اور اس کے لیے حضرت مریم کا انتخاب کر دینے میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ایک یہ کہ زمانہ عیسوی کے لوگ بنی اسرائیل، یہودی اپنی فنکار صنعت کاری شعبدہ بازی اور علم طب میں بہت ماہر و کاریگر تھے۔جالینوس، ارسطو، افلاطون جیسے عظیم حکیم اسی دور میں گذرے ہیں اور ان کو اپنی اس علمی قابلیت پر بہت ناز تھا اور ایسے علم قیافہ کے ماہر تھے کہ چہرے کو دیکھ کر پیٹ کی کھائی ہوئی خوراک کا صحیح اندازہ لگا لیتے تھے۔یعنی غذا و خوراک کا وہ دقیق اثر جو کھانے کے بعد فوراً چہرے پر نمودار ہوتا ہے۔اس کو اپنے علم قیافہ سے معلوم کر لیتے تھے۔ان کو اپنے فن پر غرور و تکبر اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ سمجھتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی نہیں۔یہاں تک کہ اللہ کے قدرتوں کے منکر تھے اور اعلانیہ کہتے تھے کہ ہم اتنے بڑے فنکار ہو کر بھی اسباب کے محتاج ہیں تو اللہ بھی اسباب کے سہارے پر تخلیق فرماتا ہے۔مثلاً بادل برسے گا تو اللہ تعالیٰ کھیت میں پودے وغیرہ اگا سکتا ہے، بیج پڑتا ہے تو اللہ پودا نکالتا ہے، میاں بیوی کا ملاپ ہوتا ہے تبھی اللہ بچہ پیدا کر سکتا ہے۔ان اسباب کے بغیر تخلیق ناممکن ہے۔ان تمام کفریات میں بنی اسرائیل مبتلا ہو چکے تھے۔علم طب کی بڑھتے ہوئے عروج کو دیکھ کر لوگ گمراہ ہو چکے تھے۔ان تمام بدعقیدگیوں اور کفریات کو توڑنے کے لیے کنواری پاک مریم کی بطن مقدس میں معصوم و عفت سے آناً فاناً چند لمحات میں ایک انسان کامل کو بشکل عیسیٰ مسیح علیہ السلام تخلیق فرمایا اور تمام انسان کو اس نے بتا دیا کہ اے دنیا والو! تمہارا رب اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا کر سکتا ہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قدرتِ کاملہ کا ظہور چار طریقے سے فرمایا ہے (۱) بغیر ماں باپ کے پیدا کیا جیسے حضرتِ آدم علیہ السلام، (۲) بغیر ماں کے پیدا کیا جیسے حضرت حوا رضی اللہ عنہا، (۳) بغیر باپ کے پیدا کیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، (۴) اور ماں باپ کے ذریعہ پیدا کیا جیسے ہم اور آپ۔گویا تخلیق انسان چار طرح کر کے اس نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا۔ان اللہ علی کلی شئٍ قدیر۔

سوال:— قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے یا کوئی چیز وجود میں لانا چاہتا ہے تو کُن (ہو جا) فرماتا ہے اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔یعنی لمحہ بھی دیر نہیں

لگتی۔لیکن آسمانوں کو چھ دن میں بنایا گیا۔تو یہاں دیر کیوں؟

جواب:— ایک ہے قانون اور ایک ہے قدرت۔ وہاں قانون کا ذکر ہے، یہاں قدرت کا۔یعنی قانون یہ ہے کہ ہر چیز آہستہ آہستہ بنائی اور اُگائی جائے لیکن قدرت وقوت آنِ واحد میں سب کچھ کر سکتی ہے۔لہٰذا نہ آیت میں تضاد ہے نہ تعارض۔نوعیت مختلفہ کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہے۔

سوال:—احادیث میں ہے کہ کفار و مشرکین کو سلام کرنا منع ہے اور ہماری شریعت ملت خلیل علیہ السلام کے مطابق ہے تو پھر حضرتِ خلیل علیہ السلام نے اپنے کافر چچا کو سلام کیوں کیا؟

جواب:— کفار و مشرکین کو سلام و دعا منع ہے۔ یہ سلام سلامِ متارکہ یا سلام نفرت و علیحدگی ہے۔جب کوئی شخص کسی سے رشتہ تعلق توڑنا چاہتا ہے تو کہتا ہے آج سے اے فلاں تم کو سلام۔اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔بعض نے کہا یہ کہ یہ سلام تالیف قلب کے لیے تھا تا کہ محبت آمیز نرم سلوک سلام و دعا سے سخت دل چچا کا دل نرم پڑ جائے اور ایمان پر آمادہ ہو جائے۔اور بعض مفسرین نے یہ لکھا بھی ہے کہ چچا نے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا اور اپنے لیے دعا کرنے کے لیے کہا تھا۔

سوال:— کافر و مشرک کے لیے مغفرت کی دعا مانگنی حرام ہے تو پھر ابراہیم علیہ السلام نے کیوں کہا کہ میں تمہارے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کروں گا بلکہ رب اغفر لابی کہہ کر دعا بھی مانگی؟

جواب:— کافر و مشرک کے لیے اس کی زندگی میں اس کے لیے مغفرت و ہدایت کی دعا مانگنا جائز ہے لیکن مرنے کے بعد دعائے مغفرت مانگنا حرام ہے۔اس کی وجہ یہ کہ کفر و ایمان کا دارومدار خاتمہ اور موت پر ہے۔جب تک کافر زندہ ہے اس کے ایمان کی امید ہے۔ لہٰذا دعا جائز ہے۔لیکن جب مر گیا تو اب کفر پر خاتمے کا یقین ہو گیا اور یقینی کافر کے لیے دعائے مغفرت حرام بلکہ ایسے کافر کو سلام کرنا بھی حرام ہے۔اسی طرح جس زندہ کافر کے کفر پر خاتمے کا بذریعہ وحی یا کشف یا الہام پتہ لگ جائے اس کے لیے بھی دعائے مغفرت حرام ہے۔

جیسا کہ جب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چچا کے خاتمے کا علم نہ آیا کہ یہ کفر پر مرے گا اس وقت تک مغفرت و ہدایت کی دعا مانگتے رہے کہ اے اللہ اس کو معاف کر دے، توفیق توبہ و ایمان عطا فرما دے۔ مگر جب اللہ کی طرف سے علم آ گیا تب پھر آپ نے قطعاً ذرہ بھر دعا نہ کی۔ ہاں البتہ مومن مسلمان کے لیے زندگی میں بھی دعائے مغفرت جائز ہے اور بعد وفات بھی۔ قرآن خوانی ختم وغیرہ مغفرت کی ہی ایک شکل ہے۔

سوال: — جب اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا تو پھر فرعون کی ایمان کی تبلیغ کے لیے حضرت موسیٰ و ہارون کو کیوں بھیجا گیا؟

جواب: — اس لیے کہ اتمام حجت ہو جائے اور تا قیامت لوگوں کو پتہ لگ جائے کہ فرعون کا غرق ہونا درست تھا۔ نیز بد بخت کی اور خوش بخت کی چھانٹ ہو جائے اور اس تبلیغ سے اہل سعادت فائدہ پالیں اور مبلغین کو ثواب مل جائے اور آئندہ کے لیے مسئلہ معلوم ہو جائے کہ کوئی مانے یا نہ مانے مگر تبلیغ کرتے ہی رہنا چاہیے۔

سوال: — مفسرین وعلمائے دین فرماتے ہیں کہ کل قیامت میں کافر کا کوئی سفارشی نہ ہوگا، نہ کوئی شفاعت کرے گا، حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ ابولہب کو ہر پیر کے دن عذاب قبر میں تخفیف ہوتی ہے اور وہ شہادت کی انگلی سے جنت کا پانی پیتا ہے، مزے کرتا ہے۔ اسی طرح ابوطالب کے متعلق روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جہنم میں پایا تو کھینچ کر باہر جہنم کے چھیڑے میں رکھ دیا جہاں بہت ہلکا عذاب ہے۔ تو یہ شفاعت ہوگئی حالانکہ یہ ایمان نہیں لائے تھے۔

جواب: — ابولہب کی تخفیف عذاب کسی کی سفارش یا شفاعت سے نہیں بلکہ اس فیضانِ الٰہیہ سے ہے جو آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دیا جا رہا ہے۔ بغیر کسی شفاعت کے، نیز یہ انگلی سے نکلتا پانی جنت کا نہیں بلکہ قدرتی ہے اور پھر عذابِ قبر سزائے اعمال نہیں، وہ عذاب آخرت میں ہوگا۔ شفاعت صرف اسی کے لیے ہوگی۔ عذابِ قبر کی تخفیف سے قانونِ شریعت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور ابوطالب کے متعلق فقہا، علما کا اختلاف ہے۔ اکثر اسی مسلک پر ہیں

کہ ان کو لعن وطعن نہ کیا جائے کیونکہ انہوں نے ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی شفقت سے پرورش کی ہے۔

سوال:۔۔۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیا کو بشر (آدمی) کہنا جائز ہے۔ اسی طرح نبی کو بڑا بھائی کہنا بھی جائز۔ لہٰذا ہمارے بڑوں نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بڑا بھائی لکھا یا کہا، وہ بالکل درست ہے۔ بریلوی، سنی مسلمانوں کا یہ کہنا ہے کہ انبیا کو بشر یا عام انسان یا گنہگار کہنا، یہ عقیدہ باطل اور غلط ہے۔ قرآن کے خلاف ہے اور انبیائے کرام کی شان میں گستاخی و بے ادبی ہے۔ (وہابی، دیوبندی، چکڑالوی، نیچری)

جواب:۔۔۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کسی مسلمان امتی کو جائز نہیں کہ کسی بھی نبی کو بشر یا انسان کہہ کر خطاب کرے یا جلسے، تقریروں، تحریروں میں بشر بشر کی رٹ لگاتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو بشر یا انسان کہہ کر خطاب نہ فرمایا نہ اس کا قرآنِ مجید میں کہیں ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ خلقت آدم کا ذکر فرماتے ہوئے بشریت کا ذکر صرف اصلیت بتانے کے لیے فرمایا اور وہ بھی اس وقت جب کہ آدم ابھی نبی نہ بنائے گئے تھے اور حقیقت یہ ہے آدم کو بعد میں نبوت ملنے کی وجہ سے اور حکمت بھی یہ ہوسکتی ہے کہ نبی کو بشر نہ کہا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم کو بھی بشر نہ فرمایا۔ اور نبی کو عاصی یا گنہگار کہنا یہ شرعی اعتبار سے بدترین کفریہ گستاخی ہے۔ اس لیے تمہارے جن بیس بڑوں نے لکھا کہ نبی صرف بھائی ہوتا ہے، نبی کی عزت بڑے بھائی سے زیادہ نہ کرو، یہ کفریہ عقیدہ ہے۔ یہ لوگ اپنا کفر بچانے کے لیے آیتیں تو بنا نہیں سکتے لیکن جھوٹی خوابیں، جھوٹی حدیثیں خوب بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ اپنے اس کفری عقیدے کو بچانے کے لیے دو حدیثیں بنالیں (۱) بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم مومنوں کی مائیں نہیں بلکہ ان پر ابدی حرام ہیں (از وہابی تفسیر کشاف)۔ اس جھوٹی روایت سے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو منکر فرمانِ قرآن بنایا گیا کہ قرآن کہے کہ نبی کی ازواج مطہرات تمام اہل ایمان کی مائیں ہیں مگر صدیقہ کہیں کہ ہم مائیں نہیں۔ ابدی حرام تو بہن بھی ہوتی ہے۔ (۲) ظالموں نے دوسری حدیث یہ بنائی کہ نبی کریم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم

لوگ میرے صحابہ ہو مگر جو میرے بعد مسلمان ہوں گے وہ میرے بھائی ہیں حالانکہ ابو داؤد شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ. میں قیامت تک امت کے لیے والد کے درجے میں ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام خود فرماتے ہیں:

ظاہر میں میرے نخل حقیقت میں میرے پھول
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

سوال:—— اس کی کیا وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے ایک بار ذرا سی لغزش کر لی تو رب تعالیٰ نے مشہور کر دی اور آپ کے نسل میں لاکھوں آدمی رات دن ہزاروں بڑے بڑے کفریات و گناہ کرتے رہتے ہیں۔ مگر رب تعالیٰ پردہ پوشی فرماتا رہتا ہے۔

جواب:—— اس کی تین وجہ ہے۔ ایک یہ کہ آدم کی خطا اگرچہ چھوٹی تھی مگر اس کا نتیجہ بہت بڑا وسیع و سخت تھا کہ سارے عالم پر محیط ہو گیا۔ دوم یہ کہ آدم کی خطا ظاہر کرنے میں حکمت ربانی تھی کہ اس مشہوری سے آئندہ نسل انسانی کو انسانیت سکھانی بتانی تھی اور انسانوں کو بچانا خبردار کرنا تھا کہ تم سب بشر ہو اور یہ بشری کمزوریاں ہیں۔ تم کمزور، بھولے، بیوقوف اور تمہارا دشمن ابلیس انتہائی چالاک، مستعد اور طاقتور اس کی دشمنی اتنی سخت اور ہر وقت۔ آدم کا اس وقت جنت سے نکلنا یا نکالا جانا تو اتنا نقصان دہ نہیں ہے لیکن آئندہ شیطان نے تم کو ورغلایا اور تم نے اس کا کہنا مانا تو پھر جنت سے ہمیشہ کے لیے محرومی ہوگی۔ ابھی تو جنت سے نکل کر زمین پر آئے ہو جہاں ہزار طرح کے عیش و آرام اور انعام ہیں لیکن اگر پھر محروم ہوئے تو سیدھا جہنم میں جاؤ گے۔ سوم یہ کہ آرام اور مقام آدم میں دیگر انسانوں کے مقابل بہت فرق ہے۔ حضرت آدم مقربین بارگاہِ الٰہی و مسجودِ ملائکہ تھے اور مقام جنت کا تھا ان کی معمولی خطا بھی بڑی حیثیت رکھتی تھی۔ اس ایک خطا سے پورے عالم مخلوق میں کھلبلی مچ گئی تھی کیونکہ وہ جوارِ الٰہی میں رہ کر کی گئی اس لیے ان کی لغزش بڑی خطائے عظیم تھی۔ دوسرے نہ مقرب، نہ مودب، نہ مقامِ جنت، زمین پر عمومی حیثیت سے گناہ و خطا کرتے ہیں لہٰذا ان سے درگذر اور درگذر کی وجہ سے پردہ پوشی ہوتی ہے۔

سوال:۔۔۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ سزا جزا کے لیے مرنے کی پابندی ہے کہ اعمال کا ثواب وعذاب مرنے کے بعد ملے گا۔ دنیا ہی میں سزا جزا کیوں نہ دی گئی؟ دنیا میں اتنے آرام دینے کے بعد سخت گھڑی لازمی کر کے ہر شخص کو خوف میں کیوں مبتلا رکھا گیا؟ (ملحدین)

جواب:۔۔۔ تین وجہ سے۔ پہلی یہ کہ تا کہ بندوں کا ایمان وعبادت وترکِ گناہ ونفرت کفر وشرک فقط عشق الٰہی میں ہونا کہ جنت کی لالچ اور دوزخ کی خوف سے۔ اسی وجہ سے ان کو غیب میں رکھا گیا۔ دوم یہ کہ ایمان وکفر اتنی سخت ودراز چیزیں ہیں کہ یہ دنیا ان کی سزا یا جزا بننے کی قابلیت نہیں رکھتی اس کے لیے ابدی جہان ہی ہوسکتا ہے۔ سوم یہ کہ دنیا میں آزمائشی آرام و تکلیف ہے۔ آخرت میں سزا و جزا کا آرام وتکلیف ہے۔ تو اگر اُخروی آرام وتکلیف بھی دنیا ہی میں دے دیا جاتا تو بندے فرق نہ جان سکتے کہ یہ آرام وتکلیف آزمائشی ہے یا جزائی۔ آزمائشی کو جزائی اور جزائی کو آزمائشی سمجھ لیا جاتا اور کوئی شخص حق و باطل کے درمیان فرق نہ کر سکتا اس لیے آرام وتکلیف ثواب وعذاب کے درمیان موت سے حد فاصل قائم کر دی گئی۔

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے کہ بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت نوح بھی دیگر انبیائے سابقین کی طرح صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے تو پھر نافرمانی قوم کی وجہ سے پوری زمین پر عذاب الٰہی کا پانی کا طوفان کیوں آیا؟ چاہیے تھا کہ صرف قوم نوح پر ہی علاقائی عذاب آتا جس طرح دیگر کافر قوموں پر علاقائی عذاب آتے رہے۔ طوفان کے عذاب نے تو دوسرے بے گناہ قوموں کو بھی ہلاک کر دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ (منکرین انبیا)

جواب:۔۔۔ وجہ یہ کہ نوح علیہ السلام کے وقت زمین پر انسان بہت کم تھے۔ تاریخ و روایات سے ثابت ہے کہ زمانہ نوح میں پوری زمین پر صرف قوم نوح ہی آباد تھی اور آپ اکیلے اس وقت انسانی قوم کے واحد نبی رسول تھے۔ اس لیے وہ طوفان اگرچہ پوری زمین پہ آیا تھا مگر ہلاکت صرف کفار نوحی کی ہوئی نہ کوئی دوسری بے گناہ قوم زمین پر تھی نہ کسی بے گناہ کی ہلاکت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہلاکت طوفانی کے بعد جب طوفان ختم ہوا تو نوح علیہ السلام کے

تین بیٹوں حام، سام، یافث کی نسل واولاد سے زمین پر یہ موجودہ انسانیت پھیلی۔ اسی لیے نوح کو آدمِ ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ آپ کی کنیت ہے۔

سوال:— ایک اَن پڑھ آدمی جس کو دین کا کچھ بھی علم نہیں وہ معذور ہے۔ اگر وہ کوئی گناہ یا خطا کرے تو معافی کے لائق ہے کیونکہ اسے علم نہیں کہ یہ کام ثواب ہے یا عذاب؟

(جہلا)

جواب:— قانونِ اسلامیہ کے مطابق علومِ دینیہ سے بے خبر ہونا، مسائلِ شرعیہ سے ناواقف ہونا ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اور کسی مسئلہ شرعی سے ناواقفی کو اپنی بے عملی یا بدعملی کا عذر و بہانہ بنانا اس سے بھی زیادہ جرم و ناقابلِ قبول ہے۔ نہ دنیا کی قانونی عدالت میں نہ آخرت کی عدالت میں حاضری میں۔ جو مسلمان دنیا کی اسکول و کالج و یونیورسٹی میں تو خوب ماہر نصاب و قواعد و عملیات میں کامیاب ہو کر کھیل کود میں چست ہو، ایم اے، بی اے کی ڈگریاں لے کر نکلا ہو مگر دین و مذہب کے ضروری و ابتدائی مسائل، حلال و حرام، جائز و ناجائز، نماز و روزہ، وضو، غسل و طہارت وغیرہ کے مسائل سے بے خبر ہو اور دینی علم پڑھنے یا یاد کرنے میں کاہل و سست ہو وہ آخرت کا سنگین مجرم، قابلِ سزا گنہگار ہے۔ ایسے ہی جو مسلمان مرد عورت دنیاوی فنکاری، کشیدہ کاری، سیاست بازی کرنے میں خوب چالاک و ہوشیار ہو مگر دینی مسائل سیکھنے اور پڑھنے میں بے توجہ، لاپرواہ ہے وہ بھی دنیا و آخرت میں فاسقین، غافلین میں شمار ہے۔ ہر مسلمان مرد عورت پر اتنا تو دینی تعلیم فرض ہے کہ وہ حلال و حرام، جائز و ناجائز، حق و ناحق، کفر اور اسلام کو سمجھ سکیں۔

سوال:— اہلِ سنت کہتے ہیں کہ اللہ کو واحد کے صیغے سے پکارنا چاہئے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مگر ہم دیوبندی کہتے ہیں کہ اللہ کو صیغہ واحد سے پکارنا یا "تو، تیرا" کے لفظ سے اللہ کو مخاطب کرنا سخت بے ادبی و گستاخی و بدتمیزی ہے بلکہ جمع کے صیغے سے پکارنا چاہئے۔ مثلاً "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں"۔ اس میں اللہ کا ادب و تعظیم ہے۔ لہٰذا سنیوں کا نظریہ و مسلک و طریقہ غلط اور تعظیم و ادب کے خلاف ہے۔ (دیوبندی، وہابی)

جواب:۔۔۔ الحمدللہ اہل سنت و جماعت (سنی بریلوی) انبیا و مرسلین، صحابہ و تابعین، اولیا و محدثین کی نقل کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: **لا الٰــــہ الا انــت سبحــانك انــی كنت من الظالمین.** کسی نبی نے عرض کیا: **انك لاتـخلف المیعاد.** ایوب علیہ السلام نے کہا: **انــت ارحم الرٰحمین.** کسی نبی نے کہا: **اللھم انت ربی** وغیرہ وغیرہ۔ قرآن مجید میں سنیوں کے لیے بے شمار دلیلیں ہیں۔ ان سب دعاؤں میں واحد کے ہی الفاظ و صیغے ہیں۔ کیا شاندار توحید کی جھلک وحدت کی چمک والی عرض و معروض ہے۔ ذاتِ واحد کے لیے جمع کا کلام ادب نہیں بلکہ شرک کے مشابہ ہے۔ توحید کے خلاف ہے۔ مگر واحد کا صیغہ توحید کے مشابہ ہے۔ شرک کے خلاف ہے۔ نیز اگر اللہ کو تو، تیرا سے خطاب بے ادبی و گستاخی ہے تو قرآن مجید کی آیات اور انبیائے کرام کی ان دعاؤں کو کیا کہو گے جن میں سب جگہ واحد ہی کا صیغہ ہے۔ "انت و انّك " واحد ہی کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے بے شک "تو، تیرا" قرآن مجید نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے انبیا علیہم السلام اللہ تعالیٰ کو واحد کے الفاظ سے ہی تاعمر پکارتے رہے۔ اب بندے کی مرضی ہے خواہ کفار کی نقل و اتباع کرے یا انبیا علیہم السلام کی۔

سوال:۔۔۔ قرآن میں ہے کہ کوئی مردہ قیامت تک دنیا میں واپس نہیں آ سکتا، نہ مومن نہ کافر کیونکہ بیچ میں برزخ ہے۔ لیکن قرآن مجید ہی سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ نے چند پرانے مردے زندہ کئے اور وہ دنیا میں واپس آئے اور حضرت عذیر علیہ السلام سو سال بعد زندہ ہو کر واپس دنیا میں آئے۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دو فرزند زندہ فرمائے جو کافی عرصہ تک زندہ رہے۔ یہ سب برزخ سے واپس دنیا میں آئے۔ اس الجھن کا جواب کیا ہے؟ (منکرین معجزات)

جواب:۔۔۔ دونوں حالات اپنی اپنی جگہ درست ہیں مگر فرق یہ ہے کہ برزخ سے دنیا میں واپس نہ آنا یہ قانونِ الٰہی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردہ زندہ کرنا، آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جابر کے دونوں بچوں کو زندہ فرمانا، اس میں قدرت الٰہی و معجزۂ انبیائی کا اظہار ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا کفار کے ایمان کے لیے اظہارِ معجزہ

تھا اور عذیر علیہ السلام کا سو سال بعد زندہ ہونا اظہارِ قدرت و تا قیامت ثبوتِ محشر تھا۔ فرزندانِ جابر کا زندہ کیا جانا آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کے ثبوت کے لیے ضرور تا معجزۂ مصطفائی تھا۔

سوال:— برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان ایسی سخت آڑ ہے کہ کوئی فوت شدہ ایک ساعت کے لیے بھی دنیا میں نہیں آسکتا حالانکہ بہت سے اولیا اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وصال ظاہر وظہور، حالت بیداری اصل حلیہ شریف میں دیکھا۔ دیدار کا شرف بھی حاصل کیا۔ یوں ہی بہت سے اولیا اللہ کی بھی اصل حلیہ شریف میں بحالت بیداری زیارت ہو جاتی ہے۔ یہ اولیا، انبیا علیہم السلام دنیا میں کیسے واپس آجاتے ہیں جب کہ برزخ سب کے لیے ہے؟ (آزاد خیال)

جواب:— برزخ کی آڑ صرف جسم کے لیے ہے نہ کہ روح کے لئے۔ کافر کی روح مقید، جسم فنا، اولیا اللہ کے روح جسم مثالی سے باہر تشریف لا سکتے ہیں اور انبیا علیہم السلام کے اجسام میں ان کی روحیں تا ابد موجود رہتی ہیں۔ دنیا میں بوقت نزع صرف چند منٹ کے لیے جدائی کی اجل ہوتی ہے۔ ان فرقِ مراتب کی وجہ سے یہ زیارتیں ہو جاتی ہیں اور کافر و مومن کے برزخی حالات مختلف ہوتے ہیں۔

سوال:— اس کی کیا وجہ ہے کہ زنا ہر حال میں ایک ہی نوعیت کا مگر کنوارے مرد عورت کی سزائے زنا کوڑے مارنا ہے اور شادی شدہ زانی زانیہ کی سزا رجم (سنگ سار) ہے۔ جب جرم ایک ہی طرح کا ہو تو سزا بھی ایک جیسی ہونا چاہیے تھی۔ یعنی دونوں قسم کے زانیہ اور زانی کو کوڑوں ہی کی سزا دی جاتی۔ نیز رجم یعنی سنگ سار کرنے کے بجائے قتل کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔ آسان بھی تھا اور مقصد ہلاکت بھی حاصل تھا۔

جواب:— فعل زنا اگر چہ ایک جیسا ہے لیکن مجرموں کی کیفیت مختلف ہے۔ کنوارا کنواری کی شہوانی مجبوری ہے جو وجہ جرم بھی ہو سکتی ہے لیکن شادی شدگان کو یہ مجبوری نہیں۔ ان کا جرم محض بدمعاشی سے ہے۔ نیز قتل کے بجائے رجم کرنے میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ

زنا شہوانی لذات کا جرم ہے اور یہ لذت پورے جسم نے حاصل کی اس لیے پورے جسم کو سزا دی گئی نہ کہ صرف گردن کو۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ چونکہ ایسی سزا دلوانے میں چار گواہ تھے اور اقرارِ جرم میں جج نے فیصلہ وسزا کیا تھا اس لیے سزا دینے میں چاروں گواہ جج بھی شامل ہوں اور عوام بھی تاکہ دیکھا جائے کہ کون ترس کھاتا ہے۔ کون سزا دینے سے ہچکچاتا ہے، کون عبرت کون نصیحت پکڑتا ہے۔ یہ بات قتل سے حاصل نہ ہوتی وہ تو صرف ایک ہی ہاتھ کو بھی کرنا تھا۔

سوال:۔۔۔اس کی کیا وجہ ہے کہ آیت کریمہ میں الزانیۃ والزانی میں لفظ زانیہ مونث کا ذکر پہلے اور زانی مذکر کا ذکر بعد میں۔

جواب:۔۔۔ سزا میں زنا کا جرم اور زنا میں شہوت کا، اور شہوت عورت میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے زنا کی پیش کش اکثر عورتوں کی طرف سے ہوتی ہے اور بدکاری کی تحریک اور آمادگی ورغبت اولاً عورت کی طرف سے۔ اس لیے جرم زنا کی سزا میں عورت کا ذکر پہلے کیا گیا۔ اور نکاح وشادی میں رغبت وطلب مرد کی طرف سے ہوتی ہے، شرعاً بھی، رواجاً بھی، پیغامِ نکاح بھی، مرد والوں کی طرف سے ہی ہوتا ہے اس لیے آیت نکاح میں پہلے مرد کا ذکر ہے۔

سوال:۔۔۔اس کی کیا وجہ ہے کہ زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت فرمایا گیا۔ حالانکہ زنا کا فعل تو صرف مرد ہی کرتا ہے۔ عورت سے زنا کیا جاتا ہے، عورت زنا کا فعل نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس کو زانیہ نہیں کہنا چاہیے بلکہ مزنیہ کہا جاتا۔

جواب:۔۔۔ چونکہ یہاں مرد عورت کی سزا اور تذلیل کا ذکر ہے اس لیے الزانیۃ فرمایا گیا۔ زانی اور زانیہ کے لفظ سے فعل زنا مراد نہیں بلکہ مقصد زنا کا حصول مراد ہے۔ یعنی خواہش شہوت پوری کرنا۔ عورت ہو یا مرد، جب دونوں کی رضا ورغبت سے زنا ہو رہا ہو تو دونوں ہی زناکار ہیں۔ اگرچہ مرد فاعل اور عورت مفعول ہوتی ہے۔ لیکن دوطرفہ رضا کی وجہ سے دونوں زانی اور زانیہ ہیں۔ اسی رضا ورغبت کی سزا دی جاتی ہے۔ مزنیہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس سے مرد جبراً زنا کرے۔ مزنیہ کو شریعت میں زنا کی سزا نہیں ہے کیونکہ وہ مجبور وکمزور ہے۔

سوال:۔۔۔اگرچہ ہمارے مرشد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ جسم محمدی

کا سایہ نہ تھا اور تمام سنی علما و فقہا بھی یہی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم انور کا سایہ نہ تھا، مگر میری عقل تسلیم نہیں کرتی کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جسم کثیف کا سایہ نہ ہو۔

(صاحبزادہ عبدالدائم ہزاروی مجددی و دیگر وہابی)

جواب: — یہ آپ کی فکری و عقلی کمزوری ہے ورنہ دنیا میں ہزاروں جسم کثیف ہیں جن کا سایہ نہیں ہوتا۔ مثلاً صفاف شیشہ، بلب، ٹیوب لائٹ وغیرہ وغیرہ۔ نیز آیت نور بھی بتا رہی ہے کہ آقا علیہ السلام کے جسم اقدس کو محض کثیف کہنا بھی بے ادبی و گستاخی ہے کیونکہ آپ کا جسم پاک جسم شفاف ہے۔ اللہ کا روشن چراغ ہے اور آپ کی بشریت بھی سراجاً منیرا ہے۔ نہ روشن چراغ کا سایہ ہوتا ہے نہ سراجا منیرا کا نہ نور کا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ کبھی نہ دیکھا۔ فقہا فرماتے ہیں کہ اگر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کا سایہ ہوتا تو وہ گندی جگہوں پر پڑتا، لوگوں کے پیروں تلے بھی آتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہی نہیں تھا کہ میرے محبوب کا سایہ کسی گندی جگہ نالی وغیرہ میں پڑے اس لیے آپ کو بے سایہ کر دیا۔

سایۂ قد کو جو قدرت نے چھپا رکھا تھا
کام امت کے وہی حشر میں سایہ آیا

اس سلسلے میں سرکار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ نے مکمل ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام ہے ''جسم بے سایہ''، مطالعہ کیجئے۔

سوال: — سنی علما کہتے ہیں کہ نبی کی ہر دعا بددعا ضرور قبول ہوتی ہے حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام کی بھی بہت سی دعائیں نامنظور ہو جاتی ہیں، جیسے کہ عام لوگوں کی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا مانگی تھی کہ یا اللہ میری امت میں سے کوئی مسلمان کسی مسلمان سے کوئی تکلیف نہ پائے، تو اللہ نے آپ کو اس دعا سے منع فرما دیا۔ لہٰذا سنیوں کا مسلک غلط ہے۔ (وہابی نجدی)

جواب: — اہل سنت کا یہ عقیدہ قرآن و احادیث کی متعدد آیات و روایات سے ثابت

ہے چنانچہ سورۂ مریم آیت نمبر ۴ حضرت زکریا نبی علیہ السلام کا قول ہے منقول ہے: ولم اکن بدعائك ربّ شقیا. یارب میں آج تک کبھی تجھ سے دعا مانگ کرنا کام نہ رہا۔ ثابت ہوا کہ ہر نبی کی دعا بروقت قبول ہی ہوتی ہے۔ معترض نے جو حدیث پاک پیش کی وہ دعا کا رد نہیں بلکہ ممانعت ہے اور یہ ممانعت بھی محبوبیت ہے۔ دعا کی نامقبولیت یہ ہے کہ دعا مانگنے والے کو پتہ ہی نہ لگے کہ میری دعا کا کیا بنا۔ نا تاخیر کی اطلاع نہ اخروی ذخیرہ ہونے کی خبر۔ نہ دعا سے منع کیا جائے نہ بدلا دیا جائے۔ قبولیت دعا کی سات نوعیتیں ہیں (۱) کبھی جلدی قبول، (۲) کبھی دیر سے، (۳) کبھی دعا کے بدلے دوسرے نعمت کی عطا، (۴) کبھی بتا دیا جانا کہ اس کا بدل آخر میں، (۵) کبھی دعا کے بدلے امتی کو شفاعت سے نوازنا، (٦) کبھی دعا کے بدلے دنیا کا شر و مصائب دور فرما دینا، (۷) کبھی اس لیے منع فرما دینا کہ یہ تقدیر مبرم ہے۔ اس کے لیے دعا ہی نہ مانگو۔

سوال:— مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جاتے ہوئے اللہ سے بھی دعا نہ مانگی حالانکہ جبرئیل امین نے کہا بھی جب کہ رب تعالیٰ سے دعا مانگنا بہت بڑی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں دعا نہ مانگنے والوں کو متکبر کہا گیا ہے اور حدیث پاک میں دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔ تو اتنی عظیم عبادت کو ابراہیم علیہ السلام کے چھوڑنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ (منکرین عظمت انبیا)

جواب:— دراصل انسانی زندگی من جانب اللہ اس دنیا میں چار حصوں میں تقسیم ہے (۱) ابتلائی زندگی، (۲) امتحانی زندگی، (۳) وبائی زندگی، (۴) شفائی زندگی۔ جب زندگی میں اللہ کی طرف سے امتحان آجائے تو ان کے دفعیہ اور خاتمے کے لیے دعا مانگنی منع ہے۔ اس وقت امتحان میں ثابت قدم رہنا کامیابی کی دلیل ہے اور اس میں بہت بڑی قوتِ ارادی کی ضرورت ہے اور یہ قوت صرف انبیائے کرام کو حاصل ہے۔ اس لیے صرف انبیا علیہم السلام کا ہی امتحان ہوتا ہے اور وہی جانتے ہیں کہ کون سی مصیبت امتحان ہے، کون سی بلا ہے، کون سی وبا ہے۔ ابتلا کی مصیبت میں بندے کا درست رہنا کامیابی ہے اور اس لیے درست رہنا ضروری

ہے کہ ابتلائے ربانی (مصیبت میں ڈال کر آزمانا) میں ابتلا کی دوری اور اس کے خاتمے کی دعا مانگنا مفید نہیں کیونکہ ابتلا تو ہونا ہی ہے۔ وبا کی مصیبت میں صبر ضروری ہے مگر وبا کے خاتمے کی دعا مانگنا جائز ہے۔ بلا اور وبا ہر مسلمان کو ہوتی ہے اور شفا کی زندگی یعنی صحت اور تندرستی کی زندگی میں شکر الٰہی کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ نارِ نمرود امتحانِ ابراہیم تھا۔ میدانِ کربلا ابتلا تھا اور مصائب ایوب وبا تھا۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے کے باوجود دعا نہ مانگی بلکہ جبرئیل کا یہ کہنا بھی آزمائش ہی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس میں کمال کامیابی حاصل کی۔ اسی طرح میدانِ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی انتہاءِ صبر تھی جو بے مثل ہے۔

سوال:— اس کی کیا وجہ ہے کہ نمرود اور نمرودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنے کے لیے آگ میں جلا ڈالنے کی سزا تجویز کی حالانکہ ختم کرنے کے لیے اور بھی بہت سے طریقے تھے۔ مثلاً قتل وغیرہ؟

جواب:— مفسرین کرام نے اس کی چار وجہ بیان فرمائی ہے۔ ایک یہ کہ تاکہ ابراہیم کا نام ونشان دنیا سے مٹ جائے، قبر بھی نہ بن سکے۔ دوم اس لیے تاکہ سب مشورہ دینے والے اس سزا کے جاری کرنے میں شریک ہو جائیں اور سب لوگ خوشی خوشی بھاگ بھاگ کر لکڑیاں جمع کریں اور یہ سزا خوب مشہور ہو کر سب کے لیے آئندہ عبرت بن جائے، سب لوگ اس سزا کو اپنے دین کی خدمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ دلچسپی سے حصہ لیں۔ کوئی بھی اس کو ظالمانہ سزا نہ کہہ سکے۔ سوم یہ کہ نمرود اور نمرودی عوام کو یہ بتانا سمجھانا چاہتے تھے کہ ابراہیم کا یہ بت شکنی والا جرم سب جرموں سے زیادہ سخت ہے۔ اس لیے اس کی سزا بھی سب سے زیادہ سخت ہونی چاہیے اور وہ جلانا ہی ہے۔ اہل ایمان کو جلانا کفار ومشرکین کی فطرت ہے۔ قومی فسادات میں مشاہدہ ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ نمرودی مذہب میں تین چیزوں کی پوجا ہوتی تھی (۱) سورج دیوتا کی، (۲) مورتیوں کی، (۳) آگ کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے برملا کہا تھا کہ اے نمرودیو! جن کی تم پوجا پاٹ اور عبادت کرتے ہو وہ ذرہ بھر کسی کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔

نمرودی لوگ عوام کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ ہم جن کی پوجا پاٹ اور عبادت کرتے ہیں وہ نقصان اور سزا دے سکتے ہیں۔ یہ بات سورج سے بھی نہ ہوتی اور مورتیوں سے بھی نہ ملتی تو انہوں نے اپنے تیسرے دیوتا کو سزا دینے کے لیے مقرر کیا کہ ابراہیم نے بت دیوتاؤں کو توڑا تو آگ دیوتا نے اس کو جلا ڈالا۔ یہ لکڑیاں جمع کرنا وغیرہ تو فقط اپنے خداؤں کی مدد کرنا مقصود تھا۔ اصل سزا تو آگ دیوتا نے ہی دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ نے آگ کو سلام علی ابراھیم بنا کر ان کے سارے ناپاک منصوبے، سارے عقیدے خاک میں ملا دیئے اور ابراہیم علیہ السلام کا یہ نعرہ: لاینفعکم شیئاً ولا یضرکم کو سدا سلامت رکھا۔ اس لیے یہاں نار نمرود کو گلزار بنانا ضروری تھا ورنہ کفار و مشرکین کا کفر اور زیادہ مضبوط ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صرف یہی آگ چندوں کے لیے سلامتی کا تحفہ بن گئی اور اس دن آگ پوری دنیا میں کہیں بھی نہ جلی۔ اس کے بعد کوئی بھی آگ برداً وسلاماً نہ بنی۔ آپ کو ہمیشہ آگ کی تپش آتی محسوس ہوتی تھی۔ موسم گرماں وسرماں میں آپ اپنے جسم پر حرارت محسوس کرتے تھے۔ اس جواب سے یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو تو آگ سے بچا لیا مگر زکریا علیہ السلام کو آرے سے حضرت یحییٰ اور کئی دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو کفار کی تلوار اور قتل سے نہ بچایا۔

سوال: ــــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قُلْنَا یا نَاراً وَّ کُوْنِیْ بَرْدًا و سَلَاماً عَلٰی اِبْرٰھِیْم.** اے آگ سلامتی کے ساتھ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا۔ اللہ کا یہ خطاب آگ سے ہے حالانکہ آگ جمادات میں سے ہے اور جمادات کو خطاب کرنا تو عبث ہے کیونکہ جمادات نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ یہ بات خود قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ بہت سی آیات میں بتوں کی برائی کرتے ہوئے یہی فرمایا گیا ہے کہ یہ بت جن کی تم اے کافرو پوجا کرتے ہو یہ نہ سنتے ہیں، نہ بولتے ہیں۔ پھر یہاں آگ کو کیوں خطاب کیا گیا؟ منکرین قرآن اس کو تضاد بیانی کہیں گے، یا پھر سب جمادات کو خطابات کو بے کار کہیں گے۔ بہر کیف دونوں صورتوں میں قرآن مجید پر اعتراض ہوتا ہے۔

جواب:۔۔۔اس سوال کے دو جواب ہو سکتے ہیں (۱) امام ابو بکر رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ خطاب تین قسم کا ہوتا ہے خطاب تکوینی، خطاب تحویلی، خطاب تکلم۔ پہلے دو کو مجازاً خطاب کہا جاتا ہے۔ مثلاً جس چیز کا وجود ہی نہ ہو اس معدوم شئی کو کہنا کہ ''کُــــنْ'' ہو جا، یہ خطاب تکوینی ہے۔ اس میں مخاطب کا بولنا، سننا ور کنار، موجود ہونا ہی ضروری نہیں ہے۔ اور کسی موجود شئی پر اپنا حکم جاری کرتے ہوئے اس کی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے کو خطاب کرنا یہ خطاب تحویلی ہے۔ اس میں اس شئی کا صرف موجود ہونا ضروری ہے، مخاطب کی بات کو سننا سمجھنا ضروری نہیں۔ جمادات سے خطابات الٰہی اسی قسم کے ہوتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے اس چیز پر یہ حکم الٰہی جاری ہو گیا اور اس نے یہ حکم اپنے پر بلا ارادہ لے لیا۔ وہ لینے پر مجبور و مقہور ہے۔ لیکن خطاب تکلم میں مخاطب چیزیں موجودگی بھی ضروری، عقل و فہم فکر تکلم ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کو خطاب حقیقی کہتے ہیں۔ یہ خطاب صرف جاندار چیزوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا کن فیکون کا خطاب تکوینی ہے۔ یا نارُ کونی کا خطاب تحویلی ہے مگر میرے نزدیک یہ جواب کمزور ہے۔ صحیح اور مضبوط جواب یہ ہے کہ اشیائے عالم عام انسانی علوم و عقلیات کے اعتبار سے تو بہت سی قسموں میں منقسم ہیں کہ ان سے خطاب کرو یہ جمادات ہیں، یہ نباتات ہیں، یہ حیوانات۔ مگر اہل اللہ (اللہ والوں) کی قوت علمیہ اور مشاہداتِ سمعیہ و تجربات عملیہ میں تمام جمادات، نباتات، حیوانات، شجرات، حجرات میں بھی قوتِ نطق و سماعت موجود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ مکہ مکرمہ کا ایک پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بچپن شریف میں آپ کو آتے جاتے سلام کیا کرتا تھا جس کی خبر خود آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد صحابہ کرام کو دی کہ یہاں ایک پتھر ہوتا تھا جو ہم کو سلام کرتا تھا۔ معجزات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک درخت کو بلایا تو وہ درخت دوڑتا ہوا چلا آیا اور دوبارہ حکم دیا تو وہ واپس اسی جگہ پر چلا بھی گیا۔ پختہ پکے چاولوں کی تسبیح تو خود صحابہ کرام نے اپنے کانوں سے سنی۔ ''ذکر خیر انام'' کی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی معجزۂ درخت سناتے ہوئے ویسے ہی تمثیلاً ایک درخت کی طرف اشارہ فرما دیا

کہ نبی کریم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہوگا کہ "آجا"۔ وہاں موجود مریدین نے دیکھا کہ حضرت سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اشارہ کرتے ہی وہ قریبی درخت بھی دوڑتا ہوا چلا آیا جس کی محض تمثیلاً سائیں صاحب نے اشارہ فرمایا تھا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں:

نطق آب و نطق خاک و نطق گل
ہست محسوس از حواسِ اہل دل

یہ انبیا و اولیا کی شانِ کیفیت ہے تو بارگاہِ کبریائی میں کون جمادات رہ سکتا ہے۔ وہاں تو سب کے کان حکم ربی پہ ہمہ وقت لگے ہوئے ہیں۔ یہ سب عقل کے بے ہوش، بے گوش جمادات حجرات ہونا تو ہم عوام کے لیے ہے۔ رہا بتوں کو جمادات فرمانا، نہ سننے نہ بولنے والا نہ ہی کچھ نفع نقصان دینے والا فرمانا، عوام و کفار کے اعتبار سے ہے۔ ان کی کمزوری بے قوت اور فریاد بے فائدہ۔ عبادت بے کار اور فضول ہیں۔ ان سے آس لگانے سے منع کرنے کے لیے ہے۔ کفار یا عوام کا کسی جمادات کو پکارنا واقعی حماقت ہی ہے۔

سوال:— اسرائیلی تاریخوں اور اسلامی تفسیروں، روایتوں میں لکھا ہے کہ نارِ نمرود جلانے کا مشورہ ایک عجمی کُردی نے دیا تھا اور ایک قول کے مطابق سب سے پہلے آگ بھی اسی کُردی نے لگائی۔ منجیق (گوپھن) بنائی اور تمام جانوروں میں آگ کو تیز کرنے کے لیے صرف گرگٹ پھونکیں مارتا تھا تا کہ آگ تیز ہو۔ وہ کُردی بھی مر کر فنا ہو گیا اور وہ گرگٹ بھی مر گیا تو کیا وجہ ہے کہ حدیث پاک کے ارشاد میں تا قیامت گرگٹ کے لیے سزا مقرر ہو گئی کہ اس کو مارنا ثواب ہے مگر ہر کُردی کے لیے نہیں۔ اگر باعتبار جرم دیکھا جائے تو جیسے فقط اسی ایک کُردی کا جرم تھا تو اسی طرح فقط ایک گرگٹ کا ہی جرم تھا نا کہ تا قیامت سب گرگٹ کا۔ اور اگر کہا جائے کہ یہ جرم تا قیامت جاری رہے گا تو پھر کُردی انسانوں کو بھی تا قیامت کچھ سزا ہونی چاہئے۔ صرف گرگٹ کو سزا ملتا رہنا تو انصاف کے خلاف ہے۔ (آریہ)

جواب:— چار چیزیں وہ ہیں جو انسانوں اور جانوروں میں مشترک ہیں، یعنی دونوں

میں پائی جاتی ہیں۔ مگر اس کے اسباب اور وجوہ مختلف ہیں۔ (۱) محبت، (۲) نفرت، (۳) غصہ، (۴) ایذا رسانی۔ انسانوں میں یہ چاروں چیزیں غیر فطری ہوتی ہیں۔ بجز ماں کی ممتا کے یعنی والدہ کی اپنی اولاد سے محبت صرف یہ ممتا ہی انسانوں میں فطری چیز ہے مگر تمام حیوانات میں چاروں چیزیں فطری جبلی (پیدائشی نسلی) ہیں۔ غیر فطری چیز عارضی ہوتی ہے اور فطری چیز دائمی ہوتی ہے۔ دوسرا فرق یہ کہ فطری چیز جنسی ہوتی ہے کہ پورے جہان کے ہر فرد میں وہ پائی جاتی ہے لیکن غیر فطری عادت اور چیز شخصی اور انفرادی ہوتی ہے چونکہ یہ چاروں چیزیں حیوانات میں فطری ہیں اس لیے جنسی ہیں اور جو چیزیں جنسی میں شامل ہو وہ اجتماعی اور ابدی ہوتی ہے۔ مثلاً انسان کی نفرت، محبت، غصہ اور ایذا رسانی فطری نہیں اس لیے ان کی جنس میں یہ شامل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی نفرت، محبت، غصہ اور ایذا کے کچھ اسباب ہیں جو دنیاوی زندگی میں عارضی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اسباب وجود مذہب یا سیاست یا حماقت یا تکبر یا قومیت یا وطنیت یا رشتے داری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جانوروں میں نفرت، غصہ، بزدلی، دلیری، ایذا رسانی فطری چیز ہے۔ مذہب یا قومیت، سیاست رشتے داری یا وطنیت کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ خصائل ان کے جنس میں داخل وشامل ہیں۔ مثلاً کتا کسی ملک، کسی زمانے کا ہو فطرتاً مالک سے محبت کرنے والا غیر سے نفرت کرنے والا ہے۔ چوہا ہر دور ہر علاقے میں موذی ہے۔ کوا ہر زمانے میں ہر علاقے کا ہوشیار۔ لومڑی ہر زمانے میں ہر علاقے کی عیار ہے۔ جب یہ قاعدہ کلیہ حقیقتاً سمجھ لیا تو یاد رکھو کہ گرگٹ فطرتاً جنساً فاسق موذی اور نبی کی ذات سے دشمنی رکھنے والا ہے یعنی مذہباً وہابی نہیں بلکہ فطرتاً وہابی ہے۔ اس لیے اس کو سزا بھی جنساً ہوگی نہ کہ فرداً۔ مگر کردا انسان ہے۔ اس کی کسی سے نفرت، مخالفت، دشمنی جنساً نہ تھی بلکہ اس کے کفریہ دین کی وجہ سے تھی۔ اگر وہ مومن ہوتا یا ہو جاتا تو اس کو ایسا مشورہ دینے کی ہمت نہ ہوتی، نہ وہ دیتا۔ اور اگر بعد میں بھی اپنی زندگی کے اندر مومن وتائب بن جاتا تو یقیناً سزائے ابدی سے معافی مل جاتی۔ اسی انفرادیت کی وجہ سے دوسرے کردوں کو اس کی سزا میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ وہ مومن ہوں یا کفر۔ ہاں البتہ بعد کے کفار اس کرد کے اس مشورے کو

اچھا کہنے والے اسی طرح بد بخت ضرور ہوں گے اور ان کو حکماً دشمن ابراہیم وطرفدار نمرود ضرور کہا جائے گا۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے قاتلین انبیا یہودیوں کو اچھا کہنے والے بہت بعد کے یہودیوں کو بھی قاتلین انبیا میں شمار فرمایا۔ مگر سزا ان کی مثل نہ دی گئی۔ اور جیسا کہ یزید پلید کی حمایت کرنے والے وہابی وغیرہ بھی یزید کی طرح شرعاً بے دین ہیں۔ اس بنا پر گرگٹ کی عداوت ابراہیم اس کے مذہب یا سیاست یا قومیت وطنیت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ جنسی جبلت، فطرت کی وجہ سے تھی۔ جب جنس ایک تو فطرت ایک لہٰذا سزا بھی تا قیامت سب کو ایک۔ اگر ایک چوہا نقصان کرے تو سب کو زہر ڈالا جاتا ہے۔ یہ بے انصافی نہیں ہوتی تو پھر فرمانِ رسول بھی بے انصافی نہیں۔

سوال:۔۔۔ پیغمبر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رحمۃ للعٰلمین ہیں تو اگر یہ صحیح ہے تو پھر آپ نے تلوار کیوں اٹھائی، جنگیں کیوں کیں، جہاد کے لیے لشکر خونخوار کیوں تیار کیا؟ (آریہ، ہندو، غیر مسلم)

جواب:۔۔۔ اس سوال کا جواب تھوڑی تفصیل سے دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ کی تلوار رحمت تھی۔ تلوار تلوار میں فرق ہوتا ہے۔ اگر تلوار کسی پر ظلم کرنے کے لیے اٹھائی جائے تو گناہ ہے لیکن اگر ظالم کا سر کاٹ کر مظلوم کی حفاظت کے لیے اٹھائی جائے تو ثواب اور رحمت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلوار اٹھائی ہے وہ کسی پر ظلم کرنے کے لیے نہیں بلکہ انسانیت کے دشمن، امن کے باغی اور ظالموں کے ظلم کا سر کاٹنے کے لیے اٹھائی ہے۔ آپ کی تلوار نے ظالموں سے مظلوموں کو بچایا۔ زمین سے فتنہ فساد مٹایا۔ جھگڑا چکایا۔ کفر کو دبایا۔ ظالم انسانوں کا سر قلم ہوا۔ انسانیت اور امن کے دشمنوں کی گردنیں کٹیں۔ فرعونوں کے سر جھکے۔ شیطان سے انسانوں کو نجات ملی۔ انسانوں کو امن سلامتی اور معاشی خوشحالی حاصل ہوئی اور تمام انسانی برادری کو عدل وانصاف اور ساوات کا نظام ملا۔ پیغمبر اسلام کی سیرت پڑھو۔ آپ کا اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک دیکھو کہ آپ نے اپنے جانی دشمنوں پر قابو پا کر بھی انہیں معاف کر دیا اور آج یہ ایٹمی دنیا میدانِ جنگ میں اپنے دشمنوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کرتی ہے

وہ سب عیاں اور بیاں ہے۔ اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ۱۹۱۷ء میں روس میں انقلاب کی تاریخ بتاتی ہے کہ لینن کے موت کے بعد اسٹالن جب وہاں کا سربراہ ہوا تو اس نے لینن کے تمام حامیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ۱۰۹۹ء میں جب عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو وہاں کی مسلم آبادی کا قتل عام ہوا۔ مشہور مورخ موسیو لیبان تاریخ یورپ میں لکھتا ہے کہ عیسائیوں کے گھوڑوں کے پاؤں گھٹنوں تک مسلمانوں کے خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مزید وحشت و بربریت کا نمونہ دیکھنا ہو زوالِ اسپین، سقوط غرناطہ، کوریا، ویتنام، بوسنیا، عراق، افغانستان، فلسطین، ہیروشیما، ناگاساکی پر امریکہ کی بمباری، سلامتی کونسل کے ذریعہ عالم اسلام کی پامالی، مسلم دنیا میں امریکہ کی غنڈہ گردی، آریوں اور دراوڑوں کی جنگ، بدھوں اور برہمنوں کی لڑائی، ہندوستان میں فرقہ پرستوں کی انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں اور دل سوز واقعات یہ سب انتقامی وحشت و بربریت کی ننگی تصویریں ہیں جسے دیکھ کر شیطان بھی شرماتا ہے۔ دور جدید میں یورپ اور امریکہ نے اپنی سیاسی مفاد کے لیے اسلام پر جو الزام لگائے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے اور وہ اپنے ماننے والوں کو خونریزی کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن اگر تاریخ کے چہرے سے نقاب ہٹایا جائے تو یورپ اور امریکہ خود سب سے بڑے امن کے دشمن اور انسانیت کے لیے خونخوار درندے نظر آئیں گے۔ ان کے دامن بے گناہوں کے خون سے سرخ دکھائی دیں گے۔ اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگانے والے ذرا تاریخ کے آئینے میں اپنا مکروہ چہرہ دیکھیں پھر پتہ چلے گا کہ دہشت گرد کون ہے۔ اسلام پوری دنیا کے لیے امن کا پیغام لے کر آیا ہے۔ دہشت گردی سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ اتنا قصور کبھی کبھار ہم سے ضرور ہوا ہے کہ جب ہمیں کوئی مارنے کے لیے آیا ہے تو ہم نے بھی جواب میں ہاتھ اٹھا دیا ہے اور اپنی دفاع و بچاؤ کے لیے ہاتھ اٹھانا اگر دہشت گردی ہے تو دنیا کی ہر قوم آپ کو دہشت گرد نظر آئے گی۔ اسلام کو امریکہ، یورپ اور غیر مسلم لوگوں نے سمجھنے میں سخت غلطیاں کی ہیں۔ سچ جو پوچھو تو غیر مسلم دنیا نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ اسلام کو کسی انسان سے دشمنی نہیں جو کچھ ہے وہ ظلم سے ہے، ظالم سے ہے اور ظالم

حکومتوں سے ہے۔فتنہ فساد سے ہے، جرائم اور برائیوں سے ہے۔اسلام نے کبھی بھی کسی پر اپنا عقیدہ مسلط نہیں کیا اور نہ ہی اسلام میں غیر مسلم ہونے کے باعث کسی پر ظلم کرنے کی اجازت ہے مگر یورپین بلاک امریکہ اور اس کے حامیوں نے مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کے جنون میں اسلام اور مسلمانوں کی ہمیشہ غلط تصویریں پیش کی ہیں۔مسلمان ملکوں کو دوسرے مسلمان ملکوں اور حکومتوں سے یہی دنیا کی نام نہاد سپر پاور کہلانے والی طاقتیں اپنے مفاد کے لیے لڑانے کی بیج بوتی ہیں اور جنگ کرانے کے بعد اپنے ہتھیار دل کھول کر بیچتی ہیں۔ایک طرف جنگ کی تباہ کاریوں کے الاؤ میں عالم اسلام بھسم ہوتا ہے تو دوسری طرف دنیا بھر کے مسلمانوں کو لڑنے والوں کے خانوں میں فٹ کر کے انہیں جنگجو، بدامن، دہشت گرد کہا جاتا ہے۔

اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ترقی یافتہ دنیا نے حصولِ اقتدار کے خاطر انسانیت کو بھوک پیاس، غربت وافلاس، ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں دیا ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں ہونے والی جانی نقصانات کی لسٹ پڑھیے اور اسلامی جہاد کو ظلم سے تعبیر کرنے والوں کا اصلی منحوس، مکروہ چہرہ دیکھئے۔کہنے کے لیے کوئی کچھ بھی کہے مگر اسلام کی پوری تاریخ سے ایک بھی ایسا واقعہ کوئی مائی کا لال نہیں پیش کر سکتا ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلمانوں نے معصوم بچوں، عورتوں، بوڑھوں، کمزوروں اور نہتے شہریوں پر کبھی ہاتھ اٹھایا ہو یا کسی غیر مسلم کو جبراً داخل اسلام کیا ہو۔تاریخ شاہد ہے کہ جب اللہ کے رسول محسن انسانیت پیغمبر اعظم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ظالموں کی سرکوبی کے لیے کہیں لشکر روانہ فرماتے تو آپ اسلامی فوج کے کمانڈروں کو سب سے پہلے یہ نصیحت فرماتے کہ خبردار معصوم بچوں، اپاہجوں، بوڑھوں، بیماروں، کمزوروں، کسانوں، مزدوروں، عورتوں اور مذہبی پیشواؤں پر ہاتھ نہ اٹھانا، پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، دودھ دینے والی جانوروں کو ہلاک نہ کرنا اور نہ ہی کسی کے مذہبی عبادت خانوں کو گرانا۔یہی میری نصیحت ہے اور یہی میرا حکم بھی ہے۔

آج جو لوگ اسلام کے نظریہ جہاد پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں، میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں وہی انصاف سے بتائیں کہ کیا دنیا میں کوئی ایسی قوم گذری ہے جس کے

جنگی اصول میں عدل و انصاف اور احترام انسانیت کا اس طرح لحاظ رکھا گیا ہو جس طرح اسلام نے رکھا۔ آج تو جب جنگ شروع ہوتی ہے تو پرامن شہروں اور آباد بستیوں کو ایٹم بموں سے اڑا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ فلک بوس عمارتوں کو منٹوں میں ملبے کا ڈھیر بنا دیا جاتا ہے۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، کمزوروں، بیماروں کسی سے درگذر نہیں کی جاتی۔ اسپتالوں، درسگاہوں، عبادت خانوں تک کا احترام پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ میں اپنے اس دعوے کے ثبوت میں عراق، افغانستان اور فلسطین کو پیش کرنا چاہتا ہوں جس پر تاریخ کی اب تک سب سے زبردست بمباری کی گئی۔ مگر اے دنیا والو! آؤ میرے پیغمبر رحمت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دیکھو، فتح مکہ کے دن میرے نبی نے اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا۔ میرے پیغمبر کی زندگی کا کوئی بھی گوشہ وزاویہ ظلم و بربریت کا نہیں بلکہ ہر گوشہ ہر پہلو انسانیت کے لیے شفقت ہی شفقت ہے، رحمت ہی رحمت ہے۔

آئے دنیا میں بہت پاک و مکرم بن کر
کوئی آیا نہ مگر رحمت عالم بن کر

سوال:— قرآن میں ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ. بے شک اللہ ایمان والوں کی مدد کرنے پر قوی و قادر اور عزیز و غالب ہے تو پھر بعض دفعہ مسلمان کفار سے شکست کیوں کھا جاتے ہیں۔ جیسے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ اگرچہ وہ شکست عارضی اور وقتی ہی تھی۔ خوارزم شاہ چنگیز سے، خلیفہ بغداد ہلاکو سے، بہادر شاہ ظفر اور سلطان ٹیپو انگریز کفار سے شکست کھا گئے۔ کیا وجہ؟

جواب:— اللہ کا یہ وعدہ بروقت بالکل سچا ہے مگر مطلق نہیں بلکہ مقید و مشروط ہے۔ یعنی ان مومنین کی مدد ہوگی جو اس کے دین کی مدد کریں گے۔ مسلمان ہونا سچے عقائد کا نام ہے اور مومن ہونا اچھے اعمال کا نام ہے اور اچھے اعمال آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اطاعت و اتباع میں مضبوطی سے ہر وقت قائم رہیں تو کبھی شکست نہ ہو۔ خلفائے راشدین کی فتوحات، ہندوستان پر گیارہ سو سالہ مسلمانوں کی حکومت کا دور، لیکن جب بھی مسلمانوں نے دینی مدد

میں کمزوری دکھائی، عشق الٰہی ومحبت مصطفائی میں کمی دکھائی، فرمانِ نبوی سے لاپرواہی برتی تو فوراً شکست کھائی۔ جنگ احد کی وقتی شکست طریقے مصطفیٰ کو چھوڑنے پر ہوئی، خوارزم شاہ کی شکست کی وجہ مسلمان حکومتوں کی آپس میں نااتفاقی و بے اتحادی بلکہ کفرنوازی اور مخبری، غداری کا نتیجہ تھا، بغداد کی شکست کمزور سیاست، اندرونی دشمنی، کرسی کے لالچی رافضی وزیر پر اندھا اعتماد اور خلیفہ کی احمقانہ روش تھی، سلطنت ہند بہادر شاہ ظفر اور شیر میسور سلطان ٹیپو کی شکست بھی بدعملی، ہندونوازی اور مسلمانوں کی اندرونی غداری تھی۔ اسپین میں آٹھ سو سالہ مسلمانوں کا شاندار دورِ حکومت کا خاتمہ بھی آپسی نااتفاقیوں اور غداریوں کی وجہ سے ہوا۔ وعدۂ ربانی تو برحق اور ہر حال میں موجود ہے لیکن ہر محاذ پر شکست و ناکامی اپنی کوتاہیوں کا خمیازہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے مسلمان کفار ومشرکین سے شکست کھاجاتے ہیں۔

ان کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے
ان سے پھرے، جہاں پھر آئی کمی وقار میں

سوال:—— سنی بریلوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی تعریف کرتے ہیں کہ انہیں اللہ کا شریک وہم منصب بنادیتے ہیں۔ (عام وہابی دیوبندی گمراہ فرقے)

جواب:—— یہ غلط اور احمقانہ الزام ہے۔ ہم شانِ نبی بیان کرکے شریک نہیں بناتے بلکہ حبیب بَناتے ہیں۔ شریک بنانے میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نقصان ہے کیونکہ شریک آدھے کا مالک ہوتا ہے حبیب پورے کا مالک۔ شریک بے اختیار ہوتا ہے حبیب بااختیار۔ شریک ہر کام وہر چیز میں اجازت کا محتاج ہوتا ہے حبیب بلا اجازت مختار ہوتا ہے۔ شریک نہ کچھ توڑ سکے نہ کچھ موڑ سکے مگر حبیب چاند توڑ سکتا ہے، سورج موڑ سکتا ہے، بادل برسا سکتا ہے، انگلیوں سے پانی کے چشمے بہاسکتا ہے۔ اللہ کا یہ انتخاب حکیمانہ ہے جس پر کسی کو نہ سوال کا حق ہے نہ اعتراض کا۔ اس انتخاب رسالت سے کوئی اللہ کا شریک نہیں بن سکتا کیونکہ رب تعالیٰ کا انتخاب حبیب اللہ بناتا ہے۔

سوال:—— قرآن واحادیث میں ہے کہ دین آسان ہے۔ دین اسلام میں تم پر کوئی سختی

نہیں ہے حالانکہ اسلامی قانون بڑے سخت اور سزائیں بڑی شدید ہیں۔ کوئی معمولی چوری کرے تو ہاتھ کاٹے جائیں، کوئی زنا کرے تو سنگ سار کیا جائے، کوئی جان بوجھ کر فرض روزہ توڑ دے تو کفارے میں دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اسلام میں سختیاں ہیں، پھر دین آسان کہاں ہے؟ (بعض بے دین، گمراہ لوگ)

جواب:— یہاں آسان سے مراد وہ سختیاں ہیں جو پہلی امتوں کے ہر ہر فرد پر ہر وقت لازم واجب تھیں جن کو عملی عبادات میں شامل کیا گیا تھا۔ اسلام میں وہ سختیاں نہیں اور اسلام کی عبادات و اعمال سخت نہیں بہت ہی آسان ہیں۔ پہلی شریعتوں میں ایمان والوں کے لیے جنگ فرض تھی مگر مالِ غنیمت لینا حرام تھا، قربانی واجب مگر اس کا گوشت کھانا ممنوع تھا، ناپاک کپڑے کو دھو کر پاک نہیں کیا جاسکتا تھا بلکہ اس کو کاٹ کر پھینک دینا پڑتا تھا، عبادت کے لیے صرف مقررہ عبادت گاہ میں جانا لازم تھا، ہر جگہ عبادت جائز نہ تھی، قسم سے چھٹکارا بذریعہ کفارہ نہ ہوسکتا تھا، شرک سے زبانی سچی توبہ کافی نہ تھی بلکہ اپنے کو قتل کے لیے پیش کردو، عذابِ کفر کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا مگر اسلام مذہب میں ایسی کوئی سختی نہیں۔ میدان ہو، مکان ہو، کھیت کھلیان ہو یا دوکان ہو، مسلمان زمین کے کسی بھی حصے پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس کی عبادت میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں پوری زمین کو ہمارے لیے مسجد بنا دی ہے۔ ہم کہیں بھی نماز پڑھ لیں، ہماری نماز ہو جائے گی۔ عمل کے اعتبار سے دین اسلام بہت ہی آسان ہے۔ پانی نہ ملے تو تیمّم کرلو، قسم کھالیا ہے تو کفارے میں تین روزے رکھ لو، کپڑے میں ایک درہم سے زیادہ ناپاکی لگی ہے تو اسے دھو ڈالو۔ اسلام عملی اعتبار سے بہت ہی آسان دین ہے جس پر امیر، غریب، فقیر ہر کوئی آسانی سے عمل کرسکتا ہے۔

سوال:— کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا منع ہے۔ صحابہ کرام جب حضور کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیوں کہ جانتے تھے کہ حضور کو یہ چیز ناپسند ہے۔ حضور خود ارشاد فرماتے ہیں کہ جو آدمی یہ پسند کرے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیماً کھڑے رہیں تو ایسا شخص جہنمی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لیے نہ کھڑا ہونا چاہیے۔

میلاد شریف میں تو حضور آتے بھی نہیں پھر تعظیمی قیام کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟

(وہابی، دیوبندی)

جواب:۔۔۔ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے کبھی تو حضور کے لیے قیام کیا اور کبھی نہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام حضور کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں۔ تعظیم کے لیے قیام سنت ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شکل وصورت میں، عادات واخلاق میں، اطوار وکردار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھیں اور سرکار آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ آپ کے مکان پہ جب سرکار تشریف لاتے تو آپ تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور جب آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں حاضر ہوتیں تو آپ کھڑے ہو کر اکرام وشفقت فرماتے اور سر کو بوسہ دیتے۔ خاتون جنت کے لیے حضور کا کھڑا ہونا شفقت ومحبت کے طور پر تھا اور حضور کے لیے خاتونِ جنت کا کھڑا ہونا تعظیم کے لیے تھا۔ ایک اور مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا عزت افزائی فرماتے ہوئے فرمایا: قُومُوْ لِسَیِّدَ کُمْ اَوْ خَیْـرَ کُمْ. اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ بخاری شریف کی اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ کسی بھی صاحب فضیلت کی آمد پر کھڑے ہونا اَمر مستحسن ہے اور یہ قیام صرف کھڑا ہونا یا اٹھنے کے معنی میں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی مقامات پر ثابت ہے۔ جیسے کہ فتح مکہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ بن ابو جہل کے لیے قیام فرمایا۔ اور حضرت عدی بن حاتم طائی جب حاضر بارگاہِ رسالت ہوتے تو سرکار ان کی عزت افزائی کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ نیز ابن عباس کی روایت کے مطابق حضور نے بنی ہاشم، آلِ فاطمہ، زید بن حارثہ اور دیگر صحابہ کرام کے لیے امت مسلمہ کو ان کے لیے قیام کا حکم صادر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں اور علما مشائخ کے لیے قیام آداب سنت سے ہے۔ اور وہ قیام جس سے منع کیا گیا ہے وہ کھڑے رہنے کے معنی میں ہے جیسے کہ حاکم یا بادشاہ کے لیے ہوتا ہے کہ وہ تخت یا کرسی پر بیٹھا رہے اور نوکر چاکر خدمت میں ہاتھ باندھے ہمیشہ کھڑے رہیں جیسا کہ

شاہانِ ہنداور سلاطین عالم کراتے تھے۔ایسے قیام سے روکا گیا ہے۔ایسا قیام و تعظیم شریعت میں حرام ہے۔معلوم ہوا کہ تعظیم کے لیے اٹھنا اور کھڑے ہو جانا یہ جائز اور درست ہے مگر کسی کی تعظیم کے لیے ہاتھ باندھ کر ہمیشہ کھڑے رہنا، یہ حرام ہے۔(**تحفة الصلوٰة الی نبی المختار**)

شیخ الاسلام تاج الدین سبکی جلیل القدر علمائے شوافع میں سے ہیں۔ایک محفل میلاد پاک میں ذکر پاک سن کر تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ان کی متابعت میں سب لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔یہ قیام ذکر حبیب پر تھا اور تعظیم کے اس انداز سے پوری مجلس پر ایک عجیب سرور و نور چھا گیا۔امام مالک مدینہ پاک کی زمین پاک پر کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور نہ ہی جوتا چپل پہنا اور نہ ہی کبھی آپ رفع حاجت کئے۔کہیئے مدینہ پاک کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔مگر امام مالک کا جذبہ دل ہے، عین ثواب ہے اور اہل ایمان کے لیے ہدایت کی روشنی ہے۔اسی طرح فتاویٰ شامی میں ہے: **اذسمعو! بذکرہٖ وَلَادَتِہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یقوم تعظیماً قداستحسن القیام عند ذکر مولدہٖ الشریفة.** ذکر ولادت سننا اور تعظیم کے لیے کھڑے ہو جانا محمود اور امر مستحسن ہے۔ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ قیام تعظیمی نہ صرف جائز بلکہ سنت اور طریقہ اسلاف ہے۔

سوال:۔۔۔خاتم النبیین کے معنی ہیں نبیوں سے افضل۔جیسے کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص خاتم الشعرا یا خاتم المحدثین ہے۔اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ شاعروں یا محدثوں میں آخری شاعر یا آخری محدث ہے بلکہ محدثوں میں افضل ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا: **اَنْتَ خَاتِمُ الْمُهَاجِرِیْنَ.** تم مہاجرین میں خاتم یعنی افضل ہو، نہ یہ معنی کہ آخری مہاجر ہو کیونکہ ہجرت تو قیامت تک جاری رہے گی۔لہٰذا آپ کے بعد نبی آ سکتے ہیں، ہاں! آپ سب سے افضل ہیں اور خاتم النبیین کے معنی یہی ہیں۔

جواب:۔۔۔خاتم "خَتَمٌ" سے بنا ہے جس کے معنی افضل کے نہیں۔ورنہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِهِمْ کے معنی یہ ہوتے کہ اللہ نے کافروں کے دل افضل کر دیئے۔جب ختم میں

افضلیت کے معنی نہیں تو خاتم میں جو اس سے مشتق ہے، یہ معنی کہاں سے آ گئے۔ لوگوں کا کسی کو خاتم الشعرا کہنا مبالغہ ہوتا ہے گویا اب اس شان کا شاعر نہ آئے گا۔ کہا کرتے ہیں کہ فلاں پر شعر گوئی ختم ہو گئی۔ رب تعالیٰ کا کلام مبالغہ اور جھوٹ سے پاک ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان مہاجرین میں سے ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی یہ آخری مہاجر ہیں کیونکہ ان کی ہجرت فتح مکہ کے دن ہوئی جس کے بعد یہ ہجرت بند ہو گئی۔ للہٰذا وہاں بھی خاتم آخر کے معنی میں ہے۔ سرکار نے فرمایا: لَا هِجْرَةَ بَعدَ اليَومُ. آج کے بعد اب مکہ سے کوئی ہجرت نہ ہوگی۔ اگر وہاں خاتم کے معنی افضل ہو تو لازم آئے گا کہ حضرت عباس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہو جاویں کیونکہ حضور بھی مہاجر ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ خاتم کے معنی افضل کے نہیں بلکہ آخری کے ہیں جس کے بعد کوئی نہ آئے۔

سوال:— ایمان کسے کہتے ہیں اور ایمان کا معنی ومفہوم کیا ہوتا ہے؟

جواب:— ایمان امن سے بنا ہے جس کے لغوی معنی امن دنیا ہے۔ مگر اصطلاح شریعت میں ایمان اچھے عقائد کا نام ہے جس کے اختیار کرنے سے انسان دائمی عذابِ الٰہی سے بچ جاوے۔ جیسے توحید و رسالت، حشر و نشر، جنت و دوزخ اور تقدیر کو ماننا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اصطلاحِ قرآن میں ایمان کی اصل جس پر تمام عقیدوں کا دار و مدار ہے وہ یہ ہے کہ بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے اپنا حاکم مطلق مانے، اپنے آپ کو ان کا غلام تسلیم کرے اور یہ خیال کرے کہ مومن کے جان و مال سب حضور کی ملک ہیں۔ اگر اس کو مان لیا تو توحید، جنت، فرشتے، حشر و نشر، جنت و دوزخ سب کو مانے مگر قرآن کے فتویٰ سے وہ مومن نہیں بلکہ کافر و مشرک ہے۔ ابلیس پکا موحد، نمازی، عابد و ساجد تھا، فرشتے، قیامت، جنت، دوزخ سب کو مانتا تھا مگر رب نے فرمایا: وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْن. شیطان کافروں میں سے ہے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ نبی کی عظمت کا قائل نہیں تھا۔ غرضیکہ ایمان کا دار و مدار قرآن کے نزدیک عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ صرف توحید کا ماننا ایمان نہیں، جنت، دوزخ، تقدیر، فرشتے اور تمام چیزوں کا ماننا ایمان نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بااختیار، غیب داں، بے

مثل و بے مثال، مختارِ کل اور حاکم دل سے ماننا ایمان ہے اور ایمان پر ہی قبولیت اعمال کا دارومدار و نجات ہے۔

سوال:— حقیقت کفر کیا ہے؟

جواب:— جیسے کہ صدہا چیزوں کے ماننے کا نام ایمان تھا لیکن ان سب کا مدار صرف ایک چیز پر تھا یعنی پیغمبر کو ماننا کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کما حقہ مان لیا اس نے سب کچھ مان لیا اسی طرح کفر کا مدار صرف ایک چیز پر ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار، ان کی عظمت کا انکار، ان کی شانِ اعلیٰ کا انکار۔ اصل کفر تو یہی ہے۔ باقی تمام اس کی شاخیں ہیں۔ مثلاً جو رب کی ذات یا صفات کا انکار کرتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے کہ حضور نے فرمایا اللہ ایک ہے اور یہ کہتا ہے کہ ایک نہیں بلکہ کئی ایک ہیں۔ اسی طرح روزہ، نماز وغیرہ کسی ایک کا انکار درحقیقت حضور کا انکار ہے کہ سرکار فرماتے ہیں یہ چیزیں فرض ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ توہین، ان کی کسی شئی کی توہین قرآنی فتویٰ سے کفر ہے۔ جس اچھے کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا لحاظ نہ ہو بلکہ ان کی مخالفت ہو وہ کفر بن جاتا ہے۔ دیکھو مسجد بنانا اچھا کام ہے لیکن منافقین نے جب مسجد ضرار بنائی حضور کی مخالفت کرنے کے لیے اور ایذا رسانی کی نیت سے تو قرآن نے اسے کفر قرار دیا۔

سوال:— کسی کو دور سے پکارنا یہ سمجھ کر کہ وہ سن رہا ہے، یہ شرک ہے؟ (وہابی)

جواب:— یہ بالکل غلط ہے۔ اگر دور سے پکارنا شرک ہو تو سب شرک ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے حضرت ساریہ کو پکارا حالانکہ وہ نہاوند میں تھے۔ اسلامی لشکر کے کمانڈر تھے۔ کفار سے آپ اس وقت مصروفِ جہاد تھے۔ حضرت ابراہیم نے کعبہ بنا کر تمام دور کے لوگوں کو پکارا اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی روحوں کو پکارا اور انہوں نے سن لیا اور لبیک بھی کہا۔ جنہوں نے لبیک کہا ان کو حج کی سعادت نصیب ہوئی اور جو خاموش رہیں وہ محروم رہیں۔ ان تمام چیزوں کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ آج نمازی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا ہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ. اے نبی! آپ پر

سلام ہوا گر یہ شرک ہو جائے تو ہر نمازی کی نماز تو بعد میں ختم ہو گی ایمان پہلے ختم ہو جائے گا۔
آج ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ دور سے لوگوں کو پکارتے ہیں اور وہ سن لیتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ریڈیو کی بجلی کی طاقت ایک سبب ہے اور سبب کے ماتحت دور سے سننا شرک نہیں تو یہی بات تو ہم بھی کہیں گے کہ نبوت کے نور کی طاقت ایک سبب ہے اور سبب کے ماتحت سننا شرک نہیں۔ دور ہو یا نزدیک کسی کو خدا سمجھ کر پکارنا یہ شرک ہے لہٰذا یہ سوال باطل اور لغو ہے۔

سوال:— کیا محبوبانِ خدا دور سے سنتے اور دیکھتے ہیں؟ (وہابی، نجدی، گمراہ فرقے)

جواب:— اللہ کے مقرب اور مقبول بندے دور و نزدیک کی چیزیں دیکھتے ہیں اور دور کی آہستہ آواز بھی باذنِ الٰہی سنتے ہیں۔ قرآن کریم اس پر گواہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کئی میل دور سے چیونٹی کی آواز سنی۔ وہ اس وقت تمام چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی: یآ ایھا النمل ادخلوا مسکنکم. اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔ سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے۔ وہ کہیں تمہیں کچل نہ ڈالے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس چیونٹی کی آواز سن کر مسکرا پڑے۔ جب کہ آپ کا لشکر ابھی اس جنگل میں داخل بھی نہ ہوا تھا اور لشکر تین میل یا ساٹھ میل کی دوری پر تھا تو آپ نے یہ آواز یقیناً اتنے زیادہ فاصلے سے سنی۔ رہا چیونٹی کا یہ کہنا کہ وہ بے خبری میں کہیں کچل نہ دیں۔ اس سے مراد بے علمی نہیں بلکہ ان کا عدل و انصاف بتانا مقصود ہے کہ وہ بے قصور چیونٹی کو بھی نہیں مارتے۔ یعقوب علیہ السلام کنعان میں ہیں اور یوسف علیہ السلام کی قمیص مصر سے چلی ہے اور آپ نے خوشبو یہاں سے پالی۔ یہ نبوت کی طاقت ہے۔ آصف بن برخیا ملک شام میں ہیں اور بلقیس کا تخت یمن میں اور فوراً لانے کی خبر دے رہے ہیں۔ اور لانا جانے کے بغیر ناممکن ہے۔ معلوم ہوا وہ اس تخت کو یہاں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ ہے ولی کی نظر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر گھروں کے اندر جو ہو رہا ہے اسے دور سے دیکھ رہی ہے کہ کون کھا رہا ہے اور کیا رکھ رہا ہے۔ یہ ہے نبی کی قوتِ نظر۔ ملک الموت کو جان نکالنے کے لیے یہ طاقت و قوت دی کہ عالم کے ہر انسان بلکہ ہر جاندار کو دیکھ لیتے ہیں تو انبیا اولیا کو جو رہبر و رہنما ہیں۔ خلق کے ہادی ہیں سارے عالم کی خبر ہونا لازم ہے تاکہ دوا کی

طاقت بیماری سے کم نہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے وہ بینائی بخشی کہ انہوں نے تحت الثریٰ سے عرش اعلیٰ تک دیکھ لیا۔ قرآن پاک میں یہ تمام واقعات درج ہیں۔ معلوم ہوا کہ محبوبانِ خدا، انبیا و اولیا کی نظر گذشتہ آئندہ سب کو دیکھتی ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات دوزخ میں مختلف قوموں کو بالخصوص شوہر کی ناشکری کرنے والی اکثر عورتوں کو عذاب میں مبتلا دیکھا حالانکہ ان کا عذاب پانا قیامت کے بعد ہوگا۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ نبوت کا کیا کہنا۔ آپ نے اللہ کی ذات صفات، نشانیاں، قدرت سب کو دیکھا۔ امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

کس نے دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لال کرامت پہ لاکھوں سلام

سوال:— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز وغیرہ میں سلام کیا جاوے اس میں یہ نیت نہ ہو کہ آپ سن رہے ہیں بلکہ جیسے کسی سے سلام کہلا کر بھیجتے ہیں یا کسی کو خط میں سلام لکھتے ہیں ایسے ہی سلام کیا جائے کیونکہ دور سے آدمی کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں اور پاس والے کا سلام حضور خود سنتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ (وہابی مردود)

جواب:— اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب کسی کے ہاتھ سلام کہہ کر بھیجتے ہیں تو اسے خطاب کر کے السلام علیکم نہیں کہتے بلکہ جانے والے کو کہتے ہیں کہ فلاں سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ ہم لوگ نماز وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خط تو لکھتے نہیں تمہاری قول کے مطابق فرشتوں سے کہلا کر بھیجتے ہیں تو اس صورت میں یہ نہ کہا جاتا کہ اے نبی تم پر سلام ہو بلکہ یوں کہا جانا چاہیے کہ اے فرشتو! حضور سے ہمارا سلام کہنا۔ خطاب فرشتوں سے ہونا چاہیے تھا۔ دوسری بات یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ دور والے کا سلام نہیں سنتے۔ صرف یہ ہے کہ دور والے کا سلام ملائکہ پیش کرتے ہیں جیسے کہ فرشتے رب کی بارگاہ میں بندوں

کے اعمال پیش کرتے ہیں تو کیا خدا خود ان کے اعمال کو نہیں جانتا ضرور جانتا ہے مگر پیشی بھی ضروری ہے۔علما کرام فرماتے ہیں کہ دور ہو یا نزدیک حضور اہل محبت کے سلام کو خود سنتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر جگہ جلوہ گر ہیں۔حجاب ہماری آنکھوں پر ہے۔نکیرین اسی جواب کو قبر میں اٹھادیتے ہیں اور جلوہ دکھا کر پوچھتے ہیں کہ ان کو پہچانو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ نہیں تو التحیات میں: **السلام علیك یا ایھا النبی** میں خطاب کیوں ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ نمازی التحیات میں سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلب مومن میں جلوہ گر ہیں اور ایک ہی وقت میں آدمی چند جگہ دفن ہوتے ہیں اور اس کے لیے سب کو زیارتِ جمال مصطفیٰ کرائی جاتی ہے۔معلوم ہوا کہ حضور کی جلوہ گری ہر جگہ ہے۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

سوال:۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہنا حضور کی بے ادبی ہے بلکہ حضور کی عزت اسی میں ہے کہ آپ خاک سے ہوں کیونکہ خاک نور سے افضل ہے اس لیے کہ فرشتے نور ہیں اور آدم علیہ السلام خاکی بشر، اور فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا نا کہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو۔حضور کو نور ماننا گویا آپ کی توہین کرنا ہے۔نور ساجد ہے اور خاک مسجود۔

جواب:۔۔۔اس سوال کے دو جواب ہیں۔ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر خدائے تعالیٰ کو نور کہنا خدا کی اور قرآن کی بے ادبی ہوئی۔تعجب ہے کہ حضور کو نور کہتے ہیں تو آپ کو حضور کی بے ادبی معلوم ہوا اور خدا کو نور کہنے میں یہ ساری بے ادبی کافور ہو جائے۔ ماشاءاللہ دیوبندی وہابی بھی ادب والے بن گئے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کھلی گستاخیاں کیں جو کھلا کافر بھی نہ کر سکے۔تحقیقی جواب یہ ہے کہ سجدہ آدم علیہ السلام کے صرف خاکی جسم شریف کو نہ تھا بلکہ اس نورانی روح کو تھا جو جسم شریف کو پھونکی گئی۔ چونکہ جسم آدم اس روح کی تجلی گاہ بن چکا تھا اس لیے سجدہ اسے بھی ہوا اور آدم علیہ السلام کی روح نور مصطفوی کی

ایک تجلی تھی ورنہ آدم علیہ السلام کا جسم شریف تو روح پھونکنے سے چالیس سال پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ اگر صرف جسم ہوتا تو اب تک توقف نہ کیا جاتا۔ اس سے پہلے سجدہ ہو چکا ہوتا نیز ابلیس کو خاک پر خاک میں خاک کی طرف سجدہ کرنے میں کبھی عذر نہ ہوتا کیونکہ وہ اس سے پہلے خاک کے ہر ذرہ پر سجدے کر چکا تھا۔ آج یہ ایک سجدہ بھی کر لیتا۔ اب جو سجدے سے انکار کر رہا ہے۔ وہ در حقیقت وہ اس نورانیت کا منکر ہے جو سجدے کا باعث ہے۔ نیز اگر فقط خاک خاک ہی کو سجدہ کرانا تھا تو خاک ڈھیر ٹیلے ہزار موجود تھے۔ ان میں سے کسی کی طرف سجدہ کرا دیا جاتا معلوم ہوا کہ خاک مسجود نہ تھی بلکہ وہ نور مسجود تھا جو حضرت آدم علیہ السلام میں ودیعت تھا۔

زبانِ حال سے کہتے تھے آدم
جسے سجدہ ہوا ہے میں نہیں ہوں

سوال:۔۔۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہوتے تو حضور کی ساری اولاد یعنی قیامت تک سید نور ہوتے کیونکہ اولاد اپنے ماں باپ کی جنس سے ہوتی ہے۔ انسان کا بچہ انسان، شیر کا بچہ شیر، ایسے ہی چاہیے کہ نور کی اولاد نور ہو۔ جب سارے سید نور نہیں تو حضور بھی نور نہیں۔ (وہابی، نجدی)

جواب:۔۔۔ اس قسم کے اعتراض اس وقت ممکن ہیں کہ جب ہم حضور کی بشریت کا انکار کرتے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ کبھی بشریت کے صفات آپ پر ظاہر ہوتے ہیں کبھی نورانیت کے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام صفات کا جامع بنا کر بھیجا۔ جب آپ پر نورانیت غالب آتی تو مہینوں تک کچھ نہیں کھاتے پیتے بلکہ صوم وصال رکھتے اور جب بشریت غالب آتی تو اس کے تمام تقاضے بھی پوری کرتے۔ رہا سادات کرام کا نور ہونا تو حضور کے یہ تمام رشتے بشریت کے ہیں، نورانیت میں کسی سے کوئی رشتہ نہیں۔ حضور اس نورانیت میں نہ کسی کی اولاد ہیں نہ کسی کے والد نہ کسی کے قرابت دار نہ رشتے والے۔ عالم نورانیت تو بیت اعلیٰ ہے۔ کوئی روح کسی کی جنس یا اصل نہیں۔ اس لیے اولادِ روحانی اوصاف میں ماں باپ کے خلاف بھی ہو جاتی ہے۔ نبی زادہ کافر، عالم کی اولاد جاہل، جاہل کی اولاد

عالم ہو جاتی ہے غرضیکہ ولادت بشریت کی ہے، نورانیت کی نہیں۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

سوال:۔۔۔ بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب غار حرا میں حضور پر پہلی وحی اقراء باسم ربك آئی تو حضور حضرت جبرئیل کو پہچان نہ سکے۔ ورقہ بن نوفل کے بتانے سے پہچانا کہ یہ جبرئیل ہیں۔ پھر یہ کیسے درست ہوا کہ حضور اپنی نبوت پہلے ہی سے جانتے تھے؟ (وہابی اور گمراہ فرقے)

جواب:۔۔۔ یہ غلط ہے۔ بخاری شریف کی اس روایت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کے معنی یہ ہوں کہ حضور نے حضرت جبرئیل کو نہ پہچانا۔ اگر حضور حضرت جبرئیل کو نہ پہچانتے تو یہ آیت اقراء باسم ربك قطعی نہ رہتی کیونکہ آیت قطعی جب ہوگی جب اس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ رہے اور اگر حضور کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ یہ شخص فرشتہ ہے یا کوئی اور تو یہ پتہ بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ رب کا کلام ہے۔ اور جب حضور ہی کو اس آیت کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہوا تو ہم کو اس کا یقین کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ ہمارا یقین تو حضور کے یقین پر ہے۔ اسی لیے اس وقت حضور انور نے حضرت جبرئیل سے یہ نہ پوچھا کہ تم کون ہو اور مجھے کیا پڑھانا چاہتے ہو۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جانتے پہچانتے تھے۔ کیوں نہ پہچانتے کہ حضرت جبرئیل اور سارا عالم حضور کے نور ہی سے بنا اور حضور کا نور ان سب سے پہلے پیدا ہوا۔ رہا ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے جانا اور ورقہ کا یہ عرض کرنا دوسروں کی تصدیق کے لیے تھا کہ سننے والے ورقہ کی یہ گفتگو سن کر حضور کی نبوت پر زیادہ مطمئن ہو جاویں کیونکہ ورقہ بن نوفل توریت کے بہت بڑے عالم تھے۔ مکہ والے ان کے علم وعمل کے قائل تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس جانا اپنے علم کے لیے نہیں بلکہ ان سے تصدیق کرانے کے لیے تھا تاکہ حضرتِ خدیجہ کو حضور کی نبوت کا عین الیقین حاصل ہو جائے اور دوسروں کو علم الیقین۔ جیسے

حضور کا پتھروں سے کلمہ پڑھانا، درختوں سے گواہی دلوانا اپنے علم کے لیے نہیں دوسروں کو بتانے کے لیے ہے۔

سوال: — مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ ایک دن ٹھیک دوپہر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں حضور کے سائے میں تھی۔ اگر حضور کا سایہ نہ تھا تو آپ سایہ میں کس طرح ہوگئی تھیں۔ انا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. یہاں لفظ ظِلّ پر غور کرو۔ ظِلّ سایہ کو کہتے ہیں۔ (وہابی دیوبندی)

جواب: — اس حدیث میں ظِلّ سے مراد یہ معروف سایہ نہیں جو کثیف اجسام کا ہوتا ہے کیونکہ مدینہ منورہ میں گرمی کی ٹھیک دوپہر میں یہ سایہ پڑتا ہی نہیں اور اتنا دراز سایہ کہ دوسرا آدمی اس میں چل سکے یہ تو گرمیوں میں دوپہر کے وقت ہمارے یہاں بھی نہیں پڑتا۔ لہٰذا یہاں سایہ مراد نہیں۔ عربی بلکہ اردو زبان میں سایہ رحمت، مہربانی و کرم اور پناہ کو کہتے ہیں۔ عام طور پر بزرگوں کو لکھتے ہیں کہ ان کا سایہ ہمیشہ رہے۔ ماں باپ کا سایہ ہم پر دراز اور سلامت رہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حضرات رات دن دھوپ اور آگ میں تپتے رہیں اور ان کا سایہ پڑتا رہے۔ مطلب یہ کہ آپ کی مہربانی رحمت پناہ ہمیشہ رہے۔ دیکھو: حدیث پاک میں ہے کہ سات آدمیوں کو اللہ اپنے عرش کے سایہ میں رکھے گا۔ دیکھو نہ خدا جسم کثیف ہے کہ اس کا سایہ ہو نہ عرشِ اعظم سایہ دار جسم ہے۔ یہاں دونوں جگہ سایہ سے مراد رحمت اور پناہ ہے۔ نیز حدیث پاک میں ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں سوا سو برس چلے تو بھی اسے طے نہ کر سکے۔ دیکھو جنت میں نہ دھوپ ہے نہ چاندنی، پھر طوبیٰ درخت کے سایہ کے کیا معنی۔ وہاں بھی سایہ سے مراد پناہ یا اس کے نیچے ہونا ہے۔ تمہاری پیش کردہ حدیث میں اگر سایہ سے مراد سایہ معروفہ ہو تو یہ حدیث ہماری پیش کردہ حدیث ذکوان کے بھی خلاف ہوگی اور ان آیاتِ قرآن کے بھی خلاف جو نور کے بارے میں ہے۔

سوال: — حضور نے اپنی ابتدائی تبلیغ میں فرمایا کہ اے فاطمہ بنت رسول اللہ! تم جو چاہو میرا مال مانگ لو وَلَا اَغْنَىْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا. لیکن میں تم سے خدا کے غضب کو مٹا

نہیں سکتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مصیبت دفع نہیں کر سکتے تو ہم سے کس طرح دفع کر سکتے ہیں پھر ملکیت کہاں رہی۔ (وہابی)

جواب:— اس روایت میں مستقل ذاتی ملکیت کا انکار ہے۔ یعنی اے فاطمہ! اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا اور رب کا ارادہ ہو گیا کہ تم پر عتاب آ جائے تو میں رب کے مقابلے میں تم سے کسی مصیبت کو دفع نہیں کر سکتا۔ اور اس سے مقصود دوسروں کو سنانا ہے۔ اسی لیے مِنَ اللّٰہ فرمایا گیا۔ اور یہ کسی کا عقیدہ نہیں کہ کوئی رب کا بندہ رب سے مقابلہ کر سکتا ہے؟ معاذ اللہ۔ جو کوئی جو کچھ بھی کرتا ہے وہ رب کی دی ہوئی قدرت اور اسی کے ارادے سے کرتا ہے۔ معترض نے سلطنت مصطفیٰ کے معنی نہیں سمجھا اور ذاتی وعطائی مستقل اور غیر مستقل میں فرق نہیں جانا۔ شامی جلد اول بحث غسل میت میں ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر رب تعالیٰ کے مالک کئے ہوئے میں تم سے مصیبت دور نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اجنبی لوگوں کو شفاعت سے نفع پہنچائیں گے پھر اپنے اہل قرابت مومنین کو کیوں محروم چھوڑیں گے۔ حدیث پاک میں ہے کہ موت سے تمام رشتے اور سلسلے ٹوٹ جاتے ہیں سوائے ہمارے رشتے اور سلسلے کے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کلثوم بنت فاطمہ زہرا سے نکاح کیا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سسرالی رشتہ قائم ہو جائے اور یہ آیت کہ یعنی جب صور پھونکا جائے گا لوگوں کے نسب ٹوٹ جائیں گے۔ اس آیت کے حکم سے حضور کا نسب علیحدہ ہے۔ شامی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فاطمہ زہرا کی بڑی ذات ہے سادات کرام کو ہی نسب کام آئے گا بشرطیکہ مومن ہوں۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابی کا تھوڑا سا جو خیرات کرنا اوروں کے پہاڑ برابر سونا خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ حضور کے صحبت پاک کے یہ درجے ہیں تو جو لخت جگر نور نظر ہوں رضی اللہ عنہا ان کی مدارج و مراتب تو رب ہی جانے۔

خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر
ان کی اس پاک طینت پہ لاکھوں سلام

سوال:۔۔۔اسلام میں سارے نسب وخاندان برابر ہیں۔کوئی کسی سے افضل نہیں۔لہٰذا سید، مرزا، مغل، پٹھان، تیلی، نائی، دھنیا، جولاہا، دھوبی سب یکساں درجہ رکھتے ہیں۔تقویٰ سے فضیلت ہے نسب وحسب سے نہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:اِنَّا جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْ. اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عنداللّٰه اَتقَاکُمْ. بے شک ہم نے قبیلے اور خاندان اس لیے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک عزت والا، تعظیم والا وہ ہے جو نیک ہو، متقی اور پرہیزگار ہو۔(زید)

جواب:۔۔۔ حضرات ساداتِ کرام کا نسب دوسرے نسبوں سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ سادات کرام جو حضور کے اہل قرابت اور اولاد ہیں ان سے حضور کی خاطر محبت کرنا لازم ہے۔ دیگر خاندانوں کا یہ حال نہیں۔حضور پاک کا خاندان دنیا جہان میں سب سے زیادہ اشرف ہے۔ساداتِ کرام کے نسب پاک کو یہ افضلیت اس لیے ہے کہ وہ حضور کا خاندان ہے۔اس آیت کا منشا یہ ہے کہ مسلمان سارے ہی عزت والے ہیں خواہ کسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں، کسی اسلامی قوم،قبیلہ اور خاندان کو ذلیل نہ جانو۔جیسا کہ عرب میں رواج تھا کہ بعض قبیلوں کو حقیر ذلیل سمجھتے تھے۔یعنی مسلمانوں میں کوئی خاندان قبیلہ ذات برادری ذلیل نہیں۔ ہاں بعض بعض سے افضل ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ ورسوله و للمؤمنين. عزت اللہ رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔اس میں سارے مسلمان شامل ہیں۔ بلاتشبیہ یوں سمجھا جائے کہ سارے ہی نبی عزت والے ہیں۔اللہ کے پیارے ہیں۔کسی پیغمبر کی ادنیٰ بے ادبی بھی کفر ہے۔مگر بعض نبی بعض سے افضل ہیں۔یا اس آیت کا منشا یہ ہے کہ کوئی نسبی فضیلت کے گھمنڈ میں تقویٰ پرہیزگاری نہ چھوڑے۔ یہ دھیان رکھے کہ اللہ کے نزدیک جتنا تقویٰ زیادہ اتنا ہی درجہ زیادہ بلکہ بہت بڑی حسب نسب والوں کو بڑا تقویٰ چاہئے۔یا اس آیت کا منشا یہ ہے کہ مسلمان کسی مسلمان کو، دھنیا، جولاہا، نائی، دھوبی وغیرہ ہونے کا طعنہ نہ دیں۔اور نہ ہی کسی مسلمان کو حقیر، کمین اور کمتر سمجھے اور نہ ہی اس کا ذات برادری کے نام پر مذاق اڑائے۔ ہر مسلمان واجب التعظیم و احترام ہے۔کسی خاندان کے افضل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ

دوسروں کو ذلیل جانو۔ لہٰذا ساداتِ کرام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو حقیر و ذلیل جانیں، ہر مسلمان کا احترام لازم ہے مگر دوسرے مسلمانوں کو چاہیے کہ ساداتِ کرام کا اس لیے اعزاز و اکرام کریں کہ یہ لوگ اس رسول کی اولاد ہیں جنہوں نے ہمیں کلمہ پڑھایا، جنہوں نے ہمیں قرآن و ایمان دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہدایات:- قرآن و احادیث میں سید حضرات کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حضرات نیک کام نہ کریں، نماز نہ پڑھیں، صرف خاندانی شرافت کی وجہ سے وہ اعمال سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ خیال محض غلط اور باطل ہے۔ ساداتِ کرام کو دوسروں سے زیادہ نیکیاں کرنی چاہیے تا کہ وہ حضرات اوروں کے لیے مثال بنیں۔ فرسٹ کلاس والے مسافر کو تھرڈ کلاس والے مسافر سے زیادہ روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ انہیں لازم ہے کہ وہ اپنے اسلاف کا نمونہ بنیں۔ امام حسین نے خنجر کے نیچے نماز پڑھی۔ اگر ان کی اولاد بلا وجہ نماز چھوڑے تو بڑے افسوس کی بات ہے۔ جتنے ساداتِ کرام کے فضائل ہیں وہ ان کے لیے ہیں جو صحیح النسب خاندانی سید ہوں۔ حضرت فاطمہ زہرا سے لے کر ان تک ان کی نسل میں غیر سید نہ آیا ہو۔ فی زمانہ نقلی سید بہت بن گئے کہ سید نہیں مگر سید کہلاتے ہیں۔ یہ سخت حرام اور شدید ترین جرم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام پر لعنت فرمائی جو اپنے کو غیر مولیٰ کی طرف نسبت کرے اور اس شخص پر لعنت فرمائی جو اپنے کو غیر خاندان سے منسوب کرے جو سید نہ ہو اور سید بنے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا بھی مستحق ہے۔ نیز در پردہ وہ اپنے ماں کو گالی دیتا ہے اور وہ سید کو اپنی ماں کا خاوند بتاتا ہے۔ دیکھو زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ حارثہ کے بیٹے تھے۔ انہیں حضور نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا۔ لوگ بھی انہیں اسی وجہ سے زید بن محمد کہتے تھے۔ قرآن کریم نے اسے سخت منع فرمایا اور کہا کہ اللہ نے تمہارے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہ بنایا۔ سوچو جب حضرت زید کو نبی کریم کا بیٹا کہنا حرام ہوا حالانکہ وہ حضور کے پروردہ اور پالک بھی تھے تو جو کوئی اپنے کو سید کہہ کر حضور کی اولاد کہے حالانکہ وہ سید نہ ہو وہ قرآن کے رو سے کتنا بڑا مجرم ہے۔ اسی طرح جو اپنے کو سید کہے گا مگر ہو مرتد تو وہ مسلمان ہی نہیں سید ہونا تو بہت بڑی

بات ہے۔کوئی مرزائی، رافضی، خارجی، چکڑالوی، وہابی گستاخ رسول سید نہیں ہوسکتا کیونکہ سید ہونے کے لیے ایمان ضروری ہے اور وہ ایمان سے بے بہرہ کفر کی وجہ سے سارے نسبتی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اسی لیے کافر نہ مومنہ سے نکاح کر سکے اور نہ مومن کی میراث پائے نہ مومنوں کے قبرستان میں دفن ہو۔ جب کافر اولاد کو مومن باپ کی مالی میراث نہیں مل سکتی تو کافر کو نسبی شرافت و عزت کیسے مل سکتی ہے۔ ابولہب بنی ہاشم سے ہے مگر اس کی کوئی شرافت نہیں۔لہٰذا سنی صحیح العقیدہ مومن ساداتِ کرام واجب الاحترام ہیں نا کہ گستاخ رسول۔

سوال:— حدیثیں زمانہ نبوی کے بعد لکھی گئیں۔ اس زمانے میں کتابی شکل میں نہ تھیں۔لہٰذا اب حدیثوں کا اعتبار نہ رہا۔نہ معلوم غلط لکھی گئیں یا صحیح۔(منکرین حدیث)

جواب:— بعینہٖ یہ سوال قرآن پاک پر بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن زمانۂ نبوی میں کتابی شکل میں نہ تھا، بعد میں زمانہ صدیقی میں صرف جمع کیا گیا۔ پھر زمانہ عثمانی میں اس کی اشاعت ہوئی اور خلفائے راشدین کے بعد اس پر اعراب (زیر، زبر، پیش) لگے۔ پھر بہت عرصے کے بعد اس کے پارے اور رکوع وغیرہ مقرر ہوئے۔ نا معلوم لوگوں نے درست لکھا یا غلط۔ جناب اللہ نے صحابہ کو وہ غضب کا حافظہ بخشا تھا کہ بعض صحابہ ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثوں کے ایسے حافظ تھے کہ زیر و زبر کا بھی فرق نہ ہوتا تھا۔ جب عہد صحابہ قریب الختم ہوا تو زمانہ تابعین میں کتب احادیث ایسی احتیاط کے ساتھ لکھی گئیں جس کی مثال کسی زمانے میں نہیں ملتی کہ ہر راوی کی تاریخ کتابوں میں آ گئی اور اس کے لیے مکمل ایک فن وضع ہوا جسے اسماء الرجال کہتے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو کہ ۸۰ھ میں پیدا ہو چکے تھے "مسانید امام ابو حنیفہ" لکھی۔ پھر حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے جو کہ ۹۰ھ میں پیدا ہوئے موطا امام مالک لکھی۔ اسی طرح امام محمد نے موطا امام محمد وغیرہ تالیف کی۔ حتیٰ کہ ۱۹۴ھ میں حضرت امام بخاری پیدا ہوئے اور انہوں نے ایسی معرکہ آرا کتاب لکھی کہ سبحان اللہ۔ یعنی بخاری شریف۔ اس تالیف سے پہلے اور تالیف کے زمانے میں لوگ احادیث ایسے یاد کرتے تھے جیسے آج

حافظ قرآن شریف کو۔ اس جمع کے بعد پھر حدیث یاد کرنے کا رواج کم ہو گیا۔

سوال: — حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے؟

جواب: — حدیث اور سنت میں یہ فرق ہے کہ حدیث تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وہ قول یا فعل شریف ہے جو روایت میں آ جاوے خواہ ہمارے لیے وہ قابل عمل ہو یا نہ ہو لیکن سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وہ قول یا عمل شریف ہے جو ہمارے لیے بھی لائق عمل ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیک وقت نو یا گیارہ بیویاں اپنے نکاح میں رکھنا یا اونٹ پر سوار ہو کر طوافِ کعبہ فرمانا یا اپنی نواسی حضرت امامہ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر نماز ادا فرمانا حدیث سے ثابت ہے مگر سنت نہیں۔ ہم اس پر عمل ہرگز نہیں کر سکتے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ میری سنت کو لازم پکڑو۔ یہ نہ فرمایا علیکم بِحَدِیْثِیْ. میری حدیث کو لازم پکڑو۔ لہٰذا دنیا میں اہلحدیث کوئی نہیں ہو سکتا اور ہم بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنت ہیں کیونکہ اہل حدیث کا معنی ہر حدیث پر عمل کرنے والا، اور یہ ناممکن ہے۔ مگر اہل سنت کے معنی ہیں ہر سنت پر عمل کرنے والا، یہ ممکن ہو سکتا ہے۔

سوال: — حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا۔ جگہ جگہ تلاش کرایا گیا۔ نہ ملا۔ پھر اونٹ کے نیچے سے برآمد ہوا۔ اگر حضور کو علم تھا تو لوگوں کو اسی وقت کیوں نہ بتا دیا کہ ہار وہاں ہے؟ معلوم ہوا کہ علم نہ تھا۔ (وہابی اور منکرین علم انبیا)

جواب: — اس حدیث پاک سے نہ بتانا معلوم ہوا نہ کہ نہ جاننا۔ اور نہ بتانے میں صدہا حکمتیں ہیں۔ حضرات صحابہ نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا تو کیا خدائے پاک کو بھی علم نہیں؟ مرضی الٰہی یہ تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہار گم ہو۔ مسلمان اس کی تلاش میں یہاں رک جاویں۔ ظہر کا وقت آ جاوے، پانی نہ ملے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جاوے کہ اب کیا کریں۔ تب آیت تیمّم نازل ہو جس سے حضرت عائشہ صدیقہ کی عظمت قیامت تک کے مسلمان معلوم کر لیں کہ ان کی طفیل ہم کو تیمّم کا حکم ملا۔ اگر اسی وقت ہار بتا دیا جاتا تو آیت تیمّم کیوں نازل ہوتی۔ رب کے کام اسباب سے

ہوتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کرے اس سے اونٹ کے نیچے کی چیز کس طرح مخفی رہے۔ شان محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہچاننے کی خدا توفیق دے۔

سوال:— بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے، یعنی معاذ اللہ بھنگیوں، چماروں، ہندوؤں، بدھوں، جینیوں وغیرہ میں ان ہی کی قوم سے آئے۔ لہٰذا لال گرو، رام، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لیے ان کو برا نہ کہو۔ قرآن فرماتا ہے: لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ. ہر قوم میں ہادی ہیں۔ نیز عورتیں بھی نبی ہوئی ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو وہ نبی ہے لہٰذا یہ عورتیں نبی ہیں۔ (بعض جہلا)

جواب:— سائل کے یہ دونوں قول غلط ہیں۔ اول تو اس لیے کہ وہ آیت پوری نہیں بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے: اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ. تم ڈرسنانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو۔ یعنی ہر قوم کا ہادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر انبیائے کرام خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اے محبوب تم ہر قوم کے نبی ہو۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ ہر قوم میں ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ ہر قوم میں اسی قوم کے ہادی ہوئے۔ ہوسکتا ہے کہ اشرف قوم میں نبی آئے، دیگر قومیں بھی ان کے ماتحت رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریشی ہیں مگر پٹھان، شیخ، سید، غرضیکہ ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں۔ نیز لفظ ہادی عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔ تو یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لیے رہبر ہوئے۔ بلکہ مہادیو، رام، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں۔ قرآن واحادیث نے ان کی خبر نہ دی صرف بت پرستوں کے ذریعہ ان کا پتہ لگا۔ وہ بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ، کسی کے چھ پاؤں، کسی کے دس سر، کسی کے منہ پر ہاتھی کی سونڈ، کسی کے پیچھے لنگور کی دُم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے اور ان کی صورتیں بھی۔ رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا: اِنْ هِیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ. یہ تمہارے اور تمہارے باپ داداؤں کے گھڑے ہوئے نام

ہیں۔ جب ان کے ہونے کا یقین ہی نہیں تو انہیں نبی مان لینا کون سی عقل مندی ہے۔ دوسرا قول اس لیے غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القا یا الہام کیا گیا تھا جسے قرآن نے اَوْحَیْنَـــا سے تعبیر کیا۔ وحی بمعنی الہام بھی آتی ہے جیسے قرآن میں ہے: وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحلِ آپ کے رب نے شہد کے مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ یہاں وحی بمعنی دل میں ڈالنا ہے۔ حضرت مریم کو وہ وحی تبلیغ نہ تھی اور نہ وہ تبلیغ احکام کے لیے بھیجی گئیں۔ نیز فرشتے کا ہر کلام وحی نہیں۔ بعض صحابہ نے ملائکہ کے کلام سنے ہیں اور بوقت موت اور قبر و حشر میں سب ہی ملائکہ سے کلام کریں گے۔ حالانکہ سب نبی نہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔

سوال:۔۔۔ حضور علیہ السلام اولادِ آدم ہیں۔ ہماری طرح کھاتے پیتے، سوتے جاگتے اور زندگی گذارتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں، موت آتی ہے۔ اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے ان کو بشر یا اپنا بھائی کیوں نہ کہا جاوے؟ (وہابی اور گمراہ لوگ)

جواب:۔۔۔اس کا جواب مولانا روم نے اپنی مثنوی شریف میں دیا ہے کہ کفار نے کہا ہم اور پیغمبر بشر ہیں کیونکہ اور وہ دونوں کھانے سونے میں وابستہ ہیں۔ اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔ دیکھو بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں ہرن ایک ہی دانہ پانی کھاتے پیتے ہیں مگر ایک سے پاخانہ اور دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے، نبی کے کھانے سے نور خدا ہوتا ہے۔ یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب اور قرآن برابر ہیں کیونکہ یہ دونوں ایک ہی روشنائی سے، ایک کاغذ پر، ایک ہی قلم سے لکھی گئیں، ایک ہی قسم کے حروف تہجی سے دونوں بنیں، ایک ہی پریس میں چھپیں، ایک ہی جلد ساز نے جلد باندھا، ایک ہی الماری میں رکھی گئیں۔ پھر ان میں فرق ہی کیا ہے۔ مگر کوئی بے وقوف بھی نہیں کہے گا کہ ان ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہوگئی۔ تو ہم صاحب قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے، ان کو معراج ہوئی، ان کو نماز میں سلام کرتے ہیں، ان پر

درود بھیجتے ہیں۔تمام انبیا اولیا ان کے خدام بارگاہ ہیں۔یہ اوصاف ہما شما تو کیا ملائکہ مقربین کو بھی نہ ملے۔

سوال:— محفل میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سونا ہوتا ہے جس کی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام۔لہٰذا محفل میلاد حرام۔(وہابی)

جواب:— اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا۔ بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے۔جہاں رات کو ہو وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا، گیارہ بارہ بجے تک ختم ہو جاتا ہے۔اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہی ہیں۔اگر دیر لگ بھی جاوے تو نماز با جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے۔لہٰذا یہ اعتراض محض ذکر رسول کو روکنے کا بہانہ ہے۔اور اگر کبھی میلاد شریف دیر میں ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا۔دینی مدارس کے سالانہ جلسے، دیگر مذہبی قومی جلسے رات کو دیر تک ہوتے ہیں اور بعض جگہ نکاح کی مجلس آخری رات میں ہوتی ہے۔رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جاگنا ہوتا ہے۔کہو یہ جلسے، یہ نکاح، یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفل میلاد پاک حرام کیوں ہو گی، ورنہ وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے۔

سوال:— حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ جنت میں جائے گا اور ایمان حضور کی شانِ عظمت، ادب و تعظیم اور عشق رسول کا نام ہے۔ اگرچہ ہم نمازیں نہیں پڑھتے، گناہوں میں ملوث رہتے ہیں مگر سنی مسلمان ہیں اس لیے جنت میں جائیں گے۔(خوش فہمی)

جواب:— بے شک ہر سنی صحیح العقیدہ مسلمان جنتی ہے۔وہ جنت میں جائے گا۔مگر گناہوں کی سزا کاٹ کر اسے جنت میں داخل کیا جائے گا کیونکہ جنت پاک وصاف جگہ ہے۔ وہاں گناہوں سے پاک لوگ ہوں گے۔ان کے کپڑے بھی پاک ہوں گے۔ان کے جسم اور خیالات بھی پاک ہوں گے اور گناہ ایک طرح کا میل ہے، گندگی ہے۔جنت میں میل اور

گندگی کی کیا ضرورت۔ گناہوں کی میل کو دھونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک لانڈری بنائی ہے جس کو جہنم کہتے ہیں۔ گنہگار آدمی کو سب سے پہلے اس لانڈری میں ڈالا جائے گا اور جب اس کے سارے گناہ جل کر، دھل کر پاک وصاف ہو جائیں گے تب اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ دیکھو ایک میلا کچیلا گندہ کپڑا اس وقت پہننے کے لائق ہوتا ہے جب وہ لانڈری میں جاتا ہے۔ دھوبی یا گھر والی اسے پہلے گرم پانی میں بھگوتی ہے، صابن لگاتی ہے، اسے پورا زور لگا کر پیٹتی ہے۔ جب کپڑا خوب پیٹتا اور مار کھاتا ہے تب جا کر صاف وشفاف ہوتا ہے۔ اسے خوب نچوڑ کر دھوپ میں خوب سکھایا جاتا ہے۔ سوکھنے کے بعد استری کے ذریعہ پھر آگ کی گرمی دے کر صحیح حالت پہ لایا جاتا ہے تب جا کر کہیں وہ کپڑا بدن سے قریب ہوتا ہے، جسم سے لگنے کے قابل ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح سمجھ لیجئے جس کے سینے میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ جنت میں جائے گا ضرور مگر سب سے پہلے اسے گناہوں کی سزا دینے کے لیے اس خدائی لانڈری میں دھلنے کے لیے بھیجا جائے گا۔ جب اس کے تمام گناہ جہنم میں جل جائیں گے، دھل کر وہ صاف وشفاف ہو جائے گا تو اسے وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ میرے سنی مسلمان بھائیو! ایسا نہ سمجھنا کہ ایمان ہے، عمل کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ درحقیقت ایمان کے بعد ہی عمل کی ضرورت ہے۔ بغیر ایمان کے کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ یعنی ایمان عمل ہی کے لیے ہوتا ہے۔ اگر آپ نے فرائض واجبات کو ترک کیا ہے تو اس کی سزا پہلے ملے گی، بعد میں سزا کاٹ کر اگر دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہے تو جنت میں جانا ہے مگر کب؟ سزا ملنے کے بعد۔ دھلائی اور پٹائی ہونے کے بعد، پہلے ہی سے نہیں۔ اس لیے فرائض وواجبات کو وقت پر ادا کیجئے۔ نیکیوں کی دعوت دیجئے۔ برائیوں سے خود بچئے اور دوسروں کو بھی بچایئے۔ گناہوں بھری زندگی چھوڑ دیجئے، تقویٰ وطہارت والی زندگی جینا سیکھئے۔

سوال:۔۔۔ نفس امارہ اور نفس مطمئنہ کیا ہے؟

جواب:۔۔۔ ہر انسان کا نفس ایک ہی ہے مگر اس کی کیفیتیں جداگانہ ہیں۔ اگر نفس حکم

رب اور شریعت کے تابع ہے تو نفس مطمئنہ ہے اور اگر خلاف شریعت نفس کسی امور کی طرف ابھارے تو یہ نفس امارہ ہے جس کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ اس نفس امارہ کی شرارتوں سے بچنا بھی بہت ہی ضروری ہے کیونکہ یہ نہایت نقصان دہ دشمن ہے اور اس کی آفات نہایت ہی سخت ہیں۔ اس کا علاج بہت مشکل امر ہے۔ اس کی بیماری نہایت خطرناک بیماری ہے اور اس کی دوا سب دواؤں سے دشوار ہے۔ نفس کا اس قدر مضر اور خطرناک ہونا دو وجہ سے ہے۔ اول یہ کہ نفس گھر کا چور ہے اور چور جب گھر میں ہی چھپا ہو تو اس سے محفوظ رہنا بہت مشکل ہوتا ہے اور بہت زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ نفس ایک محبوب دشمن ہے اور انسان کو جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے عیوب نظر نہیں آتے بلکہ محبت کی وجہ سے محبوب کے عیوب سے اندھا رہتا ہے۔ اگر انسان نفس کے عیوب سے آگاہ نہ ہو جو ہر وقت انسان کے ساتھ عداوت اور نقصان رسانی میں مصروف ہے تو ایسا شخص اگر اس پر خدا کی رحمت اور اس کا فضل نہ ہوا تو عن قریب ہلاکت اور ذلت کے گہرے گڈھے میں جا گرے گا۔

ابلیس کی مردودیت کے بعد حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے جو لغزش ظہور پذیر ہوئی اس میں بھی چاہت نفس کارگر تھی۔ ابلیس نے قسم کھا کر کہا کہ دانہ کھا لینے کے بعد تمہیں ہمیشہ کے لیے جنت میں رہنا نصیب ہو جائے گا تو دونوں بقائے حیات کو عزیز گردانتے ہوئے پھسل گئے۔ تو یہ لغزش بھی (جو بعد میں بالکل معاف ہوگئی) نفس کی معاونت و شرکت سے ہوئی۔ اور دونوں حضرات اس بنا پر اللہ تعالیٰ کے پڑوس و قرب سے دور کر دیئے گئے اور جنت فردوس سے اس فانی، حقیر، کھوٹی، ہلاکت میں ڈالنے والی دنیا کی طرف منتقل کر دیئے گئے۔ اور اس لغزش کے باعث انہیں بہت سی دقتیں پیش آئیں اور ان کی اولاد بھی قیامت تک دنیا کے پھندوں میں مبتلا ہوگئی۔

پھر ہابیل کا قتل بھی نفس امارہ ہی کی وجہ سے ہوا۔ اور ہاروت و ماروت بھی اسی نفس امارہ کے سبب فتنے میں مبتلا ہوئے۔ اور اسی طرح قیامت تک نفس کی وجہ سے ناقابل گفتہ بہ واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔ مخلوق میں جو فتنے، جو خرابیاں، جو گمراہیاں اور جو گناہ واقع

ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے ان کی بنیاد نفس اور نفس کی خواہش ہی ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مخلوق خیریت اور سلامتی سے رہتی۔ جب نفس کی عداوت اس حد تک خطرناک ہے تو عاقل کو چاہیے کہ نفس کی شرارتوں سے بچاؤ کا اہتمام کرے۔ واللہ الہادی۔ (منہاج العابدین)

سوال:— نفس امارہ تو بہت ہی ضدی، شرکش اور بدفطرت شئی ہے۔ اس کا لگام سے قابو میں آنا بہت مشکل ہے تو ایسے دشمن کو کون سا حیلہ اور تدبیر ہوسکتا ہے جس سے ہم اس کو زیر کرسکیں۔ (صوفیائے کرام)

جواب:— واقعی یہ انتہائی شرکش ہے۔ اس پر قابو پانے کے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ اسے بہت ذلیل وخوار کر کے رکھا جائے تاکہ لگام اور قابو میں آسکے۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ نفس کو خوار اور اس کے زور کو تین چیزوں سے توڑا جا سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ اسے شہوت سے روکا جائے کیونکہ اڑیل حیوان کو جب چارہ کم ملتا ہے تو نرم ہو جاتا ہے۔ دوسری چیز یہ کہ عبادات کا بھاری بوجھ اس پر لاد دیا جائے۔ کیونکہ گدھے کو جب چارہ کم دیا جائے اور بوجھ زیادہ لادا جائے تو لازمی طور پر اپنی شیخی چھوڑ دیتا ہے اور مطیع ومنقاد ہو جاتا ہے۔ تیسری چیز یہ ہے کہ ہر وقت رب تعالیٰ سے امداد طلب کرتا رہے کہ وہ نفس کے شر وفساد سے بچا کے رکھے۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ النَّفسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ. نفس تو ہمیشہ برائیوں کا حکم ہی دیتا ہے۔ ہاں! جس پر اللہ کا فضل وکرم ہو وہی محفوظ رہتا ہے۔ جب تم ان تینوں باتوں پر کاربند ہو جاؤ گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ نفس سرکش مطیع ومنقاد ہو جائے گا۔ اس وقت تمہیں اس کو زیر کرنے اور لگام دینے میں جلدی کرنی چاہیے تاکہ آئندہ کے لیے اس کی شرارتوں سے محفوظ رہ سکو۔ الحاصل یہ کہ نفس امارہ کو راہِ عبادت وشریعت پر چلانے کی تدبیر یہ ہے کہ تو قول، فعل اور فکر، غرض ہر طرح سے اس پر خوف کا کوڑا مسلط رکھے۔ جیسا کہ کسی بزرگ کے متعلق منقول ہے کہ اس کے نفس میں کسی گناہ کی رغبت اور چاہت پیدا ہوئی تو وہ باہر صحرا کی طرف چل پڑا۔ وہاں جا کر کپڑے اتارے اور تپتی ریت پر لوٹنا شروع کیا اور نفس سے مخاطب ہوکر کہا "اے رات کے وقت مردار کی طرح چارپائی پر پڑے رہنے والے اور دن لغویات میں

ضائع کرنے والے نفس! اس تپش اور حرارت کو چکھ لے۔ جہنم کی آگ تو اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ جب تیرے لیے یہ حرارت نا قابل برداشت ہے تو دوزخ کی آگ کی گرمی کس طرح برداشت کرے گا۔ اسی لیے تو میرے پیر و مرشد شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مرا نفس شرکش بھی رہزن ہے میرا
یہ دیتا ہے دم، دم بدم غوث اعظم
مرے دم کو اس کے دموں سے بچاوے
کرم کر کرم کر کرم غوث اعظم

(کلام نوریؔ)

سوال:— جسم میں بہت سے اعضا ہیں جیسے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، زبان وغیرہ۔ مگر دل کی پاکیزگی، درستگی اور اصلاح کے لیے جتنا تاکیدی حکم قرآن واحادیث میں نافذ ہوا ہے۔ اتنا کسی اور اعضائے بدن کے لیے نہیں۔ ایسا کیوں؟

جواب:—اس لیے کہ دل کا معاملہ باقی اعضا سے زیادہ خطرناک ہے اور اس کا اثر باقی اعضا سے زیادہ ہے۔ اس کی درستگی زیادہ دقت طلب اور اس کی اصلاح زیادہ مشکل ہے۔ پورے انسانی وجود کی پاکیزگی کا دارومدار اسی دل پر ہے۔ اگر یہ بگڑ گیا تو سمجھو پورا وجود بگڑ گیا۔ جسم میں سب سے بہترین چیز بھی یہی ہے۔ اور سب سے بدترین چیز بھی یہی۔ کسی بادشاہ نے حضرت لقمان علیہ السلام کو حکم دیا کہ بکری ذبح کرو اور اس کے جسم میں جو چیز سب سے زیادہ بہترین ہو وہ چیز نکال کر ہمارے پاس لے آؤ۔ آپ نے بکری ذبح کی اور اس کا دل لے کر آئے اور فرمایا اس سے بڑھ کر اس کے جسم میں کوئی چیز بہتر نہیں۔ چند روز کے بعد بادشاہ نے پھر کہا کہ جاؤ بکری ذبح کر کے اس کے جسم میں جو سب سے بدترین چیز ہو لے کر آؤ۔ آپ بکری ذبح کر کے پھر دل لے آئے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا اے بادشاہ! جسم میں سب سے بہترین یہی چیز ہے۔ اگر یہ درست ہے تو سب سے بہترین ہے اور اگر یہ بگڑ

جائے تو اس سے بدترین جسم میں کوئی چیز نہیں۔

اصلاحِ قلب کے متعلق کچھ قرآنی آیات پیش کرتا ہوں جن پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ دل کی اصلاح پوری طرح ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرِ.** اللہ خائن آنکھوں اور دل کی پوشیدہ رازوں کو جانتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَافِيْ قُلُوْبِكُمْ.** جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اس سے باخبر ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا: **اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ.** بے شک اللہ تعالیٰ سینے کے راز جانتا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کتنی دفعہ اس بات کو دہرایا اور تکرار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سینے کے اسرار پر آگاہ ہونا ہی درنے اور خوف کرنے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ علام الغیوب کے ساتھ معاملہ بہت نازک ہے۔ اس لیے تمہیں خیال ہونا چاہیے کہ تمہارے دلوں میں کس طرح کے راز ہیں جن سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ اگر معاذ اللہ تمہارے خیالات و ارادے رذیل، برے اور گندے ہوں تو تمہیں شرم و حیا کرنا چاہئے۔ خیالات، ارادے، وسوسے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اس لیے دل کو ہر طرح کی گندگی اور آلودگی سے پاک و صاف رکھنا چاہئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ان اللہ تعالیٰ لا ینظر الی صورکم وابشارکم و انما ینظر الیٰ قلوبکم۔** یعنی اللہ تعالیٰ صرف تمہاری ظاہری صورتوں اور کھالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دل رب العٰلمین کی نظر کا مقام ہے۔ تو اس شخص پر تعجب ہے جو ظاہری چہرے کا اہتمام کرے۔ اسے دھوئے میل کچیل سے صاف وستھرا رکھے تاکہ مخلوق اس کے چہرے کے کسی عیب پر مطلع نہ ہو، مگر دل کا اہتمام نہ کرے جو رب العٰلمین کی نظر کا مقام ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دل کو پاکیزہ رکھے اسے آراستہ کرے اور صاف وستھرا رکھے تاکہ رب العٰلمین اس میں کسی عیب کو نہ پائے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ دل گندگی، پلیدی اور غلاظت سے لبریز ہے مگر جس پر مخلوق کی نظر پڑتی ہے (چہرہ، کپڑا) اس کے لیے کوشش ہوتی ہے اس کی خوب دھلائی صفائی ہوتی ہے کہ اس میں کوئی عیب وقباحت نہ پائی جائے۔

خوب اچھی طرح یاد رکھو! دل ایک بادشاہ کے مانند ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور باقی اعضار عایا کی طرح ہیں کہ سب اس کی پیروی کرتی ہیں۔ تو اگر سردار درست ہو تو اس کے تابع بھی درست ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر بادشاہ درست ہو تو رعایا بھی درست اور ٹھیک ہوتی ہے۔ اس بیان کی وضاحت حضور علیہ السلام کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: اِنّ فی الجسدِ مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلّہٗ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الاوھی القلب۔ یعنی انسان کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہوتا ہے۔ سن لو کہ وہ دل ہے۔

دوستو! جب تمام جسم کی اصلاح قلب کی اصلاح پر موقوف ہے تو دل کی اصلاح بہت ضروری ہے اس لیے دل کی پاکیزدگی و درستگی کے لیے سب سے زیادہ تاکیدی حکم دیا گیا۔ اللہ ہم سب مسلمانوں کو عبرت پکڑنے والوں، ہدایت یافتہ لوگوں اور اصلاحِ قلب کی تگ و دو کرنے والوں میں شامل فرمائے۔ وھو ارحم الراحمین ۝

محتاج دعا

محمد الیاس خان نوری

❁ ❁ ❁

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون پ۱۴ سورہ نحل
ترجمہ: اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں (کنزالایمان)
ہم سے پوچھئے
عُبَیدِ غوث و خواجہ رضا و کُل اولیاء
مُحمّد جمال الدّین خان قادری رضوی
ضلع بہرائچ شریف یو. پی. الہند
موبائل نمبر : ← 7860520899
1 @islaamic_Knowledge
2 @Aalaa_Hazrat_Library
3 @Maslake_Aalaa_Hazrat
4 @Ahlesunnat_HindiBooks
تالیف
محمد الیاس خان نوری
उबैदे ग़ौसो ख़्वाजः रज़ा व कुल औलिया
मुहम्मद जमालुद्दीन ख़ान क़ादिरी रज़वी
ज़िलअ् बहराइच शरीफ़ यूपी, अल-हिन्द
ोबाइल नम्बर +917860520899
محمدی بک ڈپو
۵۲۳- وحید کتب مارکیٹ
مٹیا محل جامع مسجد دہلی٦
1 /340